ملفوظات و حالات شاہ فخر دہلوی ؒ

اردو ترجمہ فخر الطالبین و مناقب فخریہ

مترجمہ و مرتبہ

میر نذر علی درد کاکوروی

[illegible]مان اکیڈمی

حق نشان ۳۰ نیو کراچی ہاؤسنگ سوسائٹی

کراچی ۵

ملفوظات و حالات شاہ فخر دہلوی رح

اُردو ترجمہ۔ فخر الطالبین و مناقب فخریہ

مترجمہ و مرتبہ :- میر نذر علی دَرد کاکوروی

سلمان اکیڈمی

حق نشان، ۳ کراچی، ہاؤسنگ سوسائٹی۔ کراچی ۵

سن طباعت .... ۱۹۶۱ء عیسوی

باراوّل ایک ہزار

قیمت ...... چار روپے پچاس پیسے

مطبوعہ

مشہور آفسٹ پریس۔ کراچی

فہرست مضامین

مقدمہ

از جناب مفتی انتظام اللہ شہابی

خدائے تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ وہ اپنے دینِ متین کی اشاعت و تحفظ کی خاطر علمائے اُمت میں سے وقتاً فوقتاً ایسے صالح بندے منتخب فرماتا ہے جن کی صلاحیتیں بروئے کار آکر اُمتِ محمدیہ میں نئی روح پھونکتی رہتی ہیں۔ تاریخِ اسلام کے صفحات ان نفوس قدسیہ کے حالات سے مزین ہیں۔ ان میں سے اکثر حضرات ایسے ہیں جن کو اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال کی قربانی دینی پڑی ہے اور ان بزرگوں نے بخوشی یہ قربانیاں دی ہیں۔

برصغیر ہند پاکستان میں کثرت سے ایسے بزرگان دین پیدا ہوئے جن کے واقعات زندگی تاریخوں اور تذکروں میں محفوظ چلے آتے ہیں۔ اپنے زمانہ میں اُنھوں نے احیاء دین اور اشاعت اسلام میں بڑی صعوبتیں جھیلیں، مخالف حالات کا مقابلہ کیا، لیکن وہ اپنے کام میں لگے رہے۔ آخر کار اُن کی دعوت حق سے اچھے اثرات مرتب ہوئے۔

صوفیائے کرام اور علمائے عظام کی دعوت اعلائے کلمۃ الحق کا یہ ایک کرشمہ ہے کہ برصغیر کے باشندے جوق جوق دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہاں کے بادشاہوں نے اشاعت اِسلام کی طرف توجہ نہیں کی، وہ دوسری اصلاحات میں مصروف رہے۔ لیکن اس کمی کو صوفیائے کرام اور علمائے حق نے پورا کیا۔ ان ہی حضرات کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج اس سرزمین پر تیرہ کروڑ حلقہ بگوشانِ اسلام موجود ہیں۔

ان حضرات میں مشائخین قادریہ، سہروردیہ، چشتیہ نقشبندیہ پیش پیش ہے۔

چشتیہ سلسلے کے عہدِ آخر کے بزرگوں میں حضرت

شاہ فخرالدین نظامی کا اسم گرامی صفِ اوّل میں شمار کیا جاتا ہے۔

شاہ صاحب کی تعلیمات اور معلومات زندگی کا مختصر سا نقشہ آپ کے ملفوظات "فخرالطالبین" میں نظر آتا ہے، شاہ فخر کے علم و فضل، درس و تدریس، تبلیغ اسلام، پیری و مریدی اور آپ کے مریدین و احباب کے تذکرہ کی تفصیل اس میں موجود ہے۔

شاہ صاحب جس وقت اورنگ آباد سے دلّی آئے تو یہاں کی زبوں حالی منتہٰی کو پہنچ چکی تھی۔ سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی عمارت بھی متزلزل ہو رہی تھی۔ مسلمانوں میں ہر قسم کے عیوب راہ پا چکے تھے۔ اس دَور کی زندگی میں جو خرابیاں سرایت کئے ہوئے تھیں اُن کا اندازہ لگانے کے لئے درگاہ قلی خاں کی تصنیف "مرقع دہلی" کے صفحات ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔ دہلی کا وہ شہر جس کو کبھی "عالم میں انتخاب" کہا جاتا تھا اور جو ہنر مندوں اور صنعت کاروں کا مرکز تھا، اب عیاش پسند امراء کی تفریح گاہ بن کر

رہ گیا تھا۔

سیاسی زندگی میں بس یہی خود غرض امراء اور درباریوں کی سازشوں اور خانہ جنگیوں کے علاوہ کچھ باقی نہ رہا تھا۔ بادشاہ کو پہلے مرہٹوں اور بعد میں انگریزوں نے عضو معطل بنا دیا تھا۔ غرض جہاں تک مسلمانوں کا تعلق تھا ہر طرف مایوسی اور تاریکی چھائی ہوئی تھی۔

اسی دورِ تاریکی میں ہم کو یہ چند درخشاں ہستیاں نظر آتی ہیں جن کے کارنامے تاریخ میں یادگار رہیں گے۔

ان عظیم المرتبت شخصیتوں میں حضرت شاہ عبدالرحیم، حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی و مرزا مظہر جان جاناں قابلِ ذکر ہیں۔

ان حضرات نے بوریہ نشینی کے باوجود عوام کی اصلاح کی اور ان کو دینی تعلیم کی طرف دعوت دی، اپنے مکانوں اور خانقاہوں میں ان بزرگوں نے درس گاہیں قائم کیں جہاں سے علماء نکلتے اور دُور دُور تک اشاعت علم کرتے شاہ عبدالرحیم کے بعد شاہ ولی اللہ نے درس و تدریس اور

رشد و ہدایت کی محفل جمائی، شاہ کلیم اللہ کے
مسند ارشاد کو حضرت شاہ فخر الدین نے سنبھالا
اور چشتیہ سلسلہ کو دور دور تک پھیلایا۔ اس کے
ساتھ ہی درسِ حدیث بھی جاری تھا کہ جو
بدعات و محدثات رواج پا گئی تھیں اِس کا
سدِ باب ہو۔

حکومتِ وقت کا بڑا حاکم امیرالامرا نجف خاں
اپنے مسلک پر عوام کو رجوع کرنا چاہتا تھا،
اس کی وجہ سے دلی میں تعزیہ داری کا بہت
زور تھا، حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے اس
بدعت کے خلاف حق بات کہی اُس نے فولاد
خاں (شیعہ) سے اُن کو ایسا زخمی کر دیا کہ وہ
جاں بحق ہو گئے۔

تحفہ اثنا عشریہ کی تصنیف کی پاداش میں
حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کو جلاوطنی کا حکم
ہوا تمام خاندان دور تک پیدل گیا پھر اُن
کے لئے سواری کا انتظام شاہ فخر الدین
نے کیا۔

شاہ فخر الدین سے شاہ عالم کو عقیدت

تھی اس کے خلف اکبر شاہ ثانی ان کے مرید تھے اور پوتے ابو ظفر بہادر شاہ نے بچپن میں دیکھا تھا۔

بہادر شاہ ظفر فرماتے ہیں ؎

اے ظفر کیا بتاؤں تجھ سے کہ جو کچھ ہوں سو ہوں
لیکن اپنے فخر دینؒ کے کفش برداروں میں ہوں

حضرت شاہ فخر الدین اور شاہ عبد العزیز کی اصلاحی مساعی نے دلّی کے امراء اور عوام کی کایا پلٹ دی تھی اور اسلامی معاشرہ میں ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔ ان کے تلامذہ نے جگہ جگہ مدرسے کھول دیئے تھے خود حضرت شاہ عبد العزیز ایک قصیدہ میں فرماتے ہیں ؎

بِهَا مَدَارِسُ لَوْ طَافَ الْبَصَرُ بِهَا
لَمْ تَفْتَحْ عَيْنَةُ الْأَعْلَى الصُّحُفِ

(دلی میں) جس طرف نکل جایئے اس میں مدارس نظر آئیں گے، اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہوگا۔

شاہ فخرؒ نے اپنے مریدی کے سلسلہ کو وسیع کر دیا تھا ہندو اور شیعہ بھی آپ کے مرید ہو جاتے تھے شاہ صاحب بڑی بالغ نظری سے تبلیغ دین متین فرماتے تھے، بہت سے ہندوؤں نے حضرت کی تربیت سے اسلام قبول کر لیا، اسی طرح بہت سے شیعہ حضرات صحیح العقیدہ ہو گئے۔ مسجدیں آباد، خانقاہیں ذکر و فکر کی مجلسیں بن گئی تھیں، ان سب حالات کی "فخر الطالبین و مناقب فخریہ" میں ایک پُراز معلومات روشن تصویر نظر آتی ہے۔

ہر دو کتاب فارسی میں ہیں جن کو شاہ فخرؒ کے مریدین میر نورالدین حسین و غازی الدین خاں نظام نے جمع کیا ہے۔ ان کتب کو اردو زبان کا جامہ جناب میر نذر علی درد کاکوروی نے پہنایا ہے۔ حضرت درد کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ ہند پاکستان کے مشہور شاعر کہنہ مشق اہل قلم اور صاحبِ درد ہیں۔ ترجمہ شگفتہ اور سلیس ہے۔ شروع میں شاہ فخرالدینؒ کی مختصر سوانح عمری بھی اس میں شامل کر دی ہے جس سے اس کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

کہیں کہیں حاشیے بھی حسب ضرورت لکھ دیئے ہیں۔

سلمان اکیڈیمی اس کتاب کو شایع کر کے وقت کی اہم ضرورت کو پورا کر رہی ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کے ارباب کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

انتظام اللہ شہابی

۱۰ر جولائی ۱۹۶۱ء

فخر الطالبین

(ملفوظات شاہ فخر الدین دہلوی رح)

نقشِ اوّل

یہ کتاب جو آپ کے سامنے ہے حضرت مولانا فخرؒ کے ارشادات کے فارسی مجموعے کا ترجمہ ہے۔

حضرت مولانا فخرؒ کلیم اللٰہی عظمت کے علم بردار وہ ہستی ہیں جن کی چشتیہ خاندان میں ایک دھوم ہے۔

آپ حضرت شاہ نظام الدین کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ نظام الدینؒ نے کاکوری میں خواب دیکھا کہ میں دہلی کے کسی بزرگ کی مجلس میں ہوں اور اُن کے انوار و برکات سے مستفید ہو رہا ہوں۔ والد سے اس خواب کو بیان کیا اور علمی تشنگی ظاہر کرتے ہوئے دہلی وغیرہ کی سیر و سیاحت کی اجازت چاہی۔ والد نے پہلے پدری محبّت کی وجہ سے روکا، پھر ان کے اصرار پر اجازت دیدی، آپ دہلی پہنچے اور حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ خود ان کا بیان ہے کہ جب میں حضرت شیخ موصوف جہاں آبادی کی مجلس میں پہنچا تو مجکو اپنا کاکوری والا خواب یاد آگیا۔ حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کے یہ مرید ہو گئے۔ چند روز میں آپ کو مرشد نے

سلوک کے تمام مقامات طے کرا دیئے۔ اور علاقہ دکن کا قطب بنا کر اورنگ آباد دکن بھیج دیا اور وہیں قیام کا حکم صادر فرمایا۔ جن صاحب کو حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کے تفصیلی حالات درکار ہوں وہ ہماری کتاب "تذکرہ اولیاء اللہ اورنگ آباد دکن" ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا فخر رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص مرید سید نور الدین حسینی نے اپنے مرشد کے ارشادات کو فارسی زبان میں مرتب کر کے فخر الطالبین نام رکھا تھا۔ حافظ عبد الاحد مالک مطبع مجتبائی نے اس کتاب کو صفر ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۹ء میں شائع کیا تھا۔ فارسی زبان میں ہونے کی وجہ سے عام اردو داں طبقہ اس کتاب سے مستفید نہیں ہو سکتا تھا اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اردو زبان میں اس کا ترجمہ کر دیا جائے۔ حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کے سجادہ نشین حضرت جناب قیصر میاں صاحب زاد عنایتہ نے بھی اس کی نہ صرف تائید فرمائی بلکہ اصرار فرمایا کہ جلد اس کو مکمل کیا جائے۔ (یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب میں اورنگ آباد دکن میں ۳۰ سال مقیم رہا ہوں۔)

بہر حال عند ذکر اولیاء اللہ تنزل الرحمۃ (اولیاء اللہ کے ذکر کے وقت اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے) اس حدیث شریف کے تحت اس کتاب کو اردو زبان میں پیش کیا جا رہا ہے۔ تاکہ عام طبقہ بھی خدا کی رحمتوں سے فائدہ اٹھا سکے۔ چونکہ کتاب حضرت مولانا فخر رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات سے متعلق ہے اس لئے ناظرین آئندہ صفحہ میں حضرت موصوف کا مختصر حال ملاحظہ فرمائیں۔

محمد کاکوروی۔

حضرت مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ

آپ بمقام اورنگ آباد دکن ۱۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حضرت مولانا شاہ نظام الدین رح نے اپنے مرشد (حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی) کو مطلع کیا۔ چونکہ ان کے متعلق بہت سی بشارتیں تھیں اس لئے وہ اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور اپنا پیرہن ان کے لئے روانہ فرماتے ہوئے "مولانا فخر الدین" نام تجویز فرمایا۔ اشارتاً یہ بھی صراحت فرمائی کہ جس فرزند کے متعلق بشارتیں دی گئی ہیں وہ یہی فرزند ہے۔ یہ بچہ ظاہری علوم میں جید عالم اور باطنی عرفانی علوم کے لحاظ سے اپنے زمانے میں دہلی کا قطب الارشاد ہوگا۔

پدری سلسلے کے لحاظ سے آپ کا نسب حضرت شہاب الدین سہروردی سے ملتا ہے اور مادری اعتبار سے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔

محمد اسماعیل آپ کے حقیقی بھائی تھے جو اپنے والد بزرگوار کے خلیفہ کامگار خاں کے مرید تھے۔ ایک حقیقی بہن تھیں۔ دوسری والدہ سے اور تین بھائی تھے ۱۔ غلام معین الدین ۲۔ غلام ہمام الدین ۳۔ غلام کلیم اللہ۔ یہ تینوں بھائی آپ سے عمر میں چھوٹے اور تینوں آپ ہی کے مرید تھے۔

نہایت اعلیٰ پیمانے پر آپ کی تعلیم ہوئی قرآن شریف اور اس کی تفسیر۔ شرح وقایہ، مشارق الانوار، مثنوی شریف، فتوحات مکیہ، نفحات الانس، یہ کتابیں آپ نے اپنے والد سے پڑھیں۔ اس کے بعد آپ مولانا عبد الحکیم کی خدمت میں

حاضر ہوئے۔ اِن سے بھی تفسیر، حدیث، اور فقہ کی تکمیل فرمائی۔ اگرچہ باطنی تعلیم اپنے والد سے بہت کچھ حاصل کر چکے تھے، تاہم حضرت مولانا اسعد انصاری ؒ سے حدیث، تصوف، منطق، فلسفہ کے علوم پر عبور حاصل کیا۔ پھر شمس بازغہ اور فصوص الحکم مولانا میاں محمد جان رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔ اس طرح آپ ۳ سال تک علوم کی تکمیل میں مشغول و مصروف رہے۔ اس کے علاوہ دیگر علوم و فنون، طب، تیر اندازی اور فن سپہ گری میں بھی مہارت حاصل کی۔ حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کی بشارات سے آپ کے والد کو علم ہو چکا تھا اس لیے تمام صاحبزادوں میں مولانا فخر صاحب ہی سے آپ کو بہت زیادہ محبت تھی۔ مولانا اپنے ذاتی ذوق سے فن سپہ گری میں یکتائے روزگار ہو گئے تھے۔ جب آپ کے والد ماجد اس عالم سے سفر فرمانے لگے تو مولانا کے بہنوئی قاضی کریم الدین کے ذریعے مولانا کو طلب فرما کر لپٹا لیا اور تمام ظاہری باطنی نعمتیں جو آپ کو سینہ بہ سینہ ملی تھیں وہ سب مولانا کے سینے میں منتقل فرما دیں اس کے بعد رحلت فرمائی۔

باطنی اشارے پر آپ نے فوجی ملازمت اختیار کر لی۔ اس طرح آپ دن بھر سپاہیانہ خدمات انجام دیتے اور رات کو ریاضت و عبادت میں مصروف رہتے۔ اورنگ آباد کی خانقاہ آپ کے والد کی وجہ سے مرجع خلائق پہلے ہی سے تھی۔ اب آپ کی ریاضت اور مجاہدوں سے اس میں اور چار چاند لگ گئے۔ چند روز بعد آپ نے ملازمت کو خیرباد کہہ دیا جس قدر آپ درویشی کو پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے اتنی اور شہرت ہوتی جاتی۔

مقامات مقدسہ کی زیارت کا آپ کو شوق ہوا تو اورنگ آباد کی خانقاہ کے تمام امور کو اپنے بھائیوں کے سپرد کر کے دہلی روانہ ہو گئے۔ کتاب مناقب المحبوبین سے پتہ چلتا ہے ۱۱۶۵ھ میں آپ دہلی تشریف لے گئے۔ نواب غازی الدین مرحوم کی رباعی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

بود سالے چہ فرخ و میموں　　　شصت و پنج و ہزار و صد افزوں

فخر دیں بات قدوم سعد و سعید　　　دہلی کہنہ را نوا بخشید

دہلی میں آپ تمام مزاروں کی زیارت سے مشرف ہو کر پاک پٹن شریف، پھر لاہور اس کے بعد اجمیر شریف پہنچے۔ ان تمام مقدس آستانوں کی حاضری، چلہ کشی، مجاہدوں اور اسمائے حسنیٰ کی زکاتوں سے متعلق تھی اس طرح روحانی فیوض سے آپ نے اپنے آپ کو مالامال فرمالیا اس کے بعد پھر دہلی واپس ہو گئے۔ حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کے صاحبزادوں نے آپ کو کئی دن مہمان رکھا۔ معتقدین نے اورنگ آباد واپس جانے نہ دیا بلکہ ایک حویلی کرائے پر لے کر آپ کے قیام کا مستقل انتظام کر دیا۔ پھر کیا تھا مخلوق ٹوٹ پڑی۔ بیعت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مختلف خاندانوں کے شہزادوں میں سب سے پہلے ابو نصر معین الدین داخل سلسلہ ہوئے اس کے بعد شاہی خاندان کے اکثر افراد اس سعادت سے مشرف ہوتے رہے۔ بہادر شاہ ظفر آپ ہی کے مرید تھے۔ (جنھوں نے نظم میں آپ کی منقبتیں لکھی ہیں) بالآخر اجمیری دروازے کے باہر آپ کے لئے خانقاہ تعمیر ہوئی۔ رفتہ رفتہ یہ خانقاہ چشتیہ سلسلے کے فیوض کا مرکز بن گئی۔ یہاں اکثر سماع کی مجلسیں بھی گرم رہا کرتی تھیں۔

دہلی کے امراء میں ایک شخص مولانا کا مرید ہوا بعد میں چند حاسدوں کی شرارتوں نے اس کو مولانا سے منحرف کر دیا۔ حضرت سید ظفر علی شاہ قادری سلسلے کے ایک بزرگ تھے جو محلہ پہاڑ گنج میں رہا کرتے تھے۔ یہ شخص وہاں گیا اور اس نے حضرت سید ظفر علی شاہ رح سے مولانا کی مجلس سماع کا ذکر کرتے ہوئے بہت کچھ نازیبا کلمے کہے۔ سید صاحب کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی اس شخص کی طرف نگاہ جلال سے دیکھا وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس امیر کے ملازمین اس شخص کو پالکی میں ڈال کے گھر لائے مگر ہوش میں نہ آیا۔ بعض لوگ اس کو مولانا کی خدمت میں لے گئے۔ مولانا نے فرمایا یہ قادری جلال کا معتوب ہے۔ سید ظفر علی شاہ دہلی کے شاہ ولایت ہیں۔ میں کچھ نہیں کر سکتا انھیں کے پاس لے جاؤ۔ بالآخر لوگ ان کے پاس لے گئے اور اس کی طرف سے بہت معافی چاہی۔ سادات کا مسلک رحم و کرم ہے۔ سید صاحب کو رحم آ گیا۔ فوراً نگاہ کرم سے دیکھا تو وہ شخص ہوش میں آ گیا۔ آپ نے اس کو ہدایت کی کہ دیکھو کبھی فقیروں کو برا نہ کہنا۔ اس کے بعد یہ شخص قدم بوس ہو کر اپنے دوستوں کے ساتھ اپنے گھر واپس آ گیا۔

ادھر حضرت سید مظفر علی شاہ قادری رح۔ حضرت مولانا سے ملنے آئے اور فرمایا کہ میرا آخری وقت ہے۔ حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی رح کے باطنی حکم پر آپ کو سلسلۂ قادریہ کی امانت سپرد کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر سید صاحب مولانا سے بغل گیر ہو گئے اور قادری سلسلے کی نعمت آپ کے سپرد فرمائی۔ اسی رات مظفر علی شاہ کا انتقال ہوا جب شاہ فخر کو خبر ہوئی تو آپ نے قطب ابدال کے

جنازے کی نماز میں شرکت فرماکر سعادت دارین حاصل کی۔

یہ وہ مقدس زمانہ تھا کہ بمقام الہ آباد حضرت شاہ باسط علی قلندرؒ، بمقام جون پور شاہ عبدالقدوس قلندرؒ، بمقام مارہرہ حضرت شاہ آل احمد قادری سلسلے کے فیوض و برکات سے خدا کی مخلوق کو فیض یاب کر رہے تھے۔ اسی طرح مولانا شاہ محمد معصوم قصبہ کاکوری میں" اویسیہ سلسلے کی تبلیغ میں مشغول تھے۔ حضرت شاہ محمد کاشف سبزپوش بھی قصبہ کاکوری میں چشتیہ سلسلے کے فیوض و برکات سے عالم کو مستفید فرما رہے تھے۔ خلاصہ یہ کہ یہ حضرات آپ کے ہم عصر تھے۔

چونکہ حضرت سید مظفر علی شاہؒ نے حضرت مولانا فخرؒ کو قادری نعمت دے کر اپنی قطب ابدالی بھی عنایت فرمادی تھی۔ اس لئے آپ کے چشتیہ سلسلے کی شراب دو آتشہ ہوگئی تھی۔

غرض مولانا اسلامی تعلیمات کا زندہ نمونہ تھے۔ ہر حقیقی طالب کو ظاہری و باطنی علم و عمل سے مالامال فرماتے رہتے۔ اسلامی اخلاق کی آپ گویا مجسم تصویر تھے۔ بلکہ سرمایہ فخر و امتیاز تھے۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ آپ کا دامن نہ چھوڑتے۔ ظاہری باطنی علم کی مسند آپ کے حصے میں آگئی تھی شاید کوئی ایسا ہو جو آپ کی دولت علم کا دست نگر نہ ہو۔ آپ کے علمی و اخلاقی اور صوفیانہ کمالات کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں آپ کی بڑی عظمت تھی آپ کا قول سند مانا جاتا تھا۔ کیونکہ آپ بہمہ وجوہ صوفیانہ مسند کی زینت بن چکے تھے۔ پرہیزگاری آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔

آپ کے والد کی خانقاہ جو اورنگ آباد میں ہے آج کل جناب غلام معین الدین عرف قیصر میاں صاحب سجادہ نشین ہیں (جن کے والد ماجد اور چچا صاحبان کی خدمت میں اس کمترین درد کو نیاز حاصل رہا ہے) موصوف سے آپ کی جو رباعیاں ملی ہیں وہ یہ ہیں۔

میرے مولا قل ہو اللہ احد کے واسطے
اسم اعظم اور اللہ الصمد کے واسطے
اپنی ماں کے باپ کے، بھائی کے، جد کے واسطے
یا حسین ابن علی پہنچو مدد کے واسطے

آپ کی فارسی رباعی بھی سنئے۔

نہ سنیم کہ زنم طعنہ رافضی احمق | نہ رافضی کہ کنم سینہ و گریباں شق
مرید حضرت عشقم و لے ہمی دانم | کہ کیست برسر باطل و کیست برسر حق

چند روز بعد حضرت مولانا پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ آپ کی زبان پر یہ شعر تھا۔

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم | جسم بگزارم سراسر جاں شوم

اس سے رحلت کی طرف اشارہ تھا مریدین، معتقدین، حاضر باش سب یہ حالت دیکھ کر زار قطار رو رہے تھے یہاں تک کہ ۲۷ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء میں بعمر ۳۷ سال آپ نے وصال فرمایا وصیت کے مطابق آپ کی میت آپ کے مرید صادق بینڈھو خاں کے سپرد کی گئی نماز

جنازہ میں مشائخ وقت علما۔ ادبا سبھی شریک تھے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے آستانے کے قریب آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے مشہور خلفاء

حضرت مولانا شاہ نیاز احمد بریلوی۔ خواجہ نور محمد مہاروی۔ مولانا ضیاء الدین جے پوری۔ مولانا جمال الدین رام پوری۔ سید احمد۔ مولوی غلام حسین فرید حسینی۔ میر سراج الدین۔ صوفی یار محمد۔ میر محمد اعظم بن عبدالرحمان۔ مولانا ظہور اللہ۔ محمد امان اللہ۔ مولوی روشن علی۔ میاں عصمت اللہ۔

تصانیف

فخر الحسن۔ عقائد نظامیہ۔ رقعات متفرقہ۔ (ان رقعات میں سے ایک رقعہ ہم کو ملا ہے جس کو ہم نے اپنی کتاب تذکرہ اولیاء اللہ اورنگ آباد دکن میں نقل کیا ہے)۔ یہ تمام چیزیں آپ کے علم وفضل اور محققانہ قابلیت کی آئینہ دار ہیں۔

اولاد

حضرت مولانا فخرؒ کے ایک فرزند تھے۔ غلام قطب الدین ان کا نام تھا یہ دکن میں پیدا ہوئے تھے۔ جب مولانا فخر دہلی آئے تو ان کو اپنی ہمشیر کے سپرد کر آئے۔ چند روز بعد یہ بھی دہلی آ گئے اور مولانا فخرؒ کے وصال کے بعد یہ اپنے والد کے سجادہ نشین ہوئے۔ اُنھوں نے ۱۸ر محرم ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء کو انتقال فرمایا۔ ان کے بھی ایک فرزند تھے۔ جن کا نصیر الدین نام تھا۔ مگر میاں کالے صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ بے نظیر شاعر مومن خاں نے ان کا یہ سجع کہا ہے۔

"ہر دم نام میاں کالے"

بمقام دہلی قاسم جان کی گلی میں۔ میاں کالے صاحب کی حویلی تھی۔ اب احاطہٗ کالے صاحب کے نام سے یہ جگہ مشہور ہے۔ کالے صاحب نے ۱۵ر جنوری ۱۸۴۶ء / ۱۲۶۲ھ کو وصال فرمایا۔ مہرولی میں دفن ہوئے۔ کالے صاحب کے بعد ان کے فرزند اکبر۔ غلام نظام الدین سجادہ نشین ہوئے۔ غدر میں کالے صاحب کی املاک ضبط ہو گئی تھیں۔ غلام نظام الدین دکن چلے گئے۔ جب حالات درست ہوئے تو دہلی واپس آ گئے۔ اُنھوں نے ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء میں وفات پائی۔ کالے صاحب کے نواسوں میں سجادہ نشینی کا سلسلہ ہے۔ اس وقت حاجی میاں صاحب سجادہ نشین ہیں۔

جن کتابوں سے حالات اخذ کئے گئے ہیں ان کے یہ نام ہیں۔ کتاب

روحانیت کے تاجدار۔ مناقب المحبوبین۔ واقعات دار الحکومت دہلی۔ تاریخ مشائخ چشت علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی جلد اوّل) مرتبہ محمد ایوب قادری بقیہ قیام اورنگ آباد دکن ذاتی معلومات کی بناء پر لکھا گیا ہے۔ اس کو تذکرہ اولیاء اللہ اورنگ آباد دکن میں ملاحظہ فرمائیے۔

تاریخی قطعات رحلت حضرت مولانا فخر رح

عارفِ حق شاہ فخر الدیں نمود
چوں بسوئے عالمِ ارواح وصل

سالِ رحلت درد گفتم۔ گشتہ اند
بے سروپا لطف و وصف و شغل و عقل

۱۱۹۹ھ

دیگر

درد فخر زمانہ فخر الدیں
ہو گئے ذاتِ بحت میں فانی

ہے سنِ عیسوی میں حضرت کا
سالِ رحلت بفضلِ سبحانی

صوری معنوی ہے۔ واسع۔ درد
بست و ہفتم جمادی الثانی

۱۲۰۰ ۱۶۴۳

۱۷۸۰ء

دیگر

فخرِ فخرِ زمانہ فخر الدین
تھے بہ فضل و کمال اولٰنا

سنِ ہجری میں دردؔ ہے تاریخ
فخرِ جامع مثال مولانا

۱۱۹۹ھ

دردؔ کاکوروی قلندری

اظہارِ تشکر:۔

میں اپنے محب صادق مفتی انتظام اللہ شہابی صاحب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ موصوف نے اس کتاب پر مختصر مگر جامع مقدمہ تحریر فرمایا۔ اسی طرح جناب ڈاکٹر سید معین الحق اور مولوی محمد ایوب قادری کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جن کی پُر خلوص توجہ اور سعی کامل سے یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی قادری صاحب نے جس توجہ سے اس کی کاپیاں اور پروف پڑھے وہ ان کی علم دوستی کی بین دلیل ہے اللہ تعالےٰ میرے تمام مخلصین کو جزائے خیر دے۔

دردؔ کاکوروی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اس واحد کی حمد جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جیسا رسول بنا کر بھیجا۔ تمام مخلوقات سے پہلے مرتبہ وحدت میں پورے مظہر کی حقیقت کو ملاحظہ فرمایا۔ اور اولیا انبیاء کے دفتر کا ان کو پیشوا بنایا۔ اور ابو البشر (حضرت آدم علیہ السلام) کی آنکھ کو ان کے جمال سے منور فرمایا۔

تمام رسولوں کے بعد زمانے کو۔ کمالات کے ظہور سے اور دین کو آں حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کثیر معجزات کے ذریعہ (اللہ نے) الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتیؔ[1]۔ والی آیت سے دین کو مکمل فرما دیا۔ عارف اور مشہور عقلمند جان لیں کہ سرکار دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی کی ذات سے کائنات وابستہ ہے ھو الاول[2] والآخر والظاہر والباطن سے اسی طرف اشارہ ہے۔

اس خورشید نورانی کا ہاتھ جو درحقیقت یہ قدرت ہے اس نے کفر کی ظلمتوں کو صفحۂ دنیا سے مٹا دیا اور اس کو دین کی صفائی اور روشنی سے بدل دیا اور چاہا کہ قیامت قائم ہونے تک یہ دین مضبوط اور قائم رہے۔

---

[1] آج میں نے آپ کا دین کمل کر دیا۔ اور اپنی نعمتیں آپ پر ختم کر دیں۔

[2] وہی اول ہے وہی آخر وہی ظاہر ہے وہی باطن۔

اولیاءؔ امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ حدیث ان قواعد کی شاہد ہے
اس طرح اس اُمت میں گویا انبیاء کے صفات موجود ہیں۔ جن سے دنیا
کی ہدایت مقصود ہے۔ اس لئے ہر مومن کو لازم ہے کہ مقبولان بارگاہ
میں سے کسی ایک کے طریقے پر استقامت حاصل کرلے۔ اور اپنے ہاتھ
سے ان کا پاک دامن پکڑلے تاکہ شفاعت کے واسطے دلیل ہاتھ آجائے۔
زنجبریدالاحادیث کے صفحہ ۲۳۷ میں یہ شفاعت کی حدیث ہے کہ
یاانس اکثر من الاصدقاء فانھم شفعاء (ترجمہ) اے انسؓ دوست
بہت پیدا کر یہ تیرے لئے شفیع ہوں گے) قل فللّٰہ الحجۃ البالغۃ
(فرما دیجئے اللہ کے یہاں پوری دلیل کی ضرورت ہے) اس آیت پر
کامل یقین ہے اور یہ نسبت ہمارے زمانہ تک ظاہر اور موجود ہے۔
اسی واسطے جوئندہ یابندہ کی مثل ہے جس نے ڈھونڈھا اس نے
پایا۔ جس اہل اللہ سے فیض حاصل کرنا ہو اس کے قول اور فعل سے
فیض حاصل کرے، اس کے ارشاد کو اللہ و رسول کا قول سمجھے۔ اور
ان کے قدم بقدم چلنے کو شریعت اور طریقت کے موافق جانے۔ یہ
درحقیقت بالکل آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی متابعت ہے۔
عالم دو طرح پر ہیں۔ ایک بے تمیز جو بحث سے خارج ہے۔ دوسرا
باتمیز۔ انھیں اولیاء کو حق تعالےٰ نے عقلی عرفان نصیب فرمایا ہے۔ لوگوں
کو چاہیئے کہ پہلے مرشد کے طریقے پر غور کریں اور اسی دولت کو حاصل کریں

لہ میری اُمت کے ولی بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔

کیونکہ مولوی معنوی (حضرت مولانا رومؒ) فرماتے ہیں لہ

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست   پس بہ ہر دستے نباید داد دست

یعنی بہت سے آدمی شیطانی بھیس میں ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر ہاتھ پر بیعت کر لینا ٹھیک نہیں۔ غرض ہر طرح نیک نیت ہو کر اور اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہ پڑھ کر مرشد کو تلاش کرے۔ مرشد سے جو کچھ سنے آسمانی وحی کی طرح سمجھے۔ اندھیری رات کا چاند جان کر یاد رکھے۔ اور اگر فرصت ہو تو کاغذ پر لکھ کر عمل کرنے کے لئے حفاظت سے رکھے۔

کہ اس میں جو کچھ وقت صرف ہوتا ہے عبادت میں لکھا جاتا ہے۔

یہ نور الدین حسین فخری جو نور الدین حسین خاں کے نام سے مشہور ہے۔ یہ قطب زمانہ فرد یگانہ رئیس العارفین فخر العاشقین کریم ابن کریم (جو انک لعلی خلق عظیم کے مصداق تھے) حضرت مولانا محمد فخر الدین (جن کا محب نبی لقب ہے) ان کا نظر یافتہ ہے۔ لطیفہ خفی اور جلی پر اللہ اس کی مدد کرے۔

حضرت مولانا فخرؒ کے معتقدین یا ان کے سلسلے والوں کی اگر اس کتاب پر نظر پڑے اور جس مقام اور ذوق پر ان کو اطلاع ہو وہ اس بے خبر کے خاتمہ بخیر ہونے کی دعا فرمائیں۔ (حضرت مولانا فخرؒ کے) ارشادات میرے لئے دستاویز اور وثیقہ ہیں۔ اس لئے جو کچھ سمجھ میں آیا اور یاد رہا میں نے

لہ میں اپنے کام کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

اس کو لکھ لیا ہے

من نوشتم صرف کردم روزگار　　　من نمانم ایں بماند یادگار

میں نے لکھا اپنا وقت صرف کیا۔ میں نہ رہوں گا مگر (یہ کتاب) یادگار رہے گی۔

عمر بھر میں صرف دو سال سے کم ایسا زمانہ گزرا کہ حضوری میں مسلسل نہ رہ سکا۔ اور پابندی سے حاضری نہ ہو سکی۔ اس لئے جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ بقید دن اور تاریخ نہیں ہے۔

ایک دن آپ کی خدمت میں حضرت خواجہ بایزید بسطامی کے قول (سبحانی ما اعظم شانی یعنی سبحان اللہ میری شان کتنی بڑی ہے) کا بار بار تذکرہ ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ سُکر کی حالت میں ان کی زبان سے جو بات نکل گئی لوگ اس کو معیوب سمجھتے ہیں۔ سکر کی حالت میں انسان سے عجیب غریب مظاہرہ ہو ہی جاتا ہے۔ جیسے شیخ محمد کا مقولہ ہے کہ "میرا جھنڈا اولے محمد سے بلند ہے۔" یہ حالت صحو کا فقرہ ہے[1]۔

اس میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اس طرح تعریف ہے کہ ہمارا جھنڈا آں حضرت کی نبوت ہے اور آں حضرت کا عَلَم (جھنڈا) جبریل ہیں۔

---

[1] علم تصوف کے لحاظ سے سکر اور صحو کی تعریف یہ ہے کہ جب عقل پر عشق کا غلبہ ہو تو اس حالت کو سُکر کہتے ہیں اور جب محویت کے بعد بیداری ہو (ہوش آئے) تو اس کو صحو کہتے ہیں۔ درد کاکوروی

اس لحاظ سے ہمارا جھنڈا آں حضرت کے جھنڈے سے زیادہ بلند ہے کیونکہ جبریل سے آں حضرت ہر حیثیت سے افضل ہیں یہ تشریح چونکہ شریعت کے مطابق ہوگئی اس لیئے جو لوگ حاضر تھے سب نے اس کو تسلیم کرلیا۔

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہ کی بابت حضرت مولانا رومؒ نے جو مصرع لکھا ہے ؎

افتخارِ ہر نبی و ہر ولی

اس کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ مولانا فخرؒ نے فرمایا اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت علیؓ اگرچہ نبی نہیں تھے پھر بھی اللہ نے آپ کو ایسے صفات سے متصف فرمایا جس کی تفصیل بیان میں نہیں آسکتی اگر تمام انبیاء اس پر فخر کریں تو بجا ہے کہ نبی نہ ہونے کے باوجود حضرت علی کرم اللہ وجہ اولیا اللہ کے سردار بنائے گئے اور اعلیٰ مقامات پر فائز کیے گئے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ (قیامت کے دن محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انبیاؑ کی بھی شفاعت کریں گے اس لحاظ سے) تمام فقیہ اس پر متفق ہیں کہ تمام انبیا کو اگر آں حضرت کی امت کہا جائے تو جائز ہے۔ حضرت علیؓ کو خدا نے جو فضیلتیں عطا فرمائی ہیں ان پر پیغمبر خدا نے فخر کیا ہے۔ آں حضرت جو سب انبیاء کے سردار ہیں جب اُنھوں نے فخر کیا ہے تو انبیاء کا امت ہونے کی حیثیت سے فخر کرنا قابل تعجب نہیں ہے۔ مولانا کی اس مدلل تقریر کو

سب نے بلا شک وشبہہ تسلیم کر لیا (غرض یہ کہ اسی وجہ سے مولانا رومؒ نے حضرت علیؓ کو نہ صرف ولی بلکہ ہر نبی کے لئے باعث فخر بتلایا ہے۔)

اس کے بعد سبحانی ما اعظم شانی (جو حضرت بایزیدؒ نے کہا تھا) کے متعلق پھر ذکر ہوا کہ اس کا مصداق کون تھا۔ مولانا فخرؒ نے فرمایا اس میں ویسی ہی نسبتی (ی) ہے جیسی محمدی۔ حنفی۔ قادری اور چشتی الفاظ میں ہے۔ اس کے یہ معنی سمجھنا چاہئیں کہ میں سُبحان سے نسبت رکھتا ہوں پس کس درجہ بلند شان والا ہوں۔ اس تقریر سے حاضرین محفوظ ہوئے۔

ایک روز فرمایا شیعہ لوگ ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ من فصل بینی وبین آلی بعلی فلیس منی (ترجمہ) جس نے مجھ میں اور میری آل میں علیٰ سے فصل رکھا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ اس حدیث کی اس طرح تشریح فرمائی کہ اس سے آل کی فضیلت فاصلہ سے ثابت ہوتی ہے۔ یعنی بغیر لفظ علیٰ اگر درود پڑھا جائے تو عام طور پر درود پڑھنا ہوا اور اگر لفظ علیٰ درمیان میں ہو تو گویا آل پر مستقل یعنی خاص طور پر درود پڑھنا ہوگا۔ اس طرح لفظ علیٰ لانے میں آل کی فضیلت کی مستقل صورت نکل آتی ہے۔

ایک دن عصر کی نماز کے بعد مولانا مسجد میں بیٹھے تھے بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ جب سب مراقب ہو کر بیٹھتے دروازہ بند کر دیا جاتا۔ آنے والے اجنبی ہوتے اور ان کا آنا موجب تشویش ہوتا اس لئے آپ خود آکر مسجد میں بیٹھ جاتے۔ تاکہ اگر کوئی آئے تب بیٹھے اور آزردہ نہ ہو اور مریدوں معتقدوں کو اسی طرح حلقے میں چھوڑ دیتے۔ جب یہ فقیر مسجد میں آیا تو تھوڑی دیر بعد آپ نے

فرمایا آج ایک حدیث کے معنی خوب سمجھ میں آگئے۔

حدیث شریف یہ ہے۔ زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا۔ اس کے متعلق شیعہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابوہریرہؓ کے حق میں ارشاد ہوا ہے بلحاظ نفرت۔ کیونکہ اگر فی الحقیقت کم ملنا۔ محبّت کی زیادتی کا سبب ہوتا تو پہلے حضرت علیؓ کے لئے آں حضرتؐ ایسا فرماتے۔ بات یہ ہے کہ شیعوں نے اپنے طور پر یہ معنی لے لئے ہیں سُنّی علماء نے جو الفاظ ہیں انھیں سے مطلب نکالا ہے اور وہ یہ ہے کہ ابوہریرہؓ سے آں حضرتؐ نے فرمایا کہ تم ایسی حالت میں ہماری زیارت کرو کہ تمھاری ہستی غائب ہو یعنی تم اپنی ہستی کو بھولے ہوئے ہو (خودی نہ ہو) یہی چیز محبّت کی زیادتی کا سبب ہو جائے گی۔

چونکہ طبیعت خوش تھی اور معتقدین بے تکلف حاضر تھے۔ ان میں سے ایک سید محمدی تھے جو سادات مشائخ سے ہیں اور اپنے اجداد سے درویشی کا سلسلہ رکھتے ہیں اور مولانا سے بھی اُنھوں نے اجازت (خلافت) حاصل کی تھی۔ ان کے ساتھ ایک مسافر اور ایک لڑکا الٰہی بخش نام بیٹھا تھا مولوی محمدی کے مریدوں اور شاگردوں میں سے ایک صاحب تھے جو سرکاری ملازم اور بسمل تخلص کرتے تھے۔ اُنھوں نے اس مضمون کا ایک مصرع پڑھا کہ صوفی مذہب ایک علیٰحدہ ہی مذہب ہے۔

مصرع :۔ شمشاد سایہ پرور ما از کہ کمتر ست

(شمشاد ہمارا سایہ پرور کس سے کم ہے)

(یعنی۔ ہمارا مرشد جو ہماری روح کی پرورش میں ہے، وہ مراتب میں کسی سے کم نہیں)

اتنے میں شاہ عبداللہ آئے انہوں نے فرمایا عربی پڑھو، اُنھوں نے پڑھنا شروع کر دی اور یہ شاہ عبداللہ ایک درویش ہیں جو تھوڑے دن سے مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر کبھی کبھی کچھ پڑھا کرتے ہیں۔ اور یہ عبداللہ ان عبداللہ میاں کے علاوہ ہیں جن کی حضرت کی خدمت میں بچپن سے تربیت ہوئی ہے۔ درست اور قوی نسبت رکھتے ہیں ایک عالم ان سے بہرہ مند ہے ان کا مزاج سادہ اور طبیعت نازک ہے۔

ایسے لوگ جو بزرگوں سے عقیدہ رکھتے ہیں میاں صاحب کی باطنی توجہ سے اچھی آواز سے اشعار پڑھنے کا اکثر ذوق رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی اسی ذوق میں راتیں گزرتی اور اسی حالت میں صبح ہو جاتی تھی۔ لوگوں کو ذوق ہوتا اور ان کو خود بھی لطف آتا۔ اور یہ اس لطف میں نعرے لگاتے۔ اور یہ ہم لوگوں کے لئے محنت کرتے تھے۔

مریدوں کی کثرت کی وجہ سے جو مختلف طبیعتوں کے ہوتے ہیں یہ طریقہ جاریہ ہے۔ لیکن حضرت مولانا فخر رحمہ کی عنایت سے بہت زیادہ صاحب ذوق اور فیض رساں ہو گئے ہیں اور ان کے پاس بیٹھنے والے ہمیشہ سے صاحب وجد و سماع ہیں اور مالداروں سے ملنے کی تمنا سے غنی اور میل جول میں کم ہیں۔ اللہ ان کو اچھا رکھے۔ مقبولانِ درگاہ سے ہیں۔

ایک دن اُنھوں نے خواجہ بزرگ کی رباعی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں ہے پڑھی۔

لہ بعد نبی بر سرِ تو تاج نبی　　　　دے دادہ شہاں زہیم تو باجِ نبی
آنی تو۔ کہ معراج تو بالاتر شد　　　　یک قامت احمدی ز معراج نبی

لوگ توجیہ کرتے ہیں مگر یاد ہوتا ہے کہ کسی بزرگ نے لکھا ہے کہ جمع الجمع "کا مرتبہ انبیاء کا مقام ہے، یہ حق سے مخلوق کی طرف رجوع ہونا مخلوق کی تربیت کے لئے ہے اور یہی عمدہ مرتبہ ہے۔

اور مرتبہ جمع اولیا کا مقام ہے جس میں مخلوق سے حق کی طرف رجوع ہونا لازمی ہے۔ ہمیشہ مخلوق سے حق کی طرف ولی کی توجہ رہتی ہے۔ اور تربیت کے لئے مخلوق کی طرف نبی کی توجہ ہوتی ہے اس لئے (شاعر نے) کہا کہ (اے علیؓ) آپ کی معراج معراج نبی سے بالاتر ہے۔

مولانا فخر صاحب نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ قبر میں تبرکات رکھ کر دفن کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے اس طرح کہ فاطمہ یعنی حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ کی والدہ کے دفن کے وقت حضرت رسالت پناہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی قمیص مرحمت فرمائی تھی کہ اس کو کفن میں رکھ دیں۔

کسی شخص نے آکر ایک شعر پڑھا مولانا فخر رح بہت خوش ہوئے۔

لہ نبی کے بعد نبی کا تاج آپ کے سر پر ہے بزرگوں نے یہ مرتبہ دیکھ کر آپ کی خدمت کی۔ اس کے سوا نبوت کی معراج سے آپ کی ولایت کی معراج بالاتر ہے کیونکہ جب تک ولی ہونے کی قابلیت موجود نہ ہو نبوت ملتی نہیں گویا ولایت اصل بنیاد ہے۔

پھر فقیر حقیر ناچیز کو مخاطب کر کے فرمایا۔ یہ شعر سنو ؎

اثبات غیر و نفی من از من نمی شود[1] بت می شود فضیل و برہمن نمی شود

پھر حضرت صوفیہ کے طریقے پر بھی اس کا مطلب ارشاد فرمایا۔

ایک دن تنہائی میں ارشاد فرمایا انسان کو چاہئے کہ فرماں بردار خادم بن کر زندگی گزارے اور متبوع (یعنی مخدوم) نہ بنے۔ جفاکش ہو کر زندگی بسر کرے اور ہر کام میں اپنا ایک اصول مقرر کر لے۔ یہ فرمایا کہ بعض رشتہ دار ظاہر میں بلحاظ دنیا داری ہدایت کرتے معاملات برداشت کرتے ہوئے معافی دیدیتے ہیں اور اپنے خیال میں سمجھتے ہیں کہ ہم نے معافی کا طریقہ برتا کہ یہ آدمی ہمارا محتاج ہے۔ اس لئے ہم نے معافی دی تو یہ امیری ٹھاٹھ کی معافی ہے۔ اصل معافی وہی ہے جس میں معافی دینے کے احسان جتلانے کا خیال نہ ہو۔

---

[1] (ترجمہ) غیر کا ثابت کرنا اور اپنا انکار مجھ سے نہیں ہوتا۔ فضیل بت ہو سکتا ہے، برہمن نہیں ہو سکتا۔ (فضیل شاعر کا تخلص معلوم ہوتا ہے) حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں بت انسان کامل کو کہتے ہیں (کنز العظیم) اور جس کو دوسرے معنوں کا خیال ہو تو اس کے خیال کی درستی کے لئے مولانا روم کا یہ شعر کافی ہے۔ چوں خلیل آمد خیال یار من۔ صورتش بت معنی او بت شکن اس سے بہتر تصور مرشد کا جواز اور دلیل کیا ہو سکتی ہے تفصیل درکار ہو تو ہماری کتاب حقائق تصوف دیکھئے۔ (درد کاکوروی)

مولانا فخر صاحب کے خلیفہ میر عظیم کا بیان

ایک روز مولانا سے یہ صاحب نماز کے بعد قاعدہ مقررہ کے موافق دعا کے طالب ہوئے۔ یہ مولانا کے مشہور خلیفہ ہیں۔ ان کو تمام طریقوں کی اجازت بھی حاصل ہے اور یہ حسبِ ارشاد غازی الدین نگر میں رہتے ہیں بخارے کے سیدوں میں ہیں۔ انھوں نے جوانی میں سپاہیانہ زندگی بسر کی اس فن میں پوری مہارت رکھتے ہیں۔ سپہ گری کے بعد فقیری لے لی۔ کچھ دن شمالی پہاڑ اور کشمیر وغیرہ کی سیر کرتے ہوئے حضرت شیخ المشائخ حریق المحبت حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر بار کی زیارت کے لئے ان کے جنگلوں کی طرف آنکلے۔

پھر قصبہ حصار میں میاں محمد ماہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن کے پاس چند ماہ رہے۔ (یہ میاں محمد ماہ درویش کامل الوجود اور مردِ آزاد، سیاح اور صاحب عرفان ہیں۔ اعمال علوی میں قدرت رکھتے ہیں ان سے ملاقات اور بیعت کر لی) شاہ صاحب مذکور نے ان کو دعائے سیفی کی بھی اجازت دی۔

مگر خود میاں محمد ماہ حضرت صاحب قبلہ عالم وعالمیاں قدوۃ العارفین فخر العاشقین سر دفتر درد منداں (یعنی حضرت مولانا فخر صاحب کے والد) شیخ المشائخ حضرت شاہ نظام الدین ثانی) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بہت فائدے حاصل کئے۔ اس لحاظ سے وقتِ رحلت آپ نے

(میاں محمد ماہ نے) سید عظیم الدین سے فرمایا حضرت مولانا فخر صاحب کے پاس جانا اور خدا کا راستہ معلوم کرنا۔ چنانچہ سید عظیم الدین سید محمد ماہ کے کہنے پر یہاں آئے اور مرشد کی برکت سے اللہ نے ان کو بڑے درجے پر پہنچایا۔

حضرت مولانا فخرؒ نے ارشاد فرمایا تم ہمیشہ ایک ہی دعا مانگا کرتے ہو۔ رزق کی وسعت کے لئے کیوں دعا نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ چیز سب پر مقدم ہے انسان کو چاہئے کہ اللہ سے روزی کی وسعت کے لئے دعا کرتا رہے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک روز مولانا فخرؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو سب سے پہلے رزق کے لئے اس طرح دعا کرتا ہوں ۔۔ اللھم ابسط علینا فی الدنیا وزید نافیہ[1] ۔ اس ارشاد سے چند سال پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ درویش کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے پاس کوئی وہبی یا کسبی عمل ہو تاکہ رزق میں وسعت ہو لیکن اس میں نیت نہ لگی رہے اس کو صرف اطمینانِ قلبی کی حد تک سمجھے۔

کلاونتی فرقے کا تذکرہ

ایک روز ارشاد ہوا کہ ہندوستان میں کلاونتوں کا ایک فرقہ ہے جو ایسی ذہانت رکھتا ہے کہ اگر ان میں کوئی موسیقی کے فن میں کامل ہو جاتا ہے تو وہ یکتائے روزگار سمجھا جاتا ہے ان لوگوں کا بیان ہے کہ ہم جس چیز میں

---

[1] یا اللہ ہم کو رزق عطا فرما، یا اور اس کو بڑھاتا رہ ۔ درد کاکوری

مہارت حاصل کرتے ہیں تو اسی میں مست رہتے ہیں۔ ایک مقام کی بحث کو دوسرے مقام سے مخلوط نہیں کرتے۔ پس مرد کا کمال اسی میں ہے کہ ایک مسلک یا ایک طریق یا ایک روش پر قائم رہے اور اس کے متعلق اگر کوئی سوال کیا جائے تو اس کا جواب دیتا رہے اور دوسری باتوں کو اس میں مخلوط نہ کرے۔ مثلاً کوئی ایسا آدمی ہے جو درویشیانہ مزاج رکھتا ہے اور اس وقت اس کی طبیعت کا لگاؤ اسی طرف ہے تو اس سے اسی طرح ملے۔ اور جب دنیاوی کاموں میں مصروف ہو تو اس سے دنیاداری برتے یا اگر وہ صوفی ہے تو اس سے صوفیوں کی طرح پیش آئے یہ نہیں ہونا چاہئے کہ فقہ جاننے والے سے حقائق میں گفتگو کرنے لگے اور اگر حقائق جاننے والے سے گفتگو کر رہا ہے تو اس سے حکمت (فلسفے) علم کلام کے متعلق کوئی سوال نہ کرے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر فن اور ہر علم والے سے اُسی فن اور علم کی گفتگو کرے جس کا وہ ماہر ہے۔

میر افضل اور حضرت صاحب کا تذکرہ

ایک دفعہ رات میں بے تکلف دوستوں کے ساتھ حضرت (مولانا فخرؒ صاحب) خانقاہ کے صحن میں بوریئے پر تشریف رکھتے تھے۔ سید محمد افضل جو حکیم میر افضل کے نام سے مشہور ہیں۔ حضرت صاحب سے اجازت خلافت بھی رکھتے ہیں عبادت کا بھی ذوق ہے۔ نفلیں بہت پڑھتے رہتے ہیں، مولانا سے بھی چند عملوں کی اجازت ہے یہ ہر جگہ

بے کھٹکے ان عملوں کو آزماتے رہتے ہیں حضرت خواجگان کی توجہ سے
ان کے عمل تیر بہدف بھی ہیں طبابت پیشہ ہے بادشاہان وقت کا علاج
بھی کرتے رہے ہیں۔ یہ بھی مولانا کی خدمت میں حاضر تھے کہ حضرت صاحب
قبلہ کا تذکرہ ہوا تو اس پر (حضرت مولانا فخر صاحب نے) یہ حکایت بیان
فرمائی کہ آپ کے دوستوں میں ایک صاحب تھے ان کی شادی ہوئی اتفاق
سے ناکام رہے اور بہت دنوں تک اپنے کو بے کار سمجھا کئے۔ ایک روز
مولانا نے ان سے فرمایا، کہو کیا حال ہے۔ بے تکلفی کی وجہ سے اصل بات
عرض کر دی۔ ارشاد ہوا۔ کوڑی لو اور چنے لو اور اس پر بھائی سراج الدین کا
فاتحہ دے کر کھالو۔ چنانچہ اُن صاحب نے ایسا ہی کیا، تھوڑی دیر بعد
وہ صاحب عادت کے موافق اپنے گھوڑے کے پاس گئے، گھوڑے نے
ان کے عضو تناسل میں کاٹ کھایا، جس سے بہت سا خراب خون بہ گیا۔
مرہم وغیرہ لگایا، زخم اچھا ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مردمی کی قوت پوری طور پر
آگئی۔ ایسی کہ تاب لا نہ سکے۔ آخر جو بات چاہتے تھے اس میں کامیاب
ہو گئے۔

حضرت منصور حلاج قدس سرہٗ کا تذکرہ

ان کے متعلق ایک دن تذکرہ ہوا۔ حضرت صاحب (سلطان المشائخ
رضی اللہ عنہ) نے منصور حلاج کی نسبت ایک ایسا لفظ جوش میں تذکرہ فرمایا
تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان میں ایمان نہ تھا تو اس پر حضرت مولانا

فخر صاحب نے فرمایا صدیق اس کو کہتے ہیں کہ ستر (۷۰) صدیق اس کو زندیق کہہ کر یاد کریں۔ تب کہیں وہ صدیقیت کے مرتبے کو پہنچتا ہے۔ اس صورت میں منصور کا کمال اور حضرت صاحب کی صدیقیت ثابت ہے اور فرمایا کہ یہ چیز تحریر میں آچکی ہے۔ لیکن کتاب کا نام زبان پر نہیں آیا۔

حضرت مولانا کا یہ قاعدہ ہے کہ اس قسم کے مسئلوں کی سند بیان نہیں فرماتے۔ چونکہ مختلف قسم اور مختلف مزاج کے لوگ بیان کرتے وقت موجود ہوتے ہیں اس لئے اس کا اظہار مناسب نہیں سمجھتے (تاکہ کسی کو حملے کا شبہ نہ ہو اور کسی کی دل شکنی بھی نہ ہو) اور اپنے ہمراز سے اشارہ فرما دیتے کہ ہم کسی وقت یہ چیز تم کو بتا دیں گے اگر وہ خلوت میں یاد دلاتے تو آپ بتلا دیا کرتے تھے۔

ایک اور تذکرہ (حُسنِ اعتقاد)

فرمایا، جو انسان جس اعتقاد اور جس خیال کا ہوتا ہے وہ اُسی خیال اور اسی اعتقاد والے انسان سے ملتا ہے۔ بعض ہم کو عالم، بعض صوفی، بعض کیمیاگر خیال کرتے ہیں۔ اور بعض یہ سمجھتے ہیں کہ صرف ان کا اخلاق بڑھا ہوا ہے۔ اس وجہ سے لوگ ان کے زیادہ معتقد ہیں۔ اور بعض لوگ عامل جان کر عمل پوچھا کرتے ہیں۔ میں بھی ہر ایک کے اعتقاد کے موافق ہر ایک کو جواب دے دیا کرتا ہوں۔

ایک شخص ذی اخلاق سمجھ کر میرے پاس آتا ہے میں دروازے تک اس کا استقبال کرتا ہوں اور اپنے یہاں سے اس کو راضی کرکے واپس کرتا ہوں۔ کیمیا پوچھنے والے کو کیمیا کا نسخہ بتا دیتا ہوں، اور کوئی عالم ہوا تو اس سے علمی گفتگو کرتا ہوں۔ کسی صاحب کا نام لیا کہ وہ میرے پاس آتے ہیں اور مجکو طالب علم سمجھتے ہیں۔ چاہے بیس سال گزر جائیں تب بھی میں ان کے سامنے شغل باطنی کا ذکر نہ کروں گا، ہاں کوئی مسئلہ پوچھیں تو اس کے لئے حاضر ہوں۔ اور واقعی وہ صاحب چند سال سے آپ کے پاس آتے ہیں اور تخلیہ ہوتا ہے۔ مولانا بہت خاطر داری سے پیش آتے ہیں۔ اوران سے عجیب و غریب مسئلے بیان کرتے رہتے ہیں۔ یہ صاحب عالم، فاضل، اور عابد بھی ہیں اور حرمین شریفین کی زیارت سے بھی مشرف ہو چکے ہیں۔ مگر، چونکہ ان کے دل میں اعتقاد نہیں ہے، اس لئے سلوک سے ناواقف ہیں۔ اسی طرح ایک دن ایک اور صاحب کا تذکرہ ہوا جو دکن سے آتے تھے اور تنگ دستی میں گرفتار تھے اور اپنے آپ کو یار بار طالب بھی کہتے تھے۔

میاں نور محمد صاحب کا تذکرہ

یہ فقیر اور میاں نور محمد صاحب سلمہ اللہ تعالے نے جو یاران باکمال کے سر گروہ، صاحب کے سردار، درویشوں کے لئے باعث فخر اور خستہ دلوں کے لئے مرہم ہیں، متقیوں کے افسر، علوم حیا کے جامع، محبوبوں کے

چہرے کی رونق معشوقوں کے دل کی کشش مسکیں اور دانائی کی مسند نشیں، اللہ کے دردمندوں کے امام - جو آپ کے خلفا میں یکتائے روزگار ہیں۔ کئی بار میں نے ان کے متعلق اور ان کے دوستوں کے متعلق حضرت کی زبان سے بشارتیں سُنی ہیں۔ فرماتے تھے کہ ان سے جب سے ملاقات ہوئی آج تک اُنھوں نے میری مرضی کے خلاف کوئی بات نہیں کی۔ اور ان کا دل میری طرف سے کبھی غبار آلود نہیں ہوا اور یہ بات ان کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔

ورنہ اکثر لوگوں سے کوئی نہ کوئی خطا ہو جاتی ہے اور اس کے بعد وہ اس کی معافی چاہتے ہیں یہ آپ کے اخلاق ہیں کہ آپ اپنی مہربانی سے معاف فرما دیتے ہیں۔

ہم دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ چند لوگوں کے لئے عرض کیا جائے۔ تاکہ ظاہری سلوک کی بابت کچھ ارشاد فرمائیں۔ موقع پاکر عرض کیا گیا۔ فرمایا تم کو نہیں معلوم یہ لوگ ہم سے ارادت رکھتے ہیں۔ ان سے دکن میں ملاقات ہوئی تھی۔ یہ ہم کو کم سن ہونے پر بھی بڑا بزرگ جانتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے ہزاروں لاکھوں مرید ہیں، صرف اسی خیال سے ہم بھی اُن سے صاحبزادگی کے طریقے کا برتاؤ کرتے ہیں غرض ایک بیچارے کی عرض بالتفصیل سُنی لیکن تربیت کے لحاظ سے جو اصل بات تھی وہ ارشاد فرما دی۔

زیارت قبور کی بابت حدیث شریف

ایک دن خانقاہ کے دالان کے سائبان میں جس طرف حضرت کا مکان ہے ظہر کے بعد مولانا بیٹھے ہوئے تھے، بہت لوگ موجود تھے جن میں بعض فاضل بھی تھے۔ بعض میری طرح کتاب دیکھا کرتے تھے۔ رمضان شریف کی پہلی تاریخ تھی، تھوڑی دیر بعد فرمایا۔ قبور کے متعلق ایک مدلل حدیث شریف خوب ہاتھ آگئی ہے۔ فقیر نے عرض کیا کہ جس کتاب کی یہ حدیث ہے وہ کس کی لکھی ہوئی ہے کہا جلال الدین سیوطی کی پھر حدیث شریف پڑھی جس کے یہ معنی ہیں کہ

"جب تم قبرستان میں جاؤ تو الحمد۔ اور۔ قل ھو اللہ اور الھاکم التکاثر پڑھا کرو تاکہ آخرت میں یہ تمھاری شفاعت کریں "

یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ان آیتوں کا پڑھنا اموات کے لئے بہت ہی مفید ہے اور پڑھنے والے کے لئے یہ فائدہ ہے کہ (خدا کی بارگاہ میں) یہ اس کی سفارش کر دیا کرتے ہیں۔ ہر شخص کی سفارش اس کے درجے کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ جب کسی ولی یا نبی کے مزار پر یہی آیتیں پڑھی جائیں گی تو نہ معلوم اس کا کتنا فائدہ ہوگا (جو لوگ زیارت قبور پر اعتراض کرتے ہیں) یہ ان کا جواب ہے۔ بعض محدث جیسے ابن تیمیہ وغیرہ ہیں۔ آخر زمانے کے بعض علماء نے ابن تیمیہ کی پیروی کی ہے اس لئے زیارت قبور کے فائدے سے انکار کر دیا ہے

کہدیا ہے کہ اگر فائدہ ہے تو صرف مرنے والوں کے لئے ہے۔

مولوی محمد اکرم کا تذکرہ۔ اور شاہ جہاں آباد میں احمد شاہ دُرانی کا تسلط

گریاں بریاں، صاحب ذوق و شوق مولوی محمد اکرم سلمہ اللہ تعالےٰ جو مولانا کے مخصوص عاشقوں میں ہیں۔ مولانا کو بھی ان کی محبت پر پورا اعتماد ہے یہ آپ کے شاگرد بھی ہیں ان پر بے انتہا شفقت بھی ہے یہ مولانا کی خدمت میں گستاخ ہیں۔ ایسی کسی کی مجال نہیں جب یہ بچوں کی طرح ضد کرتے ہیں تو مولانا بہت شفقت فرماتے ہیں۔ کیا اعلیٰ کیا ادنیٰ سب ان کی اچھائی کے قائل ہیں۔ اکثر پڑھانے میں مشغول رہتے ہیں علوم متداولہ (علوم جاریہ) خاص کر فقہ میں ان کی طبیعت بہت تیز ہے۔ ان کو اہل بیت اور سادات سے جیسی عقیدت ہے پُرانے زمانے کے لوگوں میں بھی نہیں سُنی گئی۔

احمد شاہ دُرانی کے تسلط کے وقت جب قتل عام ہو رہا تھا، ایک سیدانی کو لوگوں نے پکڑ لیا۔ ہر چند لوگوں کی خوشامد اور ان سے عاجزی کی گئی مگر رحم نہ آیا یہ بھی اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ اُنھوں نے احمد شاہ کی فوج والے سے جاکر بہت کچھ کہا اور سادات کی عظمت بیان کرکے چھوڑ دینے کی سفارش کی مگر اس نے ایک نہ سُنی آخر اُنھوں نے اپنی بیوی کو پیش کر دیا کہ ان کے بدلے میں اس کو لے لو سیدزادی کو دیدو۔

اگر میری بیوی ان سیدزادی کے بدلے تلف ہوگئی تو کوئی پروا نہیں۔ آں حضرت سرکارِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے تو سُرخ روئی حاصل ہو جائے گی (انصار رضی اللہ عنہم کے سوا آں حضرت کی خدمت کسی نے نہیں کی، ظاہر ہے) پھر اس فوجی نے یہ معاملہ دیکھ کر سیدزادی کو چھوڑ دیا۔ یہ نیکی ان کے نامہ اعمال میں لکھی گئی سُبحان اللہ ——یہ ان کے حالات ہیں۔

اس لئے یہ جو کچھ چاہتے ہیں مولانا ان کو عنایت کر دیتے ہیں کسی بات کی شرط نہیں لگاتے اس واقعے سے اندازہ کر لیجئے کہ آں حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے میں حقیقی ایمان کی جو نعمت تھی وہ ان میں پائی جاتی ہے اور قیامت تک ایسی نسبت والے ہوتے رہیں گے، دُنیا میں کمال والے، صاحب عرفان، مومنین منافقین سبھی طرح کے لوگ موجود ہیں، (مگر ایسے کہاں) مولوی محمد اکرم صاحب کی حالت یہ ہے کہ مولانا نے حسب دستور ان کو کوئی شغل نہیں بتایا مگر یہ جب مولانا کو دیکھتے ہیں تو چونکہ مولانا کا جمال آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جمال کا عکس ہے، اس لئے ان کی حالت بدل جاتی ہے۔ ان پر گریہ طاری ہو جاتا ہے اور شورش عجیب رنگ لاتی ہے بلکہ مولانا اپنی عنایت و شفقت سے ان کو دیوانہ کہا کرتے ہیں۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ (زیارت قبور میں) علماء کا مختلف مسلک ہے بعض کہتے ہیں کہ زیارت کرنے والے کے لئے

کوئی فائدہ ہی نہیں ہے اور آیات قرآنی سے صرف مُردے کو فائدہ ہوتا ہے، پڑھنے والے کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اتنے میں مولانا نے جلال الدین سیوطی کی کتاب سے دوسری حدیث بیان فرمائی جس کے یہ معنی تھے کہ "مرنے والے کے عزیز جب ثواب پہنچاتے ہیں تو اس کے بدلے میں (فاتحہ پڑھنے والے کے لیئے) فرشتے ایک طباق لاتے ہیں" پس معلوم ہوا کہ "ایصال ثواب میں دونوں کے لیئے فائدہ ہے۔"

حاجی خدابخش نامی بزرگ کا تذکرہ

ایک دن ظہر کی نماز کے بعد مولانا سائبان کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اور حاجی خدابخش نامی ایک بزرگ متوکل درویش آپ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ تراویح کا ذکر آیا انھوں نے عرض کیا کہ اس فقیر کا بچہ جو دس سال کا ہے۔ اس نے آپ کی دُعا سے اس سال قرآن شریف ختم کرلیا ہے مولانا نے تفصیل پوچھی عرض کیا کہ ہر رات ڈیڑھ پارہ پڑھتا تھا مولانا بہت خوش ہوئے اور فرمایا الحمدللہ۔ مبارک ہو۔ یہ آداب بجالائے اس سلسلہ میں فرمایا کہ اورنگ آباد دکن میں ایک حافظ تھے وہ جہاں تراویح پڑھاتے اور حافظ سامع (سننے والا حافظ) لقمہ دیتا تو لقمہ نہ لیتے اور پہلے رکوع سے پھر شروع کر دیتے۔ اگر اس سلسلے میں کوئی لفظ صحیح ہوگیا تو ہوگیا ورنہ پھر دو رکوع اوپر سے پڑھتے۔ پھر بھی صحیح پڑھ نہ سکتے غرض یہ اسی طرح تراویح پڑھاتے تھے۔ ایک بار مجھے بھی

قرآن سننے کے لئے بلایا۔ میں گیا اُنھوں نے اپنی مقررہ عادت کے موافق قرآن شریف پڑھا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ آدھی رات کو تراویح کی نماز ختم ہوئی۔ میں اس زمانے میں یا جلیل الوسط کا نقش لکھا کرتا تھا اور اس کی زکات بھی دے رہا تھا، دو گھنٹے اس کے لئے مقرر تھے۔ جب ان حافظ صاحب سے فرصت ملتی تب میں اس کی تکمیل کرتا اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اسی میں صبح ہو گئی ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔ اس قسم کے عملوں کا۔ لوگ میرے سامنے ذکر کرتے ہیں مگر میں اِدھر کچھ توجہ نہیں کرتا۔ اس لئے کہ میں نے اس قسم کے بہت عمل کئے ہیں۔ اس فقیر نے اس قسم کا ایک اور قصہ حضرت مولانا سے سُنا ہے (فرماتے تھے کہ) میں نے محنت اور مشغولی بہت کی ہے بلکہ اتفاق سے انھیں دنوں خلوت میں بھی اِن کا ذکر آیا تو فرمایا کہ اپنے دیکھنے کے سوا اس میں کچھ اور نہیں ہے (بس وہی) دید باقی رہ گئی ہے۔ راقم کہتا ہے کہ اس قسم کا تذکرہ زبان مبارک پر بہت کم آتا تھا اور اگر کبھی اس قسم کی گفتگو کرتے تو خلوت میں یارانِ خاص سے کہدیا کرتے اس قسم کی چیزیں بتلانے میں تامل ہوتا ہے مگر چونکہ یہ چیز فائدے سے خالی نہیں لہذا خدا کے بھروسے پر اور حدیث انما الاعمال بالنیات کو اپنا شفیع بناکر بتلا دیتا ہوں (اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ ہر عمل کا دارومدار نیت پر ہے) اس کے بعد فرمایا میر بدیع الدین کی طبیعت ناساز ہو گئی ہے کیونکہ اُنھوں نے ۱۴ سپارے تراویح میں پڑھے تھے۔

میر بدیع کا تذکرہ

یہ حضرت مولانا کے خاص معتقدوں میں تھے اور جہاں آباد کے صحیح النسب سید۔ ان کے باپ دادا خجند کے رہنے والے تھے یہ بخارے کے سیدوں میں ہیں۔ سید سعد الدین قتیل قتیل العشق تک ان کا نسب پہنچتا ہے جو حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ تھے۔ خجند کے بڑے سیدوں میں ان کا شمار ہوتا ہے جن کا حال کتاب اخبار الاخیار میں درج ہے۔ شہر دہلی میں ان کی اولاد شہر کے شریفوں میں ممتاز ہے۔ سیدواڑے کے نام سے ان کا محلہ مشہور ہے۔ تھوڑے دن سے یہاں قیام ہے۔ سیدواڑہ پرانی دہلی کا ایک محلہ ہے جہاں یہ پہلے رہا کرتے تھے۔ اس محلے کے سادات معتبر نسب والے ہیں، انھوں نے پہلے حافظ گل محمد سے قرآن شریف حفظ کیا اور کچھ مشغولی بھی کی، پھر حافظ صاحب مذکور کے انتقال کے بعد مولانا کے معتقد ہو گئے مولانا کی بھی ان کی طرف خاص توجہ تھی اور ان کو آپ نے قادریہ خاندان میں مرید کیا اور مشغولی بھی بتائی۔ پھر انھوں نے مولانا سے میزان شروع کی اور اب صحیح بخاری شریف پڑھتے ہیں، ذاتی صفاتی خوبیاں اور شریعت اور سیادت میں ان کو جو خصوصیت حاصل ہے بیان سے باہر ہے مولانا کے تمام احباب کو ان کی خدمت میں رسوخ اور اعزاز حاصل ہے۔ میر صاحب دو بھائی ہیں۔ ایک حقیقی جن کا میر خیر الدین نام ہے دوسرے خالہ زاد

بھائی کا شفیع الدین نام ہے۔

میر خیر الدین اور میر شفیع الدین کا تذکرہ

یہ دونوں صالح اور متقی ہیں۔ نہایت عزت دار اور فنِ سپہ گری میں ماہر۔ رات دن مولانا کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں اور ان سے خاص خدمتیں متعلق ہیں۔ حضرت مولانا اگر کہیں تشریف لے جاتے تو کسی کو بہت کم ساتھ لے جاتے۔ مگر یہ دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے۔ اور دعوت کے متعلق حضرت کا یہ اصول تھا کہ جو کوئی آپ کو تنہا بلاتا تو آپ اکیلے تشریف لے جاتے اور اگر ساتھیوں کی تعداد مقرر کر دیتا تو جتنی تعداد مقرر کرتا آپ اتنے ہی آدمیوں کو ساتھ لے جاتے یا راستے میں لوگوں سے فرما دیتے کہ اب جاؤ مجھے فلاں جگہ تنہا جانا ہے۔ یا وہی صاحب ساتھ جاتے پھر راستے سے علاحدہ ہو جاتے اور ارشاد کے موافق مقررہ مقام پر مل جاتے اور دعوت کھانے کے لئے جانے کو دل سے برا جانتے تھے۔

تاہم جب کوئی ایسی درخواست کرتا تو قبول فرما لیتے اور بلانے والے کی خواہش کو اپنی خواہش پر مقدم رکھتے اور ہر معاملے میں مولانا کا یہی طریقہ تھا۔ مگر جہاں تکلف نہ ہوتا وہاں بخوشی تشریف لے جاتے اور ذوق شوق سے بیٹھتے۔ شادی غمی میں بھی برابر شرکت فرماتے شادی میں طلبی پر۔ اور غمی میں بغیر بلائے، تعزیت کے لئے جاتے اور اپنے ملنے والوں کی جنازے کی نماز کو بھی فراموش نہ فرماتے۔

اگر ملنے والوں میں ایسا کوئی انتقال کرتا جس کے مکان پر کوئی نہ ہوتا تو اُس کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھ کر آتے جس سے صرف سلام علیک ہوتی اس کے ساتھ بھی حضرت مولانا کا یہی عمل ہوتا۔ اور یہ ہم لوگوں کی تربیت کے لئے ہوتا۔ اور اگر ملنے والوں میں کوئی غریب و محتاج ہوتا اور اس کے یہاں شادی ہوتی یا غمی تو اس کے یہاں اس کی دلجوئی کے لئے بار بار تشریف لے جاتے اور اپنے احباب سے فرماتے کہ اس غریب کی دلجوئی کے لئے ضرور جانا چاہیے۔ اور جن لوگوں سے ربط ضبط ہوتا وہاں جانے کے لئے اصرار فرماتے تاکہ اس کا غمگین دل کچھ بہل جائے مطمئن ہو جائے آخر وہ خوش ہو جاتا۔

بیمار کی عیادت یعنی بیمار پرسی کے لئے جانے میں بھی حضرت کا ایسا طریقہ تھا اور دوستوں کو بھی اس کی رائے دیتے اور اگر کوئی اس پر عمل نہ کرتا تو حضرت کو ناگوار ہوتا۔ اور علاج کرنے والا، اگر ملنے والا ہوتا تو مریض پر زیادہ توجہ کرنے کی سفارش فرماتے کہ فلاں صاحب علیل ہیں ذرا توجہ سے ان کا علاج کیجئے۔ غرض اسی قسم کے جملے فرماتے رہتے۔ باوجودیکہ وہ جان و دل سے آپ کا ارشاد بجالانے کے لئے تیار ہوتا پھر بھی تحکمانہ لہجے میں ہرگز نہ فرماتے۔ اس طرح فرماتے کہ جیسے کسی امیر کی خدمت میں کوئی غریب اپنی عرض داشت پیش کرتا ہے۔ اور تعظیم و تکریم میں ذرا فرق نہ آتا۔

دوستوں پر جو شفقت اور مہربانی تھی، اگر اس کی تفصیل لکھی جائے

تو ایک بڑی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ احباب کو یہ ہدایت تھی کہ مل کر کہیں نہ جائیں تاکہ نظر نہ ہونے پائے۔ جب شہر سے باہر خواجگان کے مزار کی زیارت کے لئے یا عرس میں جاتے تو شہر میں داخل ہوتے وقت احباب اِدھر اُدھر ہو جاتے شہر کے باہر ساتھ رہ کر چلنے کو منع نہ کرتے۔ شہر کے اندر آتے وقت تنہا آتے یا صرف ایک دو آدمی ساتھ ہوتے اور اکثر ایسا بھی ہوتا کہ تسبیح پر کچھ پڑھتے۔ ایک دن فقیر نے عرض کیا کہ مولانا اس وقت آپ کیا پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا میں نے کئی بار کلمہ پڑھا۔ ایک روز اپنے احباب کے متعلق فرمایا کہ ہمارے دوستوں میں اشراف زیادہ ہیں۔ یہ اللہ کا احسان ہے اگر ہم اس پر فخر کریں تو بجا ہے۔

اس کے بعد حاجی خدا بخش نے یا جلیل الوسط کے نقش کی بابت دریافت کیا تو فرمایا کہ میں نے اس پر بہت محنت کی ہے لیکن اب خیال نہیں۔ اگر ایک ہفتے تک غور کروں تو شاید اس کے لکھنے کی ترکیب ذہن میں آجائے۔ اس کے بعد حاجی صاحب موصوف نے پوچھا کہ کون سے نقش تاثیر والے ہیں، فرمایا بلاشک اللہ کے سب ناموں میں اثر ہے۔ انھوں نے عرض کیا لکھنے میں اثر ہے یا پڑھنے میں کہا دونوں میں۔ اور ان کی تاثیر پر ہمارا اعتقاد ہے۔

اس کے بعد اذاں کے لئے حکم دیا کہ وقت کم ہے اذاں کہو ایک صاحب نے اذاں دی وضو کے لئے گئے اور نماز ادا کی اور اگر وضو ہوا

تو اذاں ہوتے ہی مولانا اُٹھتے اور نماز سے فراغت کر لیتے۔ (جن لوگوں کا وضو نہ ہوتا جا کر وضو کرتے اور نماز پڑھ کر آجاتے اکثر ایسا بھی ہوا کہ حضرت مولانا نے جماعت کا انتظار کر کے نماز ادا کی۔ اور لوگوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی کبھی ایسا ہوتا کہ حضرت وضو فرماتے اس کے بعد جماعت کے لئے لوگوں کا انتظار فرماتے اور پھر آپ کے ساتھ لوگ نماز پڑھتے۔ لیکن دونوں باتوں میں اختیار تھا جس کا دل چاہے آئے انتظار کرے یا سب مل کر انتظار کریں مگر اتنی دیر نہ ہو کہ مسجد میں دیر سے نماز ہونے کا اندیشہ ہو جائے اس لئے کہ لوگ اس کے لئے مجبور نہیں ہیں۔ (یعنی نماز کے وقتوں کی پابندی ضروری ہے)۔

کبھی فرماتے اذاں ہو گئی جماعت تیار ہے جاؤ۔ پورے طور پر جماعت کا تقید تھا، چنانچہ فقیر بعض اوقات عشا کے وقت تک حاضر خدمت رہتا تو فرماتے جا رہے ہو نماز کہاں پڑھو گے، میں عرض کرتا گھر جا رہا ہوں۔ کھانا کھاؤں گا۔ پھر تھوڑی رات گزرنے کے بعد نماز پڑھوں گا۔ فرمایا کہ پھر جماعت کہاں مل سکے گی میں چپ ہو گیا ارشاد فرمایا، اپنے بچوں کو نماز سکھاؤ اور ان کے ساتھ پڑھتے بھی رہو۔ اس دن سے اکثر آپ کے ساتھ ہی جماعت سے نماز پڑھا کرتا۔ اتفاق سے اگر کوئی کام ہوا تو جماعت سے نماز پڑھنے کا موقع نہ ملتا، مولانا کے ارشاد کی برکت سے بچوں کو نماز یاد ہو گئی ہے اس طرح اب باجماعت نماز ہوتی ہے۔

میر کلو کا تذکرہ جو حضرت مولانا کے خاص خادم تھے

اس کے بعد میر کلو آ گئے۔ فرمایا ہم میر کلو کو بہت دوست رکھتے ہیں۔ اور اسی قسم کے الفاظ فرماتے جس سے دوسروں کو رشک ہوتا۔ میر کلو کی والدہ نے دکن میں حضرت بیعت کی تھی اور جب حضرت یہاں آئے تو یہی ایک ماما تھی جو دل سے حضرت کی خدمت کرتی تھی۔ تہجد کے وقت پانی گرم کرنا وضو کرانا۔ پھر کھانا پکانا یہ سب کام اس ماما کے ذمے تھے، کوئی مہمان آجاتا تو اس کی بھی بہت خدمت کرتی۔ اس کے کام سے مولانا بہت خوش رہتے اس کے انتقال کے وقت میر کلو کم سن تھے۔ اس نے اپنے اس بچے کو مولانا کے سپرد کیا۔ مولانا نے بچوں کی طرح اس کی پرورش کی۔ مولانا ان کا بہت خیال رکھتے۔ خدمت کرنے والوں میں ان سے زیادہ کوئی محرم راز نہ تھا۔ کیونکہ بچپن سے حضرت کے مزاج سے واقف اور خادم خاص تھے۔ حضرت کا انتہائی لاڈ اور پیارے ہونے کی وجہ سے انھوں نے علم کی طرف اب تک توجہ نہیں کی قوی امید ہے کہ اس راستے کو بھی طے کرلیں گے۔ چونکہ مولانا کو ان سے محبت ہے اس لئے جب یہ بیمار ہوتے تو مولانا فرماتے کیا کروں ان کی ماں بھی نہیں ہے۔ بچوں کی طرح ان کو بہلانا پڑتا ہے۔ مصرع:۔ یار من چوں آب در ہر رنگ شامل می شود (میرا دوست پانی کی طرح ہر رنگ میں مل جاتا ہے)۔

حضرت شاہ ظہور اللہ کا تذکرہ

یہ اکثر ظہر کی نماز کے لئے مولانا کے ساتھ تشریف لے جاتے۔ جب مسجد سے صحن میں آتے تو ان کا ہاتھ پکڑتے اور فرماتے کہ شاہ صاحب پہلے سبحان ربی العظیم کہتے ہیں۔ پھر سبحان ربی الاعلیٰ اور ان دونوں کے درمیان اللہ اکبر۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس میں کوئی بڑا راز پوشیدہ ہے کہ الفاظ عظیم اور اعلیٰ خدا کے صفاتی نام ہیں ان ناموں سے خدا کی یاد اور پھر ان دونوں کے درمیان اللہ اکبر کا آنا اس سے شان اور دانائی ظاہر ہوتی ہے۔ گویا ہر مرتبۂ تعین میں درایت موجود ہے۔

شاہ صاحب شروع شروع میں بعہد شباب دنیادار تھے۔ ان کو شعر کہنے کا بھی ذوق تھا، اب بھی اسی رمز میں گزر کرتے ہیں، اور جوانوں کی مجلسوں کی رونق دیتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد ان کو درویشی کا شوق ہوا۔ مدتوں جنگل میں پھرتے رہے۔ جہاں کوئی یار و مددگار نہ تھا ننگے بھوکے پھرا کرتے۔ اپنی کچھ بھی خبر نہ تھی گویا اللہ کے جذبوں میں سے ایک جذبے کا مظاہرہ تھا [۱]

پھر جب ہوش آیا تو شاہ عبدالستار قادری کی خدمت میں آئے اور

---

[۱] جذبۃ من جذبات الحق توازی عمل الثقلین۔ یعنی اللہ کے جذبوں میں سے ایک جذبہ دونوں جہاں کے عملوں کے برابر ہے۔ (درد کاکوری)

اُنھوں نے ان کی تربیت کی، پھر یہ آزادانہ زندگی بسر کرتے رہے، اس واقعہ کے بعد محبت نے مولانا کی خدمت میں پہنچا دیا، یہاں تک کہ حضرت مولانا کی عنایتوں سے مشرف ہوئے۔ اور ان کی استعداد کا پیمانہ شوق سے بھر گیا ایسا کہ اس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ رات دن سکر (بے ہوشی) کی حالت میں رہتے ہیں۔ درد۔ رقت۔ اور محبت سے بھرے ہوئے ہیں۔

جب کبھی کوئی شخص کوئی شعر پڑھے یا عشاق کا ذکر کرے یا کوئی حسین نظر آجائے یا دماغ میں خوشبو پہنچ جائے بے اختیار نعرے لگانے لگتے ہیں اور اس حالت میں ایسے شعر پڑھتے ہیں جس سے لوگ متاثر ہو جاتے ہیں اور قلبی حضوری سے دم بھر بھی خالی نہیں رہتے۔ انتہائی مسکینی، عجز اور شکستگی ان کا مشرب ہے۔ حضرت مولانا ان کو دل سے دوست رکھتے ہیں اور ان کو بیعت کی اجازت بھی دے چکے ہیں اور جب یہ دریائے جمنا کے قصبوں کی طرف جدھر ان کا وطن ہے چلے جاتے ہیں تو حضرت مولانا کو۔ ان کی جدائی گوارا نہیں ہوتی۔ ان کے جاتے ہی طبیعت بدل جاتی اور ان کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے انھیں کلموں (سبحان ربی العظیم۔ اللہ اکبر۔ سبحان ربی الاعلیٰ) کے متعلق فرمایا کہ اسی سے ان کو انتہائی ذوق حاصل ہو گیا ہے اور مدت ہوئی اسی شراب سے مست ہیں۔

وجوب کے مسئلوں کا تذکرہ

ظہر کی نماز کے بعد حسب عادت سائبان کے نیچے بیٹھ کر کتاب

سفر السعادت دیکھتے دیکھتے فرمایا کہ اس میں بعض غیر معروف مسئلے بھی نظر پڑے اس کے بعد اس سے اوپر کی عبارت پڑھی اس میں لکھا ہوا تھا کہ آں حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قیام لیل (رات کی عبادت) کو ہرگز موقوف نہ فرماتے سفر حضر دونوں حالتوں میں اس کی حفاظت فرماتے اتفاق سے اگر کبھی بیماری اور کسی وجہ سے یہ چیز ناغہ ہو جاتی تو قضا پڑھ لیتے یہاں سے نماز تہجد کا واجب ہونا بھی ظاہر ہو رہا ہے، فقیر نے عرض کیا کہ آں حضرت پر تہجد کی نماز کا واجب ہونا دوسری جگہ سے بھی ثابت ہے ارشاد ہوا کہ اسی وجہ سے بعض علماء نے اس کو فرض بھی کہا ہے اور اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝

جو لوگ اس کو فرض بتلاتے ہیں کہتے ہیں کہ اس آیت کا یہی مطلب ہے کہ تمام فرض نمازوں کے بعد یہ بھی فرض ہے اور جو لوگ تہجد کی نماز کو نفل جانتے ہیں کہ نافلۃ لک سے اس کا نفل ہونا ظاہر ہوتا ہے اس کے بعد مولانا فخر صاحب نے ایک اور عبارت پڑھی لکھا ہوا تھا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رات کے قیام (تہجد کی نماز) کو کبھی موقوف نہ کرتے۔ آخر عمر میں ضعیفی ہو ہی جاتی ہے اس کی وجہ سے اگر کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھتے۔ اور جب رکوع کے قریب ہوتے تو رکوع کرتے وقت کھڑے ہو جاتے اور نماز کا باقی حصہ بیٹھ کر پورا کرتے۔ اس کے بعد فرمایا کہ دوستوں میں سے کوئی

یہ کتاب پڑھنا مگر بدیع الدین تو بخاری شریف پڑھتے ہیں اور سید احمد مسلم، کس سے پڑھنے کے لئے کہا جائے۔ اس فقیر نے عرض کیا اگر حکم ہو تو یہ کمترین اس دولت سے سرفرازی حاصل کرے فرمایا بہتر ہے مگر دونوں کتابوں کا پڑھنا مشکل ہے۔ ایک بات یہ ہے کہ اس کے دیکھنے سے جو شبہہ ہو اس کو صاف کرے، دوسرے یہ کہ اس کو شروع ہی سے پڑھے۔ میں نے عرض کیا جس طرح ارشاد ہو اس طرح پڑھنے کو تیار ہوں فرمایا اطمینان رکھو دوسری کتاب بھی موجود ہے منگاتا ہوں پڑھنا شروع کردو۔

سید احمد کا تذکرہ جو شاہی منصب دار تھے

یہ مکّے کے سیدوں میں ہیں اور ان کا عرف سید صاحب ہے۔ ان کے والد۔ جن کا محمد احسن نام ہے سرا کی حکومت سے تعلق رکھتے ہیں اور اس شہر کے عربوں کی جماعت الخفیس کی ماتحت ہے۔ شروع جوانی میں نیک جوانوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے ۱۲ سال سے مولانا کے پاس آتے جاتے ہیں۔ کبھی نوکری پر بھی چلے جاتے تھے بالآخر ان کا اتنا ذوق بڑھا کہ مولانا کے مرید ہو گئے۔ ان کی مشغولی اس درجے پر پہنچ گئی کہ رات دن باطنی ذوق میں مسرور رہنے لگے اور مستی کے اثرات بھی ظاہر ہونا شروع ہو گئے اکثر رات بھر رویا کرتے یہاں تک کہ ان کے واردات اعلیٰ منزل پر پہنچ گئے اور ان پر مولانا کی توجہ قیاس سے

زیادہ ہونے لگی۔ غرض مولانا ان کو بہت دوست رکھتے ہیں۔ مولانا کی زبان سے نہ صرف میں نے بلکہ دوسروں نے بھی بارہا ان کی تعریف سُنی ہے۔

تھوڑے ہی عرصے میں یہ قدیم دوستوں سے زیادہ ترقی کر گئے۔ ظاہری کاروبار اور اخراجات روزمرہ کا کام بھی ان کے سپرد کر دیا گیا۔ چند روز کے بعد مولانا نے فرمایا کہ ان کو علم سے بھی واقف کرا دینا چاہیئے۔ چنانچہ میزان ان کو شروع کرا دی گئی۔ اللہ کی ایسی مدد ہوئی کہ تمام طالب علموں میں یہ بڑے مستعد ثابت ہوئے۔ صحیح مسلم میں جناب اقدس مولانا فخر سے فخر شاگردی حاصل کیا اب بھی حدیث پڑھنے میں مشغول ہیں بلکہ شاگردوں کو معقول و منقول کا سبق دیتے ہیں اور مولانا کے حکم سے دن میں پڑھانے میں مشغول رہتے ہیں اور مقررہ وقت پر شغل باطنی میں بھی۔ ان کی خصوصیت سب سے زیادہ نمایاں ہے کہ یہ مولانا کے رازدار بھی ہیں۔ ذاتی صفتوں کے علاوہ ہر قسم کی وضعداری اور شرافت میں محبت کے نقطہ نظر سے بہت ممتاز نظر آتے ہیں۔

ان کا اخلاق اتنا وسیع ہے کہ احباب کے کاموں کے لئے حسب فرمائش تیار رہتے ہیں مولانا اگر سفر میں ہوتے تو وہاں بھی کام ان سے متعلق کر دیا کرتے نجی کام بھی ان سے لیتے رہتے حضرت صاحب کی عنایت سے انھوں نے ہر کام کو عمدگی سے انجام دیا ہے اس میں ان سے کوئی خطا ہی نہیں ہوئی۔ غرض ان کی خوبیاں تفصیل سے اگر بیان کی جائیں تو

اس کے لئے ایک دوسری کتاب لکھنا پڑے اس لئے اتنا لکھنا ہی کافی ہے میں نے حضرت مولانا فخرؔ کی زبان سے ان کی تعریف خود سنی ہے پھر یہ اپنے مفوضہ کاموں میں اتنے منہمک رہنے لگے کہ آخر اپنے اور کام مولانا نے مجبوراً دوسرے شخص کے سپرد کر دیئے۔

ذکر میر شفیع الدین اور میر کلّو

دوسرے دن عصر کے وقت مولانا کی قدمبوسی نصیب ہوئی کتاب سفر السعادت دیکھنے میں مشغول تھے۔ ایک عبارت نظر آئی میر شفیع الدین سے کہا کہ صوفی جیو جو مسجد میں بیٹھے ہیں یہ کتاب ان کے پاس لے جاؤ اور کہو کہ یہ صفحہ دیکھ لیں۔ میر شفیع الدین دکھا کر لے آئے جب وضو کے لئے اٹھے، کتاب ہاتھ میں تھی، فقیر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ صوفی جیو نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ وتر کے بعد دوگانہ جائز ہے یا نہیں۔ فقیر نے عرض کیا کہ مشہور یہی ہے کہ جائز نہیں فرمایا محدثین اسی طرف گئے ہیں لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے بخاری اور مسلم کا مسلک یہی ہے جائز نہیں مگر اس کتاب کو دیکھو تو کیا لکھا ہوا ہے مسلکوں کا اختلاف بیان کر کے بتلایا ہے کہ علماء کا مسلک یہ ہے کہ وتر کے بعد دوگانہ جائز ہے یہ وتر کی نماز کو الگ کر دینے والا نہیں اس لئے میں نے صوفی جیو کو یہ دکھلا دیا۔

اس کے بعد میں نے اپنے دنیوی معاملات تنہائی میں عرض کئے اور ہدایت حاصل کی۔ مغرب کا وقت آگیا تھا، میر کلّو حسب معمول مچھلی اور بھیگی

ہوئی مونگ کی دال ایک طباق میں افطار کے لئے لائے اور تقسیم کی مولانا کے سامنے بھی ایک سبز پتے پر رکھ دی سب نے روزہ افطار کیا اور نماز کے لئے چلے گئے۔

صوفی یار محمد صاحب کا تذکرہ

یہ جون پور کے شریف خاندان سے ہیں اور ابراہیم بن ادہمؒ کی اولاد میں ہیں اور صحیح النسب سیّد۔ شروع میں اُمرا کی نوکری کرتے رہے اس کے بعد مولوی زین الدین مرحوم جو بڑے صاحب کے خلیفہ تھے۔ ان کی خدمت میں رہے۔ ان کی علمی قابلیت اپنی مرشد سے زیادہ تھی۔ شاہ جہاں آباد کے مشہور بزرگوں میں تھے۔ تفصیل کا موقع نہیں۔ بادشاہ فردوس آرامگاہ ان کا معتقد تھا۔ قلعہ کے سامنے اس نے ان کو رہنے کے لئے مکان دیا تھا اور اپنے بیٹے کو ان کی خدمت کے لئے نامزد کر دیا تھا۔ چنانچہ خود مرزا احمد بھی اپنی حکومت کے زمانے میں ان کی خدمت کیا کرتا تھا۔ اس نے ان کے معتقدین کو بہت سی جاگیریں بھی دی تھیں۔ مولوی زین الدین ایک صاحب ذوق انسان تھے اور ہر مہینے کی پانچ تاریخ ایک مجلس کیا کرتے تھے۔ شہر کے بہت لوگ مشائخ وغیرہ وہاں جمع ہوتے گانا بھی ہوتا تھا۔

اُن کے سب کے سب دوست صاحب وجد و ذوق تھے۔ کہنہ شہر موتی ستہ کے سامنے ان کا مکان تھا اسی مکان میں ان کا مزار ہے۔

خاندان چشتیہ سراجیہ میں مرید کیا کرتے تھے۔ اور خدا کی یاد میں مشغول رہا کرتے آخر عمر میں جب انتقال کا وقت ہوا تو انھوں نے ان کی بہت خدمت کی تھی۔ اس وجہ سے ان سے راضی ہو گئے۔ ان کی ایک بیاض تھی جس میں وہ تمام اعمال اور اشغال لکھے ہوئے تھے جو ان کو بزرگوں سے ملے تھے۔ مولوی زین الدین مرحوم نے صوفی محمد صاحب کو ان سب کی اجازت دی تھی۔ ایسے مستقل مزاج تھے کہ داتا راجی کے ہنگامے اور قتل و غارت کی کچھ پرواہ نہ کی اور مرشد کے مزار پر تنہا رہ کر گزار دی اپنے مرشد کی زندگی ہی میں مولانا محتبےٰ سے بھی ان کو عقیدت تھی اور ان کے یہاں قریب رہنے کی وجہ سے آمد و رفت زیادہ تھی۔ بلکہ دن رات میں اکثر یہاں آتے رہتے۔ پھر شہر میں ایک نیا مکان لے لیا تھا۔ اس میں رہا کرتے تھے۔ اس کے بعد حضرت مولانا کے مصاحب ہو گئے۔ مولانا نے بھی ان کو بہت سے شغل بتائے۔

رات میں جب مولانا سوتے (جن کا سونا عین بیداری ہے) تو یہ پلنگ کے نیچے سو رہا کرتے تھے غرض حضرت مولانا فخر صاحب ان سے خوش تھے ان پر بہت توجہ تھی۔ ترقی اور مشغولی میں ہر روز ان کی نسبت اعلیٰ ہے پورے طور پر پرہیزگاری کے حامل ہیں کشادہ پیشانی اور خوش طبعی میں درویشانہ مزاج رکھتے ہیں۔ خود مولانا کے سامنے خوش طبعی کی گفتگو کرتے رہتے ہیں اور سب لوگ ان کے اخلاق سے راضی ہیں کشف گوئی میں بہت تیز ہیں، ان کے بارے میں

حضرت مولانا فرماتے کہ دولت کی زیادتی اور صوفی ہونے کے باوجود ان میں ذرا بھی غرور نہیں ہے اور حضرت مولانا کے محرم راز بھی ہیں دوستوں کی سفارش اور کلمۂ خیر کہتے رہنا ان کا طریقہ ہے خدا کے بندوں کے بہت سے کام ان کے ذریعہ پورے ہوتے رہتے ہیں۔ مولانا نے ان کو مرید کرنے کی بھی اجازت دے دی ہے۔ کسی زمانے میں بھی خدا کی یاد سے غافل نہیں رہتے۔

میاں منت اور روز جمعہ کا تذکرہ

جمعہ کے دن خدمت عالی میں حاضر ہوا۔ سائبان کے نیچے مولانا بیٹھے ہوئے تھے سید صاحب اور مولوی مکرم اور کچھ اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے ہدایہ اور دوسری چند کتابیں سامنے رکھی ہوئی تھیں تراویح والی روایت اس کتاب سے نکالی گئی کہ اگر عشا سے پہلے پڑھیں تو کچھ حرج نہیں ہے۔ ووقتها کل اللیل۔ لفظ قبل کی وجہ سے بعض یہ سمجھے کہ وقت عشا سے قبل۔ اور بعضوں نے کہا کہ نہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ عشا کی نماز سے قبل ـــ لیکن لفظ کل اللیل سے صاف ہوگیا کہ تمام رات۔ اور اسی کتاب میں یہ بھی نکلا کہ ایک ہی سلام سے دو رکعتیں پڑھیں اور ہر دو رکعت کے درمیان بیٹھیں اس قسم کی روایتوں کو آواز سے پڑھتے تھے۔ اس کے بعد وضو کے لئے تشریف لے گئے اور راستے میں میر قمرالدین صاحب کا ساتھ ہوگیا جو پیر منت کے لقب سے

مشہور ہیں۔ ان سے فرمایا کہ ہم نے خواجہ حافظ کا جو شعر سُنایا تھا۔ صاحب تذکرہ نے اس پر ردو قدح کی ہے ذرا پڑھو۔ تو انھوں نے پڑھا ؎

زچشم بد رخ خوب ترا خدا حافظ — کہ کردۂ ہمہ نیکی بجان ما حافظ

فرمایا لفظ حافظ کو ایک مصرع میں بیکار بتایا جاتا ہے۔ دل کہتا ہے کہ اس کے معنی اس طرح ہوں گے۔ کہ حضرت حافظ نے دوسرے مصرع میں اپنے آپ کو غائب مان کر پھر اس طرح مخاطب کیا ہے کہ۔ اے حافظ تم نے ہماری جان کے لئے نیکی کی ہے اس لئے تمھارے اچھے چہرے کا خدا حافظ ہے (کہ نظر نہ لگے) یہ مطلب سُن کر سب خوش ہو گئے اور عرض کیا کہ بجا و درست ہے۔ گویا شاعرانہ لحاظ سے کیا خوب تقریر فرمائی اور تاویل کی ضرورت نہ رکھی اور اس طرح سب الفاظ بھی اپنی جگہ رہے۔

اس کے بعد میاں منت نے کہا کہ خواجہ حافظ کا ایک یہ شعر بھی مشہور ہے مگر بعض شاعر کہتے ہیں کہ اس میں قافیہ درست نہیں ؎

صلاح کار کجا و من خراب کجا — ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

خراب کا اگر تاب قافیہ ہوتا تو ٹھیک تھا یہاں تو "تابہ" ہو جاتا ہے۔ اور یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ وضو سے فراغت حاصل کرنے کے تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ اس شعر کا مطلب اس طرح بیان کرنا چاہئے اگر یہی حال ہے تو تاب کہاں۔ قافیہ میں یہی لفظ تاب واقع ہوا ہے۔

تمام لوگ خوش ہو گئے اور کہنے لگے کہ اتنے دن ہوئے کسی نے اب تک خواجہ حافظ کی طرف سے جواب نہیں دیا آج حضرت نے اس نکتے کو ظاہر فرمایا۔

اس کے بعد سفر السعادت کتاب اٹھائی اس میں ایک عبارت نکلی فرمایا۔کہ شیخ عبدالحق شارح کی تحریر بہت ہی عمدہ ہے یہ ہر پہلو سے غور کرتے ہیں اور تمام شکوک و اشکال کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔عبارت اس امر سے متعلق تھی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نیند وضو ضائع کرنے والی نہیں تھی۔ اور آں حضرتؐ کے لئے یہ خاص بات تھی اور ایک روایت میں ہے کہ سب نبیوں کے لئے یہی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اِنّی اَریٰ فی المنامِ انی اذبحک (میں نے سوتے میں دیکھا کہ میں تجکو ذبح کر رہا ہوں) اور ایک حدیث یہ بھی بیان فرمائی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ تم جو کچھ کہتے ہو۔میں سوتے میں اس کو سن لیتا ہوں کیوں کہ میری آنکھ سوتی ہے اور دل جاگتا رہتا ہے۔

یہاں ایک مشکل پیدا ہوتی ہے کہ اگر یہ بات ہے تو پھر آنحضرت اس وادی میں کیوں سوئے جہاں نماز قضا ہو گئی اس کے بعد فرمایا وادی شیطانی ہے کسی نے عرض کیا کہ شیخ (عبدالحق) نے اس کا کیا جواب لکھا ہے، فرمایا یہاں نہیں۔آگے چل کر وہ اس قصے کو پوری طور پر لکھیں گے اس کے بعد دو ایک ورق میں جواب تحریر کریں گے۔ پھر مغرب کا وقت

ہوگیا۔ میر کلّو دھوئی ہوئی دال لائے اور معمول کے موافق تقسیم کردی پھر فرمایا اذاں ہوئی مغرب کی نماز کے لئے چلنا چاہئے۔

میر قمر الدین عرف میاں منت کا تذکرہ

امام ناصر الدین جن کا سونی پت میں مزار ہے یہ ان کی اولاد میں ہیں اور ان کی اولاد سید اسی قصبے کی رہنے والی ہے اور ان کے مادری دادا شاہ عنایت اللہ قادری ہیں جو شاہ جہاں آباد کے مشہور مرشدوں میں ہیں اور جو شاہ ولی اللہ سے بھی قرابت رکھتے تھے۔ خاندانی لوگوں میں ہیں بچپن ہی سے ان کی صورت اور سیرت میں خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ شاعری کی کی طرف بھی ان کی طبیعت مائل تھی اور ہے شاعری کے فن میں پوری مہارت رکھتے ہیں پہلے بزرگوں کی کتابیں دیکھ کر وظیفے اور شغل میں مشغول رہا کرتے تھے اور اپنے اوقات کو منضبط کر لیا تھا۔ اب مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے بیعت کی اور جو کچھ اُنھوں نے فرمایا اس میں مشغول ہوگئے، تھوڑے دن بعد اپنے مقاصد میں کامیاب ہوگئے پھر حضرت نے مرید کرنے کی اجازت بھی دے دی ان کے دوست احباب بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ ان کے دوستوں میں علی رضا نامی ایک صاحب ہیں وہ ہمیشہ سوز و گداز میں رہتے ہیں اور میر صاحب موصوف اپنے دوستوں میں کے ساتھ حضرت مولانا کے یہاں خلوت و جلوت میں حاضر رہتے ہیں اور اس سے زیادہ ترقیوں کی امید رکھتے ہیں فقرا کی طرح توکل پر ان کی گزر

بسر ہے کچھ سہارا تھا وہ بھی جاتا رہا۔ انھوں نے سلسلے کے بزرگوں کے حالات بھی لکھے ہیں اور بزرگوں کی شان میں رباعیاں بھی کہی ہیں خدا کا شکر ہے یہ ہر قسم کی قابلیت رکھتے ہیں۔

میر بدیع الدین کا تذکرہ

مشاہدے کی دولت میسر ہوئی (یعنی مولانا کی خدمت میں حاضری ہوئی) دالان میں تشریف رکھتے تھے۔ ٹاٹ پر کمل کا فرش تھا۔ ارشاد فرمایا یہیں کمل پر میرے پاس بیٹھو۔ اور یہ اکثر ہوتا تھا۔ آج ہی یہ عزت افزائی نہیں ہوئی۔ جاڑوں میں بھی ایسا ہوا کرتا تھا۔ بلکہ سبھی کے ساتھ حضرت کا یہ اصول تھا۔ میر بدیع الدین حاضر تھے ایک اور صاحب بھی آئے بعضوں نے کہا شمس الدین تبریزؒ، مولانا رومؒ کے معتقد ہیں میر منت نے عرض کیا کہ میں نے دو کتابوں میں اسی طرح دیکھا ہے خیال ہوتا ہے کہ نفحات میں بھی ایسا ہی ہے مولانا نے فرمایا کہ ہمارے خیال میں تو نفحات کی یہ عبارت نہیں ہے اور جس کتاب کو تم کہہ رہے ہو۔ میں نے اس کو دیکھا نہیں۔ ہاں نفحات لاؤ اور جہاں مولانا روم کی پہلی ملاقات کا تذکرہ ہے نکالو کہ گھوڑے پر سوار تھے اور اتنے میں حضرت شمس تبریزؒ آ گئے اور سوال کیا کہ بایزیدؒ نے سبحانی ما اعظم شانی[1] کیوں کہا اور اسی قسم کے سوال کئے۔ لاؤ اور جب یہ بات ہوئی تو آنحضرت

---

[1] سبحان اللہ میری کتنی بڑی شان ہے۔

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ کیوں فرمایا۔ مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ[1] بتلاؤ ان میں سے کس کا رتبہ بڑا ہے۔ مولانا روم کا بیان ہے کہ اس سوال سے میں لرز اٹھا پھر میں نے جواب دیا کہ بایزید کی پیاس تھوڑی تھی کہ ایک جام کے پیتے ہی بجھ گئی اور اکدم سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ کہہ اٹھے لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دریا کے دریا پیتے چلے گئے اور پھر بھی ان کی پیاس نہیں بجھی (مطلب یہ کہ حضورؐ کا ظرف اتنا اعلیٰ تھا اسی وجہ سے ما عرفناک فرمایا) باقی قصہ کتاب نفحات میں ہے۔ اس واقعے سے مولانا رومؒ کی علمی بلاغت بلند ظاہر ہو رہی ہے۔ آگے کی عبارت سے ظاہر ہے کہ شمس تبریز نے ایک نعرہ مارا۔ اور گر پڑے دوسری عبارت بھی اسی قسم کی ہے جس کا دل چاہے نفحات کو دیکھ لے۔ غرض مولانا فخر صاحب نے اول آخر کی عبارت بلند آواز سے پڑھی اور یہاں سے نتیجہ نکالا کہ مولانا رومؒ شمس تبریز سے فیض یاب تھے۔ تب میر منت کو اطمینان ہو گیا۔ اس کے بعد اس بات کا ذکر آیا کہ تنہائی میں علاحدہ مرید کرنے کا طریقہ کیوں رائج ہے۔ فرمایا بیعت کا پوشیدہ رکھنا مقصود نہیں ہے بلکہ ہر شخص کے حالات کے لحاظ سے بعض وظیفے یا ذکر یا شغولیاں بتلانے کی ضرورت پیش آتی ہے جس کو بزرگوں نے مخفی رکھنا مناسب خیال فرمایا ہے[2]

---

[1] جس طرح پہچاننا چاہیئے اے اللہ ہم نے اس طرح تجھ کو نہیں پہچانا۔ [2] اور یہ حدیث کے تحت ہے۔ استعینوا علی الحوائج بالکتمان (ترجمہ۔ اپنی ضرورتوں پر پوشیدگی سے مدد چاہو کیونکہ دوست کم اور دشمن زیادہ ہیں سب سے بڑا دشمن شیطان ہے۔ (درد کاکوروی)

(ظاہری اعتبار سے دنیا میں بھی دستور ہے کہ بڈھوں کی باتیں جوانوں سے اور جوانوں کی باتیں بچوں سے چھپائی جاتی ہیں اسی طرح اس کو سمجھو) اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے حضرت صاحب (یعنی حضرت شاہ نظام الدین) نے لوگوں سے اس طرح بھی بیعت لی ہے کہ ایک شخص مرید ہو رہا ہے اور اس حالت میں ایک اس کا دامن پکڑے ہوئے ہے اور دوسرا اس کا۔ اور تیسرا اُس کا۔

اس دستور کے موافق ایک ہی وقت متعدد لوگوں کو اس طرح مرید کیا ہے۔ خصوصاً عورتوں کے لئے یہ شکل بہت مناسب ہے اور اس واقعے کے بیان کرتے وقت حضرت مولانا فخر صاحب پر ایک خاص کیفیت طاری تھی جس کا۔ حاضرین کے قلب پر بھی کافی اثر تھا۔ اتنے میں ایک اجنبی صاحب آگئے ان کے آتے ہی محفل کا رنگ بدل گیا۔ مولانا وضو کے لئے چلے گئے۔ مولوی محمد مکرم اور سید صاحب اور میر بدیع الدین سبق پڑھنے آئے۔ وضو سے آنے کے بعد مولانا نے ان کو دوپہر تک سبق پڑھایا۔ اس درمیان میں آپ بہت سی حدیثوں کا مطلب بھی سمجھاتے رہے۔ پھر سفر السعادت پڑھنے کے لئے آپ نے بار بار فرمایا کہ سہ پہر کے وقت پڑھ لیا کرو انشاء اللہ کل سے یہ سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

ذکر شاہ عبداللہ

آج ۱۰ رمضان اور منگل کا دن ہے۔ خدمت عالی میں حاضری کی

عزت حاصل ہوئی۔ تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دریافت فرمایا خیریت سے ہو اس کے بعد میر منت اور شاہ عبداللہؒ آئے۔ کمال خجندی کا دیوان ہاتھ میں تھا عرض کیا گیا کہ شاہ عبداللہ مجھ سے یہ پڑھتے ہیں پوچھا اس میں کون سی غزل کا اس وقت سبق ہو رہا ہے متفرق اشعار پڑھ کر دریافت کیا۔ میر منت نے عرض کیا کہ کمال خجندی حضرت مغربیؒ کے ہم عصر ہیں اور مشہور ہے کہ مولانا مغربی نے ان پر اعتراض بھی کیے ہیں۔ آنکھ۔ تل۔ زُلف کی تعریف میں جو اشعار ان کو پہنچے تھے اس کے متعلق مولانا مغربی نے کہا کہ خجند ایسے شعر کہتے ہیں کہ علم معنوی (یعنی تصوف) کے لحاظ سے ان کا کوئی مطلب ہی نہیں نکلتا کمال خجندی آئے اُن سے ملے اور کہا آنکھ سے مُراد ذات حق ہے اور خط و خال سے مرتبوں کی طرف اشارہ ہے۔ مولانا مغربی خوش ہو گئے۔ مولانا فخر صاحب نے ایک قصہ بیان فرمایا کوئی فقیر صاحب کسی محفل میں بیٹھے تھے کوئی شعر پڑھا گیا فقیر صاحب پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ شیخ الاسلام (عالم وقت) نے کہا کہ اس میں علم معنوی (تصوف) کا کوئی مطلب نہیں نکل سکتا پھر اس پر ان کو کس طرح حال آگیا، اُن فقیر صاحب تک بھی اس کی خبر پہنچی کسی کو بھیج کر اُنھیں بُلا بھیجا۔ جب آئے تو ان سے کہا ہمارے نزدیک اس کا یہ مطلب ہے آخر وہ عالم صاحب قائل ہو گئے کہ ٹھیک ہے۔

اس کے بعد ان فقیر صاحب نے کہا کہ اس کا ایک اور مطلب بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ اب تم مرنے والے ہو ان کو بھی یقین ہو گیا چنانچہ اپنے

مکان واپس گئے اور مر گئے حالانکہ ان فقیر صاحب سے کبھی ایسی بات ظہور میں نہیں آئی تھی لیکن اس بیچارے کا وقت ہی آچکا تھا۔

مولانا فخر صاحب وضو کے لئے چلے گئے۔ میاں منت نے چپکے سے مجھ سے کہا کہ یہ حضرت مخدوم کی کیفیت ہے جو مولانا نے اس طرح بیان فرمائی اسی واسطے مولانا نے کسی کا نام نہیں لیا۔ جب بزرگوں سے اتفاقی طور پر خود کوئی چیز ظاہر ہو جائے تو نام نہیں لیا کرتے بلکہ اس کو بہت ہی پوشیدہ طور پر بیان کرتے ہیں اگر حضرت غوث الاعظمؒ یا حضرت خواجہ نقشبندؒ سے اس کا تعلق ہوتا تو ضرور نام لیتے اور بعض حضرات اپنے بزرگوں کا تذکرہ بھی کم بیان کیا کرتے ہیں۔

ایک دن فقیر نے عرض کیا کہ حضرت حمید الدین ناگوریؒ کے مکتوبات آپ کے یہاں پڑھے جاتے ہیں یا اور کوئی چیز۔ ہم کہانی تو ہندی زبان میں ہے اس کے بجائے فوائد الفواد کے لئے حضور کیوں نہیں فرماتے یہ بلند آواز سے پڑھی جائے تاکہ حاضرین بھی لطف اٹھا سکیں فرمایا اپنے سلسلے کی کتاب پڑھواتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔

اس کے بعد میں نے اپنے روزگار کے لئے عرض کیا اور تشویش بھی بیان کر دی فرمایا اگر ہم مشغول رہتے ہیں تو ہم کو بہت آرام ملتا ہے باوجودیکہ رمضان شریف میں ریاضت زیادہ کی جاتی ہے مگر پھر بھی

جیسا دل چاہتا ہے ویسی نہیں ہوتی۔

میر خیر الدین صاحب کا تذکرہ

دوشنبہ کے دن ۱۶ ار کو حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ میر خیر الدین صاحب کو رخصت کرنے مولانا دروازے تک آئے کیونکہ بادشاہ وقت کے لشکر میں روزگار کی تلاش میں جا رہے تھے۔ پھر مولانا مدرسے چلے گئے۔ حضرت سلطان المشائخ کے فلتھے کے بعد فرمایا کہ روزی کی تلاش اس طرح کرنا چاہئے۔ جیسے چیتا شکار کے پیچھے کودتا پھرتا ہے اگر ہاتھ آجائے تو بہتر ہے ورنہ ایک بار اور کوشش کرے اگر دونوں مرتبہ ناکام رہے تو خاموش ہو رہے نہ کہ کتے کی طرح جو شکار کے لئے دوڑتا چلا جاتا ہے۔ غرض تلاش معاش میں کوشش کرنا چاہئے۔ جب آپ کسی کو رخصت کرتے تو فرماتے السلام علیکم۔ تم کو خدا کے سپرد کیا۔ اس کے بعد پڑھانے میں مشغول ہوجاتے۔

جمعہ کہاں فرض ہے ایک بار اس کا تذکرہ آیا۔ اس کا فرض ہونا اس آیت سے ہے۔

اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ [1]

حدیث والوں کے نزدیک یہاں ذکر اللہ سے خطبہ اور جمعہ کی نماز مراد ہے۔ حضرت مولانا فخر صاحب نے فرمایا کہ جمعہ کی نماز مراد ہے۔ حضرت

---

[1] جمعہ کے دن (جب جمعے کی نماز کے لئے) اذاں ہو تو اللہ کی یاد کے لئے دوڑ کر جاؤ۔

مولانا فخر صاحب نے فرمایا کہ جمعہ کی نماز کا فرض ہونا خود ہی ظاہر ہے جو ظہر کی نماز کی خلیفہ ہے اور خطبے کا فرض ہونا وعظ کے لحاظ سے ہے مگر چونکہ وہ عربی زبان میں ہوتا ہے اور عام لوگ اس سے واقف نہیں اس لئے ہندی زبان (اردو) میں اس کا ترجمہ بہتر ہے۔

غلام محمد صاحب کا تذکرہ جن کو بہت سی باتوں میں کمال حاصل تھا

مولانا ایک روز خانقاہ کے سائبان میں بیٹھے تھے۔ صاحب میزان اور قابل لوگوں کا ذکر آگیا کہ شہر اورنگ آباد (دکن) میں غلام محمد نامی ہمارے ایک ملنے والے تھے۔ ان کو بہت سی باتوں میں کمال حاصل تھا۔ خاص کر گھوڑے کی سواری میں ان کو خاص ملکہ تھا ایسا کہ بڑے بڑے چابک سوار ان کے مقابلے میں کوئی ہستی نہیں رکھتے تھے۔ اور کپڑوں کا درست رکھنا جو خدمت گاروں کا فن ہے۔ اس میں بھی ان کو بہت واقفیت تھی نواب نظام الملک کو ان کا یہ ہنر بہت پسند تھا اور شہر کی صفائی وغیرہ میں بھی صفائی وغیرہ میں بھی ان کا خاصا دخل تھا ان کمالات کے باوجود تنگ دست رہتے تھے ایک بار ان کی بیوی ہمارے پاس تنگی کی شکایت لے کر آئیں ہم نے ان کو رکھ لیا۔ ہم ان کی ہر قسم کی خبر گیری کرتے رہتے، مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رزاقی کی صفت ہمارے ذریعہ ظاہر ہوئی خدا نے مجھی سے یہ کام لیا۔ اس کے بعد گھوڑوں کا ذکر ہوا۔ ارشاد فرمایا۔ میرے پاس ایک

ایک گھوڑا تھا۔ ایک دن اس نے ۷۵ کوس راستہ طے کیا اور اس میں ایک کا تعاقب بھی شامل تھا میں آ سے دوڑا کر لے گیا منزل پر پہنچنے کے بعد میں نے پھر اس کو دوڑایا تب بھی اس میں وہی تیزی موجود تھی۔ یہ تعریف سن کے نواب ناصر جنگ کو اس کا شوق ہوا، ایک دن میرے گھر آئے اور میں نے لاکھ انکار کیا مگر نہ مانے اور باصرار گھوڑا لے کر چلے گئے۔

میاں مجیب الدین کا تذکرہ

اس کے بعد میاں مجیب الدین آ گئے۔ میاں مولانا کے قدیم دوست اور حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ کے ہمشیر زادے کی اولاد میں ہیں مولانا کے ارشاد کے موافق یہ حضرت سلیم چشتیؒ کی درگاہ میں ذکر و شغل بھی کرتے رہے ہیں۔ بعض سرکاری کام بھی ان سے متعلق تھے۔ کتاب شرح ملا جامی پڑھتے تھے۔ مولانا نے ان سے فرمایا کہ تم اپنا سبق اس وقت موقوف کر دو صبح وظیفے کے بعد آ کر پڑھ لینا کیونکہ کل سے اعتکاف کا ارادہ ہے اسی وجہ سے دوسرے طالب علموں سے بھی میں نے عذر کر دیا ہے اور مولانا کا یہ اصول تھا کہ ۲۰ رمضان المبارک سے مسجد میں اعتکاف کرتے تھے اس سے پہلے حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی کی مسجد میں معتکف ہوا کرتے تھے۔ لوگوں نے ہجوم اور اطمینان قلبی نہ ہونے کی وجہ سے مدرسہ کی مسجد میں جو حویلی میں ہے اس میں فرض نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ اور ہر قسم کے علوم کے سبق رمضان شریف میں موقوف رہا کرتے تھے۔ صرف حدیث شریف کا سبق جاری

رہتا تھا، مگر رمضان شریف کے آخری دس دن یہ سبق بھی ملتوی ہو جاتا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلی کا تذکرہ

رات میں خانقاہ کے سائبان کے نیچے مولانا تشریف رکھتے تھے۔
سید صاحب نے عرض کیا کہ میں نے کتاب مواہب لدنیہ میں دیکھا ہے کہ یہ جو مشہور ہے کہ آں حضرت کے انگوٹھے کے پاس کی انگلی انگوٹھے سے لمبی تھی۔ تو یہ آں حضرت کے پاؤں کی انگلی تھی ہاتھ کی نہیں تھی۔ جو لوگ ہاتھ کی انگلی سمجھتے ہیں غلط ہے۔[۱]

حضرت مولانا نے فرمایا کہ کسی صحابی کو کسی نے خواب میں دیکھا۔ حال پوچھا کہا میں تو بہشت میں داخل ہو گیا ہوں لیکن میری انگلی داخل نہیں ہوئی۔ تو اس کا یہ مطلب ہے کہ عام طور سے قاعدہ ہے کہ جب برائی سے کسی طرف اشارہ کرتے ہیں تو اکثر انگوٹھے کے پاس کی انگلی سے اشارہ کرتے ہیں انگلی کے بہشت میں داخل نہ ہونے کی یہی وجہ ہے۔ اس کے بعد صوفی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ جو کسی بزرگ کی ملاقات کے لئے گئے

---

[۱] کوئی نبی عیب والا نہیں تھا تو نبیوں کے سردار عیب والے کیوں ہوتے ہاتھ کی کوئی انگلی بھی معمول کے موافق نہ ہو تو عیب میں داخل ہے۔ البتہ پاؤں کے انگوٹھے کے پاس کی انگلی اگر بڑی ہو تو اس کو بہت مبارک اور خوش نصیبی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ د۔م۔ دکاکوروی۔

ہوئے تھے۔ آ گئے۔ تو انھوں نے بر سبیل تذکرہ بیان کیا، شاہ صاحب کہتے تھے کہ ہم مولانا فخر صاحب کے والد سے دکن میں مل چکے ہیں بعض ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جو بلا واسطہ بیعت رکھتے تھے اور بعضے ایک ہی واسطے سے مرید ہیں۔

ان شاہ صاحب کا یہ حال تھا کہ جب کوئی ان کے سامنے اللہ کا نام لیتا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ ان کو گانا سننے کی حاجت بھی نہ ہوتی تھی۔

ان کے دوستوں میں ایک سن رسیدہ اور سفید داڑھی والے بزرگ بھی تھے۔ یہ کناری والا لباس پہنتے تھے۔ جس کا ہندوستان میں رواج تھا۔ مگر جب خدا کا نام سن لیتے رونے لگتے۔

حضرت مولانا فخر صاحب نے فرمایا کہ میں نے دس واسطوں سے حضرت صاحب کے دوستوں کو دیکھا ہے آپ وضو سے فارغ ہو کر زینے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ صوفی صاحب نے عرض کیا۔ شاہ صاحب ایک یہ قصہ بھی بیان کرتے تھے کہ جے پور میں ایک شخص تھا جو گانا سننے والوں پر بہت لعن طعن کیا کرتا تھا ایک دن اس نے حضرت مولانا کا نام لے کر کہا مسلمانو۔ ان کے دوستوں سے بچے رہنا۔ راستے سے بہکا دیتے ہیں۔ اتفاق سے وہ شخص اسی دن کسی بلا میں گرفتار اور بے آبرو ہوا۔ حضرت مولانا خاموش رہے۔

کیونکہ ایسی بات حضرت مولانا فخر صاحب کی مرضی کے خلاف

ہوتی تھی کہ ایسی گفتگو کی جائے، یا ایسا کشف بیان کیا جائے جو باعثِ فخر ہو۔ فقیر نے عرض کیا کہ یہ بڑی مشکل ہے کہ لوگ اس طرح گستاخی سے حضور کے متعلق نا ملائم الفاظ کہیں اور جواب دیا جائے تو حضرت کی مرضی کے خلاف ہو۔ ہم برداشت کرتے ہیں لیکن بہرحال بشریت مانع ہوتی ہے۔

اتنے میں میر بدیع الدین نے عرض کیا کہ ایک دن مجھ پر بھی ایسا واقعہ گزرا ہے حضور کو بھی یاد ہوگا۔ کہ جامع مسجد میں ایک افغانی بچہ آیا ہیں موجود تھا۔ فقیر نے عرض کیا کہ میں بھی تو تھا جب حضور جامع مسجد کے حوض پر تشریف رکھتے تھے ایک روہیلہ آیا اور اس نے جھگڑا کیا کہ داڑھی کیوں ترشواتے ہو اور ایسے سخت الفاظ کہے جن کا بیان کرنا مناسب نہیں۔ اور جو باتیں علما فضلا بلکہ عام لوگوں کی شان کے خلاف ہیں وہ بھی کہیں۔ مولانا خاموش رہے اور تھوڑی دیر کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ہم تین چار آدمی جو بیٹھے ہوئے تھے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم لوگ کیوں خفا ہوتے ہو کچھ نہ کہو۔

اس تذکرے کے ختم ہو جانے کے بعد مولانا نے فرمایا سنو۔ پھر یہ تنہائی میں میرے پاس آیا اور مرید ہونے کی خواہش کی اور بہت معافی چاہی اور بیان کیا کہ میں نے جو کچھ کہا تھا اس سے مجھے بہت شرمندگی ہے دل نہیں چاہتا کہ کسی کو منہ دکھاؤں بلکہ میں خودکشی کا ارادہ رکھتا ہوں آخر میں نے اس کو مرید کر لیا۔ مگر اس کے بعد سے پھر

کبھی نہیں آیا نہ معلوم کہاں گیا۔

حضرت صاحب کے شغل و اشغال کا تذکرہ

ایک دن حضرت صاحب قبلہ کا تذکرہ ہوا فرمایا کہ حضرت صاحب قبلہ اکثر ذکر میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اُنھوں نے ایک مکان بنوایا تھا جو زنانے اور مردانے مکان کے درمیان واقع تھا۔ اگر مردانے مکان کا دروازہ بند کرلیا جاتا تو زنانے مکان سے اس کا تعلق ہو جاتا تھا اور زنانے مکان کا دروازہ بند کر کے خانقاہ کی طرف کا دروازہ کھول دیا جاتا تو مردانہ ہو جاتا تھا چنانچہ آپ اکثر اسی حجرے میں تشریف فرما رہتے اور آہستہ آہستہ ذکر (یادِ الٰہی) میں مشغول رہتے۔ مجلس کے وقت باہر تشریف رکھتے جہاں یادِ الٰہی کے سوا اور کسی چیز کا تذکرہ نہ ہوتا تھا جو کوئی آتا اسی میں مشغول ہو جاتا یہاں تک کہ اس درمیان میں کسی قسم کے مسئلے بھی بیان نہ کئے جاتے۔ شروع شروع میں کتابوں کی طرف آپ کی توجہ زیادہ تھی۔ اورنگ آباد میں اس کے سوا آپ کو کوئی اور کام ہی نہ تھا، البتہ ہفتے میں دو مرتبہ ذکر جہر ہوتا تھا۔

حلقے کی شکل یہ ہوتی تھی کہ دوستوں کے ساتھ ذکر میں مشغول ہو جاتے جس شخص کو گرمی کم محسوس ہوتی اس کے پاس بیٹھ کر خود چند بار ضرب لگا کر ذکر کرتے جب اس میں گرمی پیدا ہو جاتی تو دوسرے کے پاس پہنچتے اور اسی طرح اس کو خدا کی یاد میں لگا دیتے اور کبھی آدھی رات

سے باہر آجاتے دوستوں (معتقدوں) کو اگر ذکر میں مشغول پاتے تو خیر ورنہ جب دیکھتے کہ لوگ سو رہے ہیں تو کوزے میں ٹھنڈا پانی لے کر چھینٹے دیتے غرض معتقدین، مریدین کی تربیت اور ذکر خدا کی پابندی میں آپ کی یہ کیفیت تھی۔

حضرت صاحب قبلہ کے دوستوں میں سے میاں عشق اللہ کا تذکرہ

حضرت مولانا فخر صاحب نے ارشاد فرمایا کہ حضرت والد ماجد کے دوستوں میں عشق اللہ نامی ایک درویش تھے۔ خدا معلوم حضرت کے دوستوں میں کوئی اور بھی ایسا تھا یا نہیں۔ یہ بزرگ آٹھوں پہر یعنی رات دن ذکر جہر میں مشغول رہا کرتے تھے، کھانے کے لئے ڈیڑھ پاؤ جوار اور تین پاؤ سگ لے کر حضرت صاحب خود ان کا کھانا تیار کرتے اور ان کو کھلاتے اور یہ ایسے بے نفس تھے کہ جس کی انتہا نہیں۔ ہم اس زمانے میں بچے تھے۔ ان کی ٹوپی سے کھیلا کرتے تھے یعنی ان کی ٹوپی ہم کسی اونچے درخت پہ رکھ دیا کرتے اور یہ اڑ کر جاتے اور اپنی ٹوپی لے کر آجاتے اکثر ایسا ہوتا رہتا تھا۔ مگر اتنی بلندی پر اڑ کر جانے سے ان کے جسم میں ہم کوئی تکلیف نہیں دیکھتے تھے اتنی ریاضت و مشقت کے بعد بھی ان کا مزاج چڑچڑا نہ ہوتا بلکہ لوگوں سے اکثر مذاق کرتے رہتے اور لوگ ان کو برا بھلا کہتے۔ یہ سب سنتے رہتے۔ بلکہ خوش ہوتے۔ لوٹ کر کسی کو کچھ نہ کہتے۔ ان کی وفات

کا واقعہ دنیا کے عجیب واقعوں میں سے ایک عجیب واقعہ ہے۔ یہ صوبہ گجرات میں تھے جس مکان میں رہتے تھے ایک دن اس مکان میں ان کو پایا گیا۔ پھر جو دیکھا گیا تو پھولوں ڈھیر ہے۔ یہ ان کی موت کا قصہ ہے اس روز کسی نے ان کو کعبہ شریف میں دیکھا اور کسی نے کہیں۔ ایسی قسم کی اور باتیں بھی۔ جو حضرت شاہ عشق اللہ کے خرق عادت سے متعلق تھیں حضرت صاحب کبھی کبھی بیان فرمایا کرتے تھے۔

سات کا عدد اور ایک مجذوب

ایک دن قدمبوسی کی دولت میسر ہوئی۔ تخت پر بیٹھے ہوئے تھے اس فقیر کو بھی اُسی تخت پر اپنے پاس بٹھا لیا۔ ایک پڑوسی کا ذکر آیا جس کا ایک دن پہلے انتقال ہوا تھا اس کے بعد فاتحہ کی رسم کا ذکر ہوا۔ فقیر نے عرض کیا سوئم کی رسم ہے اور بعض جگہ ساتویں دن کی۔ فرمایا کہ ساتویں کی رسم قدیم معلوم ہوتی ہے عرض کیا گیا کہ حدیث میں اس کا کہیں تذکرہ آیا ہے فرمایا کہ قیاس سے یہ بات نکلتی ہے۔ کیونکہ بعض جگہ یہ بتلایا گیا ہے کہ سات دن تک ایسا کریں چنانچہ اکثر معاملات میں سات روز کے الفاظ آئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماتم کی حد سات دن ہے۔[1]

---

[1] سات عدد کی خصوصیتیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عمر ابن خطابؓ سے کہا کہ میں نے طاق عددوں میں غور کیا تو ان میں کسی کو سات سے زیادہ لائق نہ پایا تو انھوں نے

ایک دن دکن کے درویشوں کا تذکرہ ہوا فرمایا وہاں ایک درویش تھے جن کا "خراب حال" نام تھا۔ خوب آدمی تھے۔ یہ شہر کے کسی امیرانہ گھرانے کے تھے، اب مجذوب ہو چکے تھے۔ رُوئی کا ایک انگرکھا پہنتے تھے جو بہت پُرانا اور پھٹا ہوا تھا۔ کڑوا تیل جگہ جگہ سے لے کر اپنے لباس اور بدن پر ملتے رہتے۔ اس سے اندازہ کر سکتے ہو کہ ان کے لباس کی کیا حالت ہوتی ہوگی۔ مجھ سے اکثر ملتے رہتے۔ سوز اور جوش میں جنگل کی طرف نکل جاتے اور وہاں پڑے رہتے۔ چار چار دن اسی طرح گزر جاتے ایک جگہ ناچ کی محفل تھی میں بھی وہاں تھا، میاں خراب حال آئے اور بہت دیر تک تماشا دیکھتے رہے ایک دفعہ کہا کہ ہم بھی ناچیں گے لوگوں کو یقین نہ آیا۔ ایک دم یہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور تاش کا ایک ڈوپٹہ اوڑھ کر ناچنے لگے اور رقص کے جتنے اصول تھے سب ان میں پائے جا رہے تھے ان کا لباس اگرچہ میلا کچیلا پھٹا پرانا تھا مگر یہ دوسرے ہی رنگ میں نظر آرہے تھے۔ حاضرین تاب نہ لا سکے یہ خود تو روتے

(بقیہ مضمون ص ۸۲)

سات کے بارے میں کہا کہ آسمان سات ہیں۔ زمینیں سات ہیں، راتیں سات ہیں۔ صفا مروہ کے درمیان دوڑنا سات بار ہے بیت اللہ کا طواف سات بار ہے تفصیل کے لئے ترجمہ کتاب غنیۃ الطالبین (منسوب بہ سید عبدالقادر جیلانی کا صفحہ ۲۵۳ ملاحظہ فرمائیے۔ (درد کاکوروی)

جاتے تھے مگر مرد اور عورت جتنے تھے بیخود دست نظر آرہے تھے بلکہ در و دیوار سے بھی بے خودی ٹپک رہی تھی اسی حالت میں محفل سے باہر آگئے اور یہ شعر پڑھا۔

ہر کہ شد خاک نشیں برگ و برے پیدا کرد
سبز شد دانہ چو با خاک سرے پیدا کرد

(ترجمہ:۔ جو خاک نشین ہوگیا وہی کامیاب رہا + دانہ زمین پر سر جھکانے سے ہرا ہو جاتا ہے) اب انھوں نے جنگل کی راہ لی۔ ہم بھی ان کے ساتھ ہوئے۔ ایک غار میں جاگرے منھ سے کف جاری تھا اور خود بے ہوش پڑے تھے پھر کئی دن کے بعد ان کو ہوش آیا۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کی زیارت کا تذکرہ

ایک دن حضوری حاصل ہوئی فرمایا کہ بے تکلف نشست میں ہم کو بہت آرام ملتا ہے اور جہاں تکلف ہوتا ہے چاہے تکلف والے خاطر تواضع زیادہ ہی کیوں نہ کریں مگر دلچسپی نہیں ہوتی اس لئے میں کسی کے گھر کبھی نہیں رہتا اپنے ہی مکان میں خوشی سے گزارہ دیتا ہوں اور اپنے گھر میں جو اطمینان حاصل ہوتا ہے دوسری جگہ نہیں ہوتا۔ مگر جب حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ میں جاتا ہوں تو مجھ کو بہت آرام ملتا ہے اور جو تکلیف ہوتی ہے دور ہو جاتی ہے۔ اس خادم نے گزرے ہوئے دن کا حال عرض کیا۔ کل دن بھر پانی برستا رہا اور میں سست رفتار

گھوڑے پر سوار تھا میرے پاس دوشالہ وغیرہ کچھ بھی نہ تھا بہت تکلیف اٹھائی۔ ارشاد فرمایا ایک دن میرے بھائیوں سے نظام الملک نے کہا ہرن کا تماشا دیکھنا چاہیئے (ہرن کو شکاریوں نے تیار کیا ہے اور مانوس ہوگیا ہے) جنگل میں تماشا دکھلایا جائے گا۔ میں بھی گیا شام کے قریب بارش کے آثار ظاہر ہوئے۔ سب بھائی شہر کو چلے آئے میں ٹھہر گیا آخر خوب پانی برسا۔ دوست، خدمت گار، سب چلے گئے ایک شکاری چوکی کے فرش پر رہ گیا۔ جب اس کو میرے شہر جانے کا ارادہ معلوم ہوا بہت پریشان ہوا کہ یہاں فرش بہت بچھا ہے اگر یہاں زیادہ آدمی ہوتے تو اس کی حفاظت کرتے، اب میں اکیلا ہوں اگر کوئی اس کو چرالے تو میرے اوپر الزام آئے گا مجھ کو اس پر رحم آیا میں نے کہا اچھا میں بھی رہتا ہوں نہیں جاتا، رات میں دو گھنٹے تک میں گھوڑے پر سوار رہا اس کے بعد گھوڑے سے اتر کر نیچے آگیا اور بارش کی شدت کی وجہ سے بیٹھا رہا۔ صبح کے قریب مطلع صاف ہوا پھر ہم لوگ واپس آئے نواب نظام الملک کو یہ حال معلوم ہوا تو بہت خوش ہوئے۔ کہا یہ ایسی ہی طبیعت کے ہیں جیسی ہونا چاہیئے۔

حضرت صاحب کی مجلس کے (ذکر) کا تذکرہ

ارشاد فرمایا۔ حضرت صاحب کی مجلس کا یہ دستور تھا کہ دو قسم کی مجلس ہوتی تھی۔ ایک ان لوگوں کی مجلس تھی جس میں صاحبِ

نسبت اور (قدیم) ذکر و شغل کرنے والے ہوں۔ دوسری وہ مجلس جو قنات کے باہر ہوتی تھی۔ اس میں جدید ذکر و شغل والے اور ہر قسم کے لوگ ہوتے تھے۔ حضرت صاحب کبھی اس مجلس میں پہنچ جاتے۔ کبھی اس مجلس میں۔ قوالوں کو خدمت کے لئے صرف ایک تنکہ دیا جاتا تھا۔ لیکن ان کو اتنا ملجاتا تھا کہ خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ اگرچہ قوال کوشش کرتے اور اپنا نام داخل فہرست کرادیتے مگر جتنا مقرر تھا اتنا ہی ان کو دیا جاتا تھا۔

ایک روز حضرت صاحب کے دوست شاہ شریف صاحب نے پہلے قوالوں کو سمجھایا جب نہ مانے تو خوب مارا لوگوں نے کہا کہ جانے دیجئے جانے دیجئے۔ مگر ایک قوال نے کہا کہ کوئی بات نہیں ہمارا وقت بھی آرہا ہے تھوڑی دیر کے بعد یہ حالت ہوئی (قوالی میں ایسی کیفیت طاری ہوئی) کہ گھر میں جو کچھ بھی تھا سب قوالوں کو دے دیا۔ یہاں تک کہ چارپائی اور فرش بھی ان کو دے دیا اور گھر میں کچھ نہ رکھا اس کے بعد شاہ شریف صاحب کی بزرگی کا تذکرہ ہوا۔

حضرت شاہ شریف صاحب کی بزرگی کا تذکرہ

ارشاد فرمایا کہ یہ با اوصاف بزرگ تھے شروع شروع میں ہماری جوانانہ وضع سے یہ ناخوش رہتے تھے ہم کو نصیحت کرتے رہتے جب واقف ہو گئے تو ربط بڑھایا۔ ہم سے بھی کچھ حاصل کیا اور اس بات کے قائل ہو گئے۔

ورنہ بہت سے ایسے مرید ہوتے ہیں کہ دوسری جگہ جاکر فائدہ حاصل کرتے ہیں اور اپنے پیر کے کم قائل ہوتے ہیں۔ اور پیرزادوں میں یہ چیز بہت ہے کہ خلوت میں فائدہ حاصل کرتے ہیں اور جب خلوت سے باہر ہوتے ہیں تو اپنے معتقدوں یا اپنے والد کے معتقدوں میں بیٹھ کر ان سے متکبرانہ سلوک کرتے چنانچہ دو ایک آدمیوں کا آپ نے نام بھی لیا جو خلوت میں تو دوستوں کی طرح رہے اور جلوت میں یعنی باہر پیرزادوں کی طرح پیش آنے لگے۔

حضرت صاحب قبلہ کا تذکرہ

مشاہدے کی دولت ملی۔ حضرت صاحب کا ذکر آیا ارشاد فرمایا کہ ایک بار حضرت صاحب بیمار ہوئے تمام اعضا کی حرکت بند ہوگئی۔ پاؤں پھیلانا چاہتے تھے تو پھیلتا نہ تھا سمیٹنا چاہتے تو سمیٹ نہ سکتے تھے زبان سے بھی کچھ کہہ نہ سکتے تھے تین دن کے بعد مجکو خلوت میں بلایا اور فرمایا فلاں قبرستان میں جاؤ اس شکل کی ایک قبر ہے اس کو کھودو اور اندر ہاتھ ڈالو اور جو کچھ ہاتھ آئے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور کچھ ہاتھ نہ آیا۔ آکر عرض کیا فرمایا نیک نیتی سے تلاش کرو میں کمر تک قبر میں اتر گیا۔ ایک چیز ملی حضرت کے سامنے لاکر رکھدی رات میں چراغ منگا کر اس کو دیکھا فرمایا یہی چیز تھی پھر طاق پر رکھدی یہ ایک مورت تھی ماش کے آٹے کی بنی ہوئی اس مورت کے

جسم میں تمام سوئیاں لگی ہوئی تھیں جب اس عورت کے جسم سے سوئیاں نکال لی گئیں تو حضرت صاحب ہر طرح حرکت کرنے لگے اور تمام جسم ٹھیک ہو گیا صبح کو تقریباً ہزار روپئے ایک صاحب کو بھجوائے جو ان کے زمانے کے مشائخوں میں تھے بہت دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ ان ہی نے یہ کام کیا تھا جن کو یہ رقم بھیجی گئی کیونکہ ان کو حضرت (والد) صاحب قبلہ سے حسد تھا کہ ان کے پاس لوگ کیوں آتے ہیں اور کیوں طرح طرح کے تحفے پیش کرتے ہیں۔ حضرت صاحب نے یہ اس لئے کیا کہ وہ اس رقم سے اپنا خرچ چلاتے رہیں گے مطمئن رہیں گے اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ جب حضرت صاحب نے مجکو مرید کیا تو حضرت پر ایک خاص جذبی کیفیت طاری تھی اور آپ نے والدہ کے ذریعہ مجھے طلب کیا کہ فخر الدین کو بلاؤ والدہ نے مجھ کو بلایا میں آیا اور حضرت نے مجھ کو مرید کر لیا۔

اُس شخص کا تذکرہ جس نے بیعت کا سوال کیا

قدم بوسی میسر ہوئی۔ ایک شخص کا تذکرہ ہوا جو پہلے مولانا سے بہت اعتقاد رکھتا تھا اور بے تکلفانہ ملتا تھا اس کے بعد اس نے ملنا کم کر دیا پھر بالکل موقوف کر دیا۔ بلکہ پیٹھ پیچھے اچھے الفاظ میں تذکرہ نہیں کرتا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ یہ پہلے میرے پاس بہت آیا کرتا تھا اور مرید ہونے کی خواہش کرتا تھا۔ بلند خاں نے ایک دن مجھ سے کہا کہ یہ شخص مرید ہونا

چاہتا ہے مرید کر لیجئے یہ عرصہ سے مرید ہونے کے لئے اصرار کر رہا ہے اور مخالفت بھی کرتا ہے میں نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا کیونکہ اس کے مرید کرنے کو میرا دل ہی نہیں چاہتا تھا۔

درویشوں اور آزادوں کا تذکرہ

آزادوں کے ذکر پر آپ نے ارشاد فرمایا۔ وہ درویش جنھوں نے شریعت کے خلاف راستہ اختیار کر لیا ہے اور لفظ آزاد سے مشہور ہیں اس کی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ پیر کی قید سے آزاد ہوتے ہیں حضرت صاحب قبلہ کے دوستوں میں بھی آزاد فقیر تھے۔ چنانچہ آزادوں میں شاہ منقطع نامی ایک فقیر تھے اور یہ حضرت صاحب کے مریدوں میں بہت ہی کمال اور صاحب نسبت فقیر تھے[1]

---

[1] مولانا فخرؒ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی رائے بدل گئی کیونکہ اب ان کے باکمال ہونے اور صاحب نسبت ہونے کا اقرار فرما رہے ہیں۔ شاہ حبیب حیدر قلندر کاکوروی نے آزادوں کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے اس میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے مختصر یہ کہ مداریہ اور قلندریہ خاندان سے ان کا تعلق ہے کتاب انتصاح میں اس کا تذکرہ موجود ہے لفظ آزاد سے نفس عنصری سے آزاد ہونے کی ذکر کی طرف اشارہ ہے ان کے لئے شریعت کی پابندی نہایت ضروری ہوتی ہے مرشد کی دعاؤں سے ایک حد تک ان کو اپنے نفس پر قابو حاصل ہو جاتا ہے مرشد کی طرف سے ہدایت ہوتی ہے کہ خدا نصیب کمال

حضرت بڑے صاحب کے واقعے کا تذکرہ

حضوری کی دولت میسر ہوئی۔ دو تین دن سے حضرت کی طبیعت کو سخت کوفت تھی۔ اس واقعہ کا مولانا صاحب کے بڑے بھائی سے تعلق تھا مولانا فخر صاحب نے کسی سے اس واقعہ کو ظاہر نہیں کیا مگر میں بہت رنجیدہ تھا۔ آخر کار مجکو دکھلایا گیا۔ ایک مرتبہ مجکو اس کا معاوضہ دیدوں گا۔ اس پر بھی مجال نہ ہوئی کہ بوجھ سکتا کہ کیا بات ہے۔ اگرچہ کئی بار یہی فرمایا کہ اس کا معاوضہ مقرر ہو چکا ہے۔ جب زبان پر یہ لفظ آتا چہرہ بشاش ہو جاتا تھا مگر معلوم نہ ہوا کہ کیا بات تھی ؎

میانِ عاشق و معشوق رمزے ست — کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

(بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ ۹۰) دیا ہے اس کو تماشا نہ بنانا اس لیے نہیں بلکہ عطیہ پروردگار کے اظہار کے لئے بھی کبھی عرس وغیرہ کے موقع پر یہ نوک دار لوہے کے گرز اپنے جسم پر مارتے ہیں مگر جسم سے نہ خون نکلتا ہے نہ زخم ہوتا ہے میں نے خود کئی بار یہ منظر دیکھا ہے جس کا دل چاہے شاہ کاظم قلندر اور شاہ تراب علی قلندر کاکوروی کے عرس میں کاکوری جاکر ان کو دیکھ لے۔ لمبا کرتا غرارے دار پاجامہ لمبی ٹوپی  اس شکل کی خود ہی بناتے بُنتے اور پہنتے ہمارے یہاں کے مرشدوں کی ہدایتوں کے مطابق ان کا پابند شریعت رہنا نہایت ضروری ہے۔

(د۔ر۔د کاکوروی)

حضرت صاحب قبلہ کے دوستوں کا تذکرہ

حضرت صاحب قبلہ کے دوستوں کا تذکرہ آیا فرمایا کہ اسد اللہ نامی حضرت صاحب کے ایک دوست تھے۔ بہت اچھے آدمی تھے اگر کوئی اپنے مقصد کے لئے شیر برنج پر ان کا فاتحہ کرے یقیناً کامیاب ہو جائے گا۔ میں نے بارہا اس کو آزمایا ہے اس کے بعد شاہ عبدالرزاق کا تذکرہ ہوا فرمایا کہ حضرت شیخ کلیم اللہ کے دوستوں میں تھے ان کا وطن کشمیر تھا۔ جنگل میں رہتے تھے ایک بلند مکان بنالیا تھا۔ جب زینے کے اوپر پہنچ جاتے تو زینے کو اوپر کھینچ لیتے تھے۔ اس طرح آنے جانے کا راستہ باقی نہ رہتا تھا۔ ایک بار میں ان کی ملاقات کو گیا کسی کو اپنے سامنے آنے نہیں دیتے تھے چنانچہ ایک بار نواب نظام الملک گئے تو اُنھوں نے بالاخانے ہی سے پوچھا کہ آپ کیوں آئے ہیں۔ اُنھوں نے کہا آپ کو دیکھنے کے لئے اُنھوں نے اپنا پاؤں نیچے کی طرف بڑھا دیا اور کہا یہ پاؤں حاضر ہے اس کو دیکھ لو مگر آنے کی اجازت نہ دی جب میں ان کے سامنے گیا تو دیکھا کہ زینے پر ایک سانپ مرا ہوا پڑا ہے۔ میں رُکا اُنھوں نے کہا تم چلے آؤ اور بلند آواز سے کہا اے مردک دور ہو، سانپ اُن کی آواز سے دور چلا گیا، میں اُن کے سامنے گیا فرمایا میں آپ کے لئے چائے تیار کرتا مگر لکڑیاں نہیں ہیں اور معمول یہ تھا کہ خود جنگل سے لکڑیاں لایا کرتے تھے میں نے کہا میں جنگل سے

لکڑیاں لئے آتا ہوں چنانچہ میں گیا اور جنگل سے بہت سی لکڑیاں کاٹ کے کمر پر باندھ کر لے آیا خوش ہوئے اور کہا خوب لائے رات بھر انھیں کی خدمت میں رہا۔

حافظ خیر اللہ سیاح کا تذکرہ

مشاہدے کی دولت میسر ہوئی، حافظ خیر اللہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ حافظ جیو تم حضرت مخدوم علی صابرؒ کے مزار کی زیارت کے لئے جاؤ اور سفر کے کپڑوں کی تیاری کر دو اور سکرتال کی ایک قبر ہے اس کی بھی زیارت کرنا حالانکہ وہاں کے آنے والوں سے ایسی قبر کا مشہور ہونا نہیں سُنا گیا فرمایا چند روز میں اس حافظ پر لوگ رشک کریں گے اسی وجہ سے یہ آزادگی کا اظہار کریں گے۔ یہ واقعہ ہے کہ حق ہماری طرف ہے یہ بیچارے مشغولی ہیں محنت کرتے ہیں اور غافل بھی کم رہتے ہیں جلد ترقی کرنے والے ہیں۔ قدیم دوست بد گمان ہو جائیں گے۔ یہ حافظ خیر اللہ پنجاب کے رہنے والے تھے اس سے پہلے حفظ قرآن میں مشغول تھے چار سال سے مولانا کی خدمت میں آنے لگے ہیں۔ ان کی قلبی حرکت بہت تیز ہے اور دوستوں کو روٹی پکا کر کھلانا ان کا اصول ہے اکثر اوقات یہ ایسا ہی کیا کرتے تھے لیظاہر یہ ایک قسم کی۔ ان کی قسمت ہے لیکن خدا کی یاد کے بغیر ایک منٹ بھی چین نہ آتا تھا۔ اس لئے مولانا کو اچھا معلوم ہوا۔ حضرت علی احمد صابرؒ کی درگاہ پر پہنچنے میں کیا مصلحت تھی یہ معلوم نہ ہو سکا۔ جس کام کے لئے مولانا

نے وہاں جانے کو ان سے کہا تھا کس کی مجال تھی کہ مولانا سے دریافت کرتا اس کے بعد حافظ جیو نے اس فقیر سے کہا کہ مولانا نے اس سے پہلے بھی ایک بار یہی ارشاد فرمایا تھا کہ حافظ جیو ہم کو ایک جگہ بھیجنے والے ہیں۔

حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رح کا تذکرہ

مولانا ایک دن حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رح کی زیارت میں مشغول تھے اس کے بعد حضرت کمال الدین علامہ رح کے مزار کی زیارت کی جو حضرت موصوف کے ہمشیر زادے ہیں کیونکہ ان بزرگ تک حضرت مولانا کا سلسلہ پہنچتا ہے ایک اور ہمشیر زادے کی بھی وہاں قبر ہے ان مزاروں میں سے ایک وہ مزار ہے جو زیادہ زمانہ گزر جانے کی وجہ سے نامعلوم ہو گیا تھا مولانا نے اس کا پتہ چلایا اور اس کو صاف کرایا مگر یہ اب تک معلوم نہ ہوا کہ وہ کون بزرگ کا مزار ہے مگر حضرت مولانا وہاں جا کر ضرور فاتحہ پڑھتے اور پھول چڑھاتے فرماتے کہ یہ مزار خوب ہے اتفاقاً میری طرف دیکھ کر فرمایا سبحان اللہ۔ اس کے بعد ارشاد ہوا جتنا ہو سکے یہاں چراغی کے نام سے کچھ نہ کچھ دے دیا کرو۔ دوسرے مزاروں پر جو نیاز دیتے ہو یہ اس کے علاوہ ہونا چاہیئے اس کو غنیمت جانو مگر یہ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی کہ ایسا کیوں ارشاد فرمایا گیا اور یہ کس کا مزار ہے خود ہی صرف اتنا فرمایا کہ فائدے سے خالی نہیں۔

محبوبیت کا تذکرہ

قدمبوسی کی دولت میسر ہوئی حضرت خواجہ بزرگ کی وفات کا ذکر آیا، ارشاد فرمایا یہ جو لوگوں کا خیال ہے کہ محبوبیت کا مرتبہ محبوب الٰہی کے لئے مخصوص ہے اور یہ درجہ پہلے کے خواجگان کو میسر نہیں ہوا۔ اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ محمدی نسبت کا ظہور سب جگہ ہے۔ چنانچہ خواجہ بزرگ (اجمیری) کی جب وفات ہوئی تو تجہیز و تکفین کے وقت لوگوں نے دیکھا کہ پیشانی پر سبز خط میں لکھا ہوا تھا۔ مات حبیب اللّٰہ فی حب اللّٰہ (اللہ کی محبت میں اللہ کے حبیب نے جان دیدی) لفظ حبیب مشبہ صفت ہے۔ فاعل اور مفعول دونوں معنوں میں آتا ہے پس محبوبیت ثابت ہو گئی ہے۔

ایک خونی کا تذکرہ

حضوری کی دولت میسر ہوئی دکن کے دوستوں کا تذکرہ آیا ارشاد فرمایا ہم ایک دن خرابات میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں ایک مجذوب فقیر رہا کرتے تھے۔ میں اُن کو دیکھنے جایا کرتا تھا۔ اتفاق سے ایک آدمی جس کے ہاتھ سے کہیں خون ہو گیا تھا بھاگا ہوا آیا اور اس نے امان چاہی، مگر مطلب یہ تھا کہ کوئی ایسا زبردست شخص مجھے پناہ دے کہ دعوے داروں کے آنے پر بھی میری جان بچ جائے۔

اُن مجذوب صاحب نے میری طرف اشارہ کیا، یہ اچھی استعداد کا آدمی ہے اگر تم اس کی حفاظت کرو تو بہتر ہے۔ میں اُس کو اپنے گھر لے آیا اور ایک حجرے میں جہاں گھوڑے کے کھانے کی گھاس بھری ہوئی تھی وہاں میں نے اس کو چھپا دیا ایک دن میں نے اُس سے کہا کہ آخر تم ایک کونے میں بیٹھے ہوتے ہو۔ کیا میں تم سے کچھ کہوں۔ پھر میں نے اُس کو خدا کا نام بتایا۔ چالیس دن نہیں گزرے تھے کہ نعرے کی آواز آنے لگی جس سے لوگوں پر بیہوشی کا اثر شروع ہو گیا معلوم ہوا کہ ایک بندۂ خدا کی آواز ہے۔ جب وہ نعرہ مارتا آس پاس کے لوگوں کے حواس جاتے رہتے اس کو مضبوط طور پر پکڑ لیا جاتا ہے۔ پھر جیسے ہی وہ نعرہ لگاتا ہے، آدمی سہم کر خوف سے گر جاتے ہیں اور تمام کوچہ و بازار میں سجدہ کرتا پھرتا ہے یہاں تک کہ سجدہ کرتے کرتے پیشانی پر گوشت تک باقی نہیں رہا سفید ہڈیاں نکل آئیں ایسی حالت میں آوارہ ہو گیا۔

ایک دفعہ میں شاہ جہاں آباد میں تھا اور جس مکان میں رہتا تھا وہاں وہ آیا اور اس نے دروازے کو بوسہ دیا اور چلا گیا اس کے بعد سے اس کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔ اسی حالت میں خون کے دعویدار اس کی تلاش میں آئے۔ جیسے ہی ان کو دیکھا سجدہ کرنے کے لئے دوڑا اور نعرہ لگایا یہ لوگ بھی بے ہوش ہو گئے یہ ان کے پیچھے پیچھے پھرا اور سجدہ کرتا وہ لوگ حیران تھے کہ کہاں سے یہ بلا لگ گئی، آخر دعویداروں نے اس کو چھوڑ دیا اور چھوڑ کر چلے گئے۔

حضرت گنج شکر قدس سرہٗ کی زیارت کا تذکرہ

ایک دن حضرت مولانا صاحب حضرت گنج شکر کی درگاہ میں تھے اس فقیر نے لشکر سے آکر عرض کی کہ آپ کی جدائی سے اور دنیاوی کاموں کے سبب باطنی شغل نہ ہونے سے تنگ آگیا ہوں اکثر دل چاہتا ہے کہ اجمیر کی طرف یا کہیں اور چلا جاؤں ارشاد فرمایا نورالدین حسینی جب تم دل تنگ ہوا کرو، صرف میرے دیکھنے کا ارادہ کر لیا کرو بس اور کچھ نہیں اس کے بعد فرمایا کہ حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک بار حج کا ارادہ کیا۔ جب حضرت گنج شکر کی زیارت کی مطلب حاصل ہو گیا [۱]

پھر حج کا ارادہ ہوا، پھر حضرت فرید گنج شکر کی زیارت ہوئی اور مقصود حاصل ہو گیا فقیر اس واقعے سے بہت متاثر ہوا۔ مولانا کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا آخر مولانا کے زانوے مبارک پر روتے ہوئے میں نے سر رکھ دیا جس سے مجھے بہت ہی سکون ملا۔

حضرت مولانا کی سرگزشت کا تذکرہ

دولت مشاہدہ میسر ہوئی مہربانی سے اپنے ساتھ کھانا کھلایا

---

[۱] یعنی حضرت گنج شکر کے فیض سے مجھ پر ایسا کشف ہوا کہ وہیں بیٹھے اللہ کے گھر کو دیکھ لیا گویا میں نے حضرت گنج شکر کی زیارت نہیں بلکہ بیت اللہ کا حج کیا اور اس کا ثواب پایا (فقیر محمد نظام الدین کیرانوی)

اور بھی دو صاحب تھے اتنے میں دکن سے اس طرف آنے کا تذکرہ ہوا۔ فرمایا ہم ایک مکان میں اترے وہاں ہندوؤں کا ایک بت خانہ تھا۔ تعصب کی وجہ سے لوگ مسلمانوں کو بت خانے میں جانے نہیں دیتے تھے ایک دفعہ میں گیا مجھ پر بھی انھوں نے غلبہ کیا میں نے اپنے آپ کو (اس بت کے قریب) پہنچا دیا یہ حال دیکھ کر وہ لوگ مجھ سے الگ ہو گئے اور مجھ میری حالت پر چھوڑ دیا اس شہر میں کئی دن رہنے کا اتفاق ہوا۔ ایک دن ایک ہندو بڑھیا تلاش کرتی ہوئی آئی کہ اس شکل وصورت کا یہاں کوئی مسافر آیا ہے مجھ سے خواب میں بھوانی نے کہا ہے کہ اس کے پاس جاؤ۔ تو دونوں آنکھوں سے نابینا ہے تیری دونوں آنکھیں روشن ہو جائیں گی میں نے ہر چند منع کیا مگر وہ کب مانتی تھی وہاں وہ بھی دو تین دن ٹھیری خدا کے پاس سب کچھ ہے آخر اللہ کی عنایت سے اس کی دونوں آنکھیں روشن ہو گئیں حالانکہ اس میں مجھ کو کیا دخل ہے انصاف کرو یہاں تک نوبت پہنچی کہ فقیر پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی اور چلا چلا کر نعرے مارنے لگا عرصے تک مجھ میں اس کی لذت اور چاشنی رہی۔

میر بدیع الدین کا تذکرہ

ایک دن حضوری میسر ہوئی۔ مولانا صبح کی نماز کے لئے وضو کر رہے تھے میر بدیع الدین نے عرض کیا، حکیم میر محمد افضل جو شاہی

لشکر میں ہیں۔ حضرت امیر خسرو کے عرس میں شریک نہ ہونے کی ان کو بڑی کوفت ہے فرمایا ٹھیک ہے پھر میر صاحب نے عرض کیا ان کو پچاس روپے ملے تھے، سب خرچ کردیئے اس کے بیان کرنے سے یہ مطلب تھا کہ یہ ایسے فضول خرچ ہیں مولانا نے فرمایا بہت اچھا ہوا کہ اُنھوں نے مستحق لوگوں کو یہ روپے دیدئے خدا ان کو اور عنایت فرمائے گا۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

کسی ہندو کا معتقد ہونا

قدمبوسی کی دولت میسر ہوئی۔ ایک ہندو کا تذکرہ آیا کہ وہ ہمارے طریقے میں داخل ہوگیا ہے اور پوشیدہ طور پر نماز پڑھتا ہے ہمارے معتقدوں میں ہے پھر فرمایا وہ پریشان تھا خدا کا شکر ہے کہ اس کو نوکری بھی مل گئی۔ حالانکہ لوگوں نے اس سے کہا تھا کہ مسلمانوں کے پاس اُٹھتے بیٹھتے ہو اور ان پر اعتقاد رکھتے ہو دیکھ لینا تم محتاج ہو جاؤ گے مگر اللہ نے اس کو روزی سے لگا دیا۔ میں خوش ہو گیا۔

ایک ہندو کا ذکر جو حضرت مولانا کا مرید ہو گیا تھا

حضوری کی دولت میسر ہوئی۔ حضرت کے معتقدوں میں سے ایک ہندو شجرہ لے کر آیا کہ اس پر معمول کے موافق دستخط ہو جائیں مولانا نے دستخط کر دیئے۔ فرمایا میں حیران تھا کہ شجرے میں اس کا کیا نام لکھوں

آخر کار یہ لکھ دیا کہ مصدق الدین کی عاقبت بخیر ہو۔

مولانا سے ایک ہندو کی مصاحبت اور اس پر پیرزادوں کا رشک

مشاہدے کی نعمت میسر ہوئی فرمایا ایک دن فلاں ہندو میرے پاس آیا میں نے دروازہ بند کر دیا اور ایک پیرزادے صاحب کا نام لے کر کہا کہ وہ آئے باہر بیٹھے رہے ان کو ناگوار ہوا کہ اندر ہندو تو بیٹھا ہوا ہے اور میں پیرزادہ ہو کر باہر بیٹھا ہوا ہوں یہ کیا طریقہ ہے۔ ہم نے کچھ نہیں کہا۔ حالانکہ اس میں کھلا ہوا فائدہ تھا کہ وہ ہندو ہمارے ساتھ جماعت سے نماز پڑھ رہا تھا اس لئے خلوت تھی اور لوگ بدگمانی میں تھے۔ اس کے بعد یہ ذکر ہوا کہ اگر کسی ہندو کو کسی شغل کا شوق ہو تو اس کو ایمان والا سمجھنا چاہئے یا نہیں۔ فرمایا ہم تو یہ جانتے ہیں کہ خدا کا نام بتانے میں کوتاہی نہ کرنا چاہئے اس کی کیا ضرورت ہے کہ پہلے وہ مسلمان کیا جائے پھر کوئی شغل بتایا جائے۔ اجی خدا کے نام میں بہت بڑا اثر ہے وہ خود اپنی طرف کھینچ لے گا۔ پھر اس نیک کام میں دیر کی ضرورت ہی نہیں۔

مولانا کے ایک دوست اور اُن کا انتقال

جمعرات کا دن تھا حضرت مولانا حضرت شیخ کلیم اللہ قدس سرہ کی

خانقاہ میں تشریف لے گئے۔ اکثر جمعہ یا منگل کو وہاں جایا کرتے تھے یہ
بھی ہوتا تھا کہ جس دوست کا مکان درگاہ سے قریب ہوتا اور اس کے
یہاں کوئی تقریب ہوتی تو پہلے درگاہ شریف جاتے اور وہاں بیٹھے رہتے
پھر مقررہ وقت پر وہاں چلے جاتے۔

یہ فقیر بھی خانقاہ پہنچا دیکھا کہ مولانا وہاں آرام فرما رہے ہیں
اور میر شفیع الدین چپی کر رہے ہیں اس لئے خاموش بیٹھ گیا تھوڑی
دیر کے بعد آپ بیدار ہوئے اور ان دوست کے متعلق دریافت کیا
جن کا اس روز انتقال ہو گیا تھا اور ان کے دفن کی تیاری تھی۔ پوچھا
وہاں کتنی دیر ہے کسی نے کہا ابھی بہت دیر ہے اور مرنے والے
نے دو وصیتیں کی ہیں ایک تو یہ کہ جب مولانا تشریف لے آئیں تب
میرا جنازہ اٹھائیں۔ دوسرے یہ کہ ایسی جگہ دفن کریں جدھر سے حضرت
قبلہ کا گزر ہوتا رہتا ہو فرمایا حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ کے قریب
اگر دفن کریں تو بہتر ہے اتنے میں فقیر نے عرض کیا کہ سرخ بنگلہ جو حضرت
کے آتے جاتے راستے میں پڑتا ہے وہ غیاث پور میں داخل ہے یا نہیں
فرمایا یہ داخل نہیں ہے بلکہ باولی کے دروازے کی بابت کہا جاتا ہے
کہ اس کا ایک زینہ اس میں داخل ہے باقی داخل نہیں ہے یعنی غیاث پور
کے حدود کا تھوڑا سا حصہ اس میں آجاتا ہے اس کے بعد فرمایا،
شخص اپنے باپ کا اکلوتا تھا۔ اس کی ماں پر بڑا قلق آتا ہے (زندگی میں
ایک دن ان کی عیادت کے لئے جانے کا اتفاق ہوا مگر یہ اُس وقت

موجود نہ تھے۔ ان کی ماں کو بہت ملال ہوا تھا اس واقعے سے گویا ان کی
کمر ٹوٹ گئی کیا کیا جائے۔ اس کے بعد خبر آئی کہ جنازہ تیار ہے۔ جامع
مسجد تشریف لے گئے۔ میر شفیع الدین اور میں دونوں ہمرکاب تھے
راستے میں ملاقاتی غیر ملاقاتی سبھی ملتے اس لئے مولانا کا قاعدہ تھا کہ
اجنبی صاحب سے قریب ہو کر بات چیت کرتے رہتے اور اگر صرف
احباب ساتھ ہوتے تو ان میں سے جن صاحب کو کچھ تکلف ہوتا
انھیں کو قریب لے لیتے اور ان کی خاطرداری مقدم سمجھتے۔

جیسے ہی مسجد میں داخل ہوئے پوچھا کسی کے پاس پیسے
ہیں ایک دوست کے پاس تھے۔ میر شفیع الدین نے لے کر دئے
مولانا نے لے کر آثار شریف کی زیارت کے لئے داخل ہوئے۔ اور
مولانا کا یہ قاعدہ تھا کہ مزارات کی نذر کو اپنے ہاتھ سے آستانے
پر رکھ دیتے چاہے خادم موجود ہو یا نہ ہو۔ زیارت کے بعد
جہاں آثار شریف ہیں وہاں اندر آئے اور مینارہ مسجد کے نیچے
دو رکعتیں پڑھیں اتنے میں ایک دوسرا جنازہ بھی آگیا اور
جنازے کی نماز کا ذکر ہوا۔ پوچھا تم کو جنازے کی نماز یاد
ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں۔ ارشاد فرمایا اہل حدیث کے نزدیک
اس میں بہت تقید ہے بلکہ انھوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ
ہر شخص کو چاہیے کہ مغرب کی نماز کے بعد جنازے کی نماز
پڑھ لیا کرے۔ اور اس نیت سے پڑھا کرے کہ آنحضرت (صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم) کی اُمت میں کیا مرد کیا عورت جو کوئی بھی فوت ہوا ہو اُس کو اس کا ثواب پہنچے۔ لہ

اور اس پڑھنے والے کو بھی ثواب ہوگا اسی لئے آں حضرت ﷺ غائبانہ طور پر جنازے کی نماز بہت پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ نجاشی (بادشاہ) کے انتقال کی خبر آئی تو آنحضرت امام ہوئے صحابہ صف باندھ کر کھڑے ہوگئے۔ اور جنازے کی تکبیریں کہی گئیں۔ اس حدیث کا بیان قابل تعجب نہیں یہ بھی حدیث شریف میں ہے کہ ادھر تکبیر ہوئی اُدھر اللہ بخش دیتا ہے۔ پھر مولانا نے جاکر نماز پڑھائی پہلے ہمارا خیال نہ تھا کہ مدفن تک جائیں گے۔ مگر مولانا نے فرمایا کہ اس سے مجھے خاص ربط تھا۔ اس لئے چلنا چاہیئے۔ چنانچہ مدفن تک گئے۔ اور مجکو رخصت

لہ ترکیب یہ ہے:۔ نماز جنازے کی نیت کرے اور دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھا کر ۱؎ پہلی دفعہ اللہ اکبر کہہ کے ہاتھوں کو (عام نماز کی طرح) ناف کے نیچے باندھے اور سبحانک پڑھے بغیر ہاتھ اُٹھائے۔ ۲؎ دوسری دفعہ اللہ اکبر کہے اس کے بعد درود شریف پڑھے (جو نمازوں میں پڑھا جاتا ہے) ۳؎ تیسری دفعہ بھی بغیر ہاتھ اُٹھائے اللہ اکبر کہے۔ اس کے بعد میت والی دعا پڑھے۔ مرد ہو تو مرد کی، عورت ہو تو عورت کی، بچہ ہو تو بچے والی دعا پڑھے۔ ۴؎ چوتھی دفعہ بھی بغیر ہاتھ اُٹھائے اللہ اکبر کہے۔ اس کے بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر دائیں بائیں سلام پھیرے۔ (فقہ کا اردو)

کرنے لگے۔ فقیر نے عرض کیا جنازے کے ساتھ چلنا ثواب ہے اس پر فرمایا۔ حدیث شریف میں یہ ہے کہ نماز پڑھنے کا تو ثواب ہی مگر جنازے کے ساتھ جانے میں دُگنا ثواب ہے۔

مولوی علاء الدین برادر کا تذکرہ

صبح کے وقت درس ہوا کرتا تھا۔ سید صاحب کتاب صحیح مسلم پڑھا کرتے تھے۔ اتنے میں بھائی مولوی علاء الدین آکر بیٹھے۔ جن کے بھائی کا نام امین الدین ہے۔ گنگا جمنا کے درمیان سیانہ نام ایک قصبہ ہے یہ وہیں کے رہنے والے اور شریف لوگوں میں ہیں۔ پورب کے قصبات میں اُنھوں نے معقول و منقول کا علم حاصل کیا اس کے بعد مولانا کو دیکھنے شاہ جہاں آباد آئے پہلے ہی بار کے ملنے میں مولا کی محبت ان کے دل میں جم گئی۔ خانقاہ کے باہر بیگم کے مقبرے کا جو دالان ہے وہ ان کو رہنے کے لئے دیا گیا۔ دوسری رات ان میں سخت شورش پیدا ہو گئی۔ حضرت مولانا نے صوفی سے فرمایا جاؤ اور ان کی دیکھ بھال کرو اور چونکہ تم پورب والے ہو۔ اس لئے مولوی کی مہمان نوازی تمھارے ذمے ہے چند روز اسی طرح گزرے پھر مولوی علاء الدین مرید ہو گئے۔ اس زمانے میں حضرت صاحب قبلہ کا عرس پڑا عرس کے دن مولوی موصوف پر عجب حالت طاری ہوئی اُس دِن کیا چھوٹا کیا بڑا کیا شاغل کیا غافل، کیا مسلمان کیا ہندو، جو

مجلس میں آیا نعرے مارتا تھا۔ مولوی صاحب پر ایسی کیفیت طاری تھی کہ انھوں نے اپنا سب لباس قوالوں کو دے دیا۔ اس کے بعد مشغولی ان پر غالب آگئی (یعنی ذکر کرنے لگے) یہ خدا کی یاد محنت سے کیا کرتے تھے حضرت مولانا ان کی طرف پورے متوجہ تھے۔ اس کے بعد یہ اپنے گھر چلے گئے پھر شادی کی۔ مولانا کے ارشاد کے موافق سنبھل میں رہتے ہیں۔ جب وہاں پہنچے ایک بڑا درخت دیکھ کر بیٹھ گئے۔ حالانکہ وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ خواجگان کی عنایت اور اللہ کے فضل سے بہت لوگ استفادے کے لئے آنے لگے۔ کوئی سبق پڑھتا، کوئی شغل کا طریقہ دریافت کرتا۔ عقلمند لوگ بھی آتے جاتے تھے۔ یہ متوکل آدمی تھے کچھ دن بعد انھوں نے متعلقین کو بھی وہیں بلا لیا۔ حضرت مولانا نے ان کے بھائی میاں امین الدین سے کہہ دیا کہ مولوی صاحب کی جیسی مرضی ہو اسی کے موافق عمل کرنا چاہیئے اس کی تاکید کردی۔

ایک دوسرا تذکرہ (ارادہ اور مشیت)

ایک دن ارشاد فرمایا کہ ارادہ اور مشیت دونوں میں یہ فرق ہے کہ مشیت کا لفظ ایجاد معدوم و انعدام موجود دونوں کے لئے آتا ہے اور ارادے کا لفظ صرف ایجاد اور معدوم کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جاننے والے اس کے برعکس استعمال نہیں کرتے۔

مولوی معین الدین کا تذکرہ

حضوری کی دولت میسر ہوئی۔ مولوی معین الدین آپ کے قدیم دوستوں میں ہیں یہ صحیح النسب سید ہیں۔ ان کے والد غازی الدین خاں مرحوم کے مدرسہ کے مدرس تھے۔ یہ بھی بزرگ اور فاضل ہیں عربیہ درسی علوم اور زیادہ تر مسئلہ توحید کا ذوق رکھتے ہیں۔ اسی کا درس بھی دیتے ہیں۔ وارستہ مزاج ہیں خلیق ہیں سادگی سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ ورثے کے املاک کی بابت ایک شخص سے ان کا جھگڑا پیش آیا، مولانا نے فرمایا جہاں تک ہو اس سے درگزر کرنا بہتر ہے۔ دونوں طرف کے اقرار و انکار میں سخت مشکل پیش آتی ہے تمہاری تکلیف سے ہم کو بھی تکلیف ہو گی۔ خدا پر بھروسہ رکھو چاہیے تمہارا حق بھی ہو اس سے دست بردار ہو جاؤ۔ اس پر مولانا نے ایک قصہ بھی بیان فرمایا کہ کسی درویش کو بادشاہ نے ملاقات کی تکلیف دینا چاہی درویش نے قبول نہ کی، بادشاہ کے مصاحبوں میں سے ایک نے کہا کہ میں ایک تدبیر بتاتا ہوں کہ وہ خود بخود چلے آئیں گے۔ صبح کو ان درویش صاحب کے پاس کہلا بھیجا کہ قاضی صاحب نے تم کو بلایا ہے، درویش نے پوچھا کیوں؟ کہا جس مکان میں تم رہتے ہو یہ دوسرے کا ہے۔ اس نے دعویٰ کیا ہے کہ مکان خالی کر دو۔ کچہری میں حاضر ہو درویش صاحب نے مکان کا قبالہ

(وثیقہ) سامنے لاکر رکھ دیا اور اپنے گھر کے لوگوں کا ہاتھ پکڑا اور روانہ ہوگیا، غرض مکان چھوڑ دیا اور کہا، الحمد للہ خیریت سے بلا ٹل گئی۔

معمور خاں کے بیٹے کا تذکرہ۔ جو دکن کے مشہور عمائدین میں تھا

اس درمیان میں تصویر کا ذکر آیا۔ ارشاد فرمایا کہ معمور خاں جو دکن کے مشہور رئیسوں میں تھے۔ اور ہمارے حضرت (والد) صاحب قبلہ کے مرید تھے ان کو تصویر کشی میں خاص مہارت تھی۔ حضرت قبلہ سے بے تکلف دوستوں کی طرح بہت ربط تھا۔ چنانچہ تین چار جز میں انھوں نے حضرت صاحب قبلہ کے ملفوظ بھی لکھے ہیں اور اکثر جگہ اس میں مناسب موقع سے حضرت صاحب کی تصویر بھی دکھلائی ہے۔ خواجہ کامگار خاں ہمیشہ رشک کیا کرتے تھے کہ میں نے کتاب کی صورت میں حضرت صاحب کے ملفوظ مرتب کئے ہیں۔ مگر کاش یہ دو ہی جز میرے نصیب میں ہوتے اور تمام ملفوظ ان کے حصہ میں۔ یہ واقعہ بالکل حضرت امیر خسرو اور میر حسن دہلوی کی طرح ہوا کہ میر حسن کی کتاب (فوائد الفواد) کی نسبت حضرت امیر خسرو کہا کرتے تھے کہ کاش میری تمام تصانیف میر حسن کی ہوتیں اور یہ ملفوظ میرا ہوتا تو مجھے بڑی مسرت ہوتی۔

اس شہر مقدس کے سفر اور زیارت کا تذکرہ جو حضرت مولانا کو پسند خاطر تھا

حضرت شیخ کلیم اللہ کی درگاہ شریف میں قدمبوسی میسر ہوئی اس وقت حضرت کا مزاج کسی قدر مکدر تھا اور یہ دنیا والوں کے اجتماع اور فتووں کی وجہ سے رونما ہوتا تھا۔ ارشاد فرماتے۔ دل چاہتا ہے کہ سفر کروں اور اس کا اٹل ارادہ رکھتا ہوں کیونکہ میرا دل بہت پریشان ہوگیا ہے۔ بلکہ خیال ہے کہ شہر مقدس کو چلا جاؤں کہ وہاں تم لوگوں میں سے کوئی بھی نہ ہو اور اسی وجہ سے میں دکن سے چلا آیا ہوں اور میں نے بال بچوں کو بھی چھوڑ دیا۔ یہاں مریدوں کی وجہ سے پھر اسی تشویش میں مبتلا ہوگیا ہوں۔

ایک روز کسی راستے سے جا رہے تھے اُس زمانے میں یہ فقیر بھی شغل باطنی رکھتا تھا اور بعض اوقات مولانا کے انوار اور برکتیں دل کو منور کرتی رہتی تھیں۔ اور کبھی وحدت الوجود کا مسئلہ بھی کیا کتاب اور کیا بلاکتاب جو کچھ حاضرین کی سمجھ کے موافق ہوتا ارشاد فرماتے اس طرح میرے عقیدے کا استقلال منظور تھا۔ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی اس مرتبے کو پہنچ جائے کہ تمام کائنات پر متصرف ہو جائے اور دنیا کو مٹانے اور پھر وجود میں لانے پر قدرت رکھتا ہو ایسا شخص اگر توحید کو برملا کہے تو کوئی مضائقہ نہیں ورنہ وہ اپنے دعوے میں

جھوٹا ہے اور یہ بات فقیر کو بھی حاصل ہو گئی ہے۔ غیر ممکن نہ سمجھنا چاہیئے۔

نیا رسالہ خوب اور طرز مرغوب ہیں

آج ربیع الثانی کی پہلی ہے دولت مشاہدہ میسر ہوئی فرمایا۔ دل چاہتا ہے کہ ایک رسالہ لکھوں سید صاحب سے کہا کہ تم اس میں مدد دو — روشنائی اور قلم بنا کر میرے پاس رکھ دو تو تمہارا بڑا احسان ہوگا۔ اور یہ چیزیں نہ ہوں تو سخت مشکل ہوتی ہے۔ اس فقیر نے عرض کیا کہ کس فن میں رسالہ لکھنے کا خیال مرکوز خاطر مبارک ہے۔ فرمایا اس امر میں کہ وحدت وجود کسے کہتے ہیں۔ مگر لوگ مجکو بدنام کر دیں گے۔ میں نے عرض کیا۔ تو ایسا رسالہ تو اپنے طرز میں بالکل نیا ہوگا۔ فرمایا ہاں شیخ اکبر (حضرت محی الدین ابن عربی) کے مطالب کو لوگ بالکل نہیں سمجھے تبھی لوگوں نے اپنے خیال سے توحید کو۔ کچھ کا کچھ[له] سمجھ رکھا ہے۔ شیخ اکبر کا مقصد اور ہے۔ اس لئے ان کو ایسا رسالہ ایک عجیب چیز معلوم ہوگی۔ حیران ہو جائیں گے اور کہیں گے

له واقعی لوگوں نے توحید کو۔ کچھ کا کچھ سمجھ رکھا ہے۔ چنانچہ رسالہ فاران فروری ۱۹۶۱ء کے صفحہ (۴۰) میں "مسئلہ وحدت الوجود کی تحقیق" اس عنوان سے۔ مولوی صفوۃ الرحمن کی کتاب پر تبصرہ ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ " وحدت الوجود

کہ بزرگوں کے اعتقاد کے خلاف ہے۔

اور اس سے پہلے کئی مجلسوں میں مولانا نے اسی کے متعلق کچھ بیان بھی فرمایا تھا کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی عبارت کو لوگ بہت کم سمجھتے ہیں اسی لئے ان کا عقیدہ خراب ہوگیا ہے اور شیخ اکبر کی عبارت سے صاف مطلب نکالنا بھی مشکل ہے جب تک پوری کتاب نہ دیکھی جائے مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا۔ مثلاً ایک جگہ شیخ اکبر نے ایک چیز کو بیان کیا۔ اس کے ۳-۴ ورق کے بعد پھر اصل مقصد کی طرف

(بقیہ فٹ نوٹ سلسلہ صـ۱۰۸)

کا نظریہ قرآن کے مطابق نہیں ہے۔ عینیت اور غیریت کی بحثیں یونانیوں اور روم کے فلسفیوں اور بھارت کے گیانیوں کی پیدا کی ہوئی ہیں اسلام نے اس قسم کی بحثوں اور عقلی موشگافیوں میں اُلجھنے کو پسند نہیں کیا۔ شیخ محی الدین ابن عربی صاحب فصوص الحکم بہت ذہین عالم تھے مگر ان کی ذہانت نے ذہن و فکر کے لئے بڑے الجھاؤ پیدا کر دیے"

جواب یہ ہے کہ آپ ہی عقلی موشگافی کر رہے ہیں۔ عینیت اور غیریت کو آپ یونانی اور روم کے فلسفیوں اور بھارت کے گیانیوں کے اثرات سمجھتے ہیں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے آپ کو بہکا دیا ہے تبھی توحید وجودی کو قرآن شریف کے خلاف سمجھ رہے ہیں۔ ہمیں یونانیوں، روم کے فلسفیوں، بھارت کے گیانیوں سے کیا مطلب قرآن شریف میں کیا چیز موجود نہیں ہے؟ تحریر

متوجہ ہوتے ہیں۔ شیخ اکبر کا طرزِ بیان ایسا ہی ہے۔

حالتِ رقت و سماع کا تذکرہ

ایک روز خانقاہ کے دالان میں مولانا تشریف فرما تھے حضوری میسر ہوئی گانے میں جو رقت (گریہ اور کیفیت) ہوتی ہے اُس کا تذکرہ

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صـ۱۰۰ و صـ۱۰۹ کا)

لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ سے کیا عینیت کی طرف اشارہ نہیں ہے ؟ لا الٰہ غیرک سے کیا غیریت کا پتہ نہیں چل رہا ہے ؟ در اصل وحدت الوجود کا نظریہ بالکل قرآن شریف کے مطابق ہے۔ ھو الاول ھو الآخر ھو الظاھر ھو الباطن، ید اللہ فوق ایدیھم، فی انفسکم افلا تبصرون، ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ کیا ان آیتوں سے توحید وجودی ثابت نہیں ہے۔ توحید وجودی سے خدا کا ایک ہونا مراد ہے اس وجہ سے یہ شریعت کے خلاف نہیں۔ قرآن شریف کا آں حضرت کی زبان سے ہم تک پہنچنا کیا توحید وجودی نہیں ؟ جو کوئی یہ سمجھے کہ قرآن خدا کا کلام نہیں وہ کافر ہے۔ آں حضرت پر وحی آتے وقت ایک خاص کیفیت طاری ہوتی تھی۔ یہ توحید وجدی کی تجلی ہوتی تھی۔ قرآن کی آیتیں پہلے لکھ چکا ہوں۔ قرآن شریف کی آیت — ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ ط۔ اس کے ترجمے پر غور فرمائیے۔ اے نبی آپ نے جب خاک اٹھا کر پھینکی تو آپ نے

ہوا حضرت مولانا نے فرمایا، صوفی کی حالت بالکل شراب کے نشے کی سی ہوتی ہے۔ اگر ابتدا میں سکوت کی حالت میں تھا تو آخر تک سکوت رہتا ہے اور اگر شروع میں زبان سے کچھ نکل گیا تو پھر شور اور فریاد زیادہ ہو جاتی ہے۔ حال والا اپنے ہوش میں نہیں رہتا۔ اگر کسی نے اس حالت کو خوب ضبط کر لیا تو اپنے حال میں ٹھیک رہتا ہے (اور اسی کا حکم ہے) اور اگر شروع سے کچھ کہنے کی ابتدا ہو گئی تو آخر تک کچھ

بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صـ ۱۰۸ و صـ ۱۰۹ و صـ ۱۱۰ کا)

نہیں، اللہ نے خاک اٹھا کر پھینکی تھی۔ اس جگہ نبی کے فعل کو خدا اپنا فعل فرما رہا ہے۔ **کیا یہ توحید وجودی نہیں ہے؟** اسی طرح بیعت رضوان والا واقعہ ہے۔ کہ صحابہ کے ہاتھ پر رسول اللہ کا ہاتھ ہے مگر اس کے متعلق خدا فرما رہا ہے۔ **ید اللہ فوق ایدیھم**۔ ان کے (یعنی صحابہ کے) ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ کیا یہ توحید وجودی نہیں ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نبی خدا ہو گئے۔ نبی۔ نبی ہیں۔ خدا۔ خدا ہے۔ چنانچہ تصوف کے امام **محی الدین ابن عربی** فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں۔ **الاشیاء فی ظہورہٖ لافی ذواتھا بل ھُوَ ھُوَ** ۔ یعنی (صرف) ظہور کے لحاظ سے حق اشیاء کا عین ہے ذات کے اعتبار سے نہیں۔ انھیں محی الدین ابن عربی کا شعر ہے ؎

العبدُ عبدٌ وان ترقّیٰ + الربُّ ربٌّ وان تنزّلَ۔ بندہ بندہ ہی ہے۔
لاکھ ترقی کر جائے + رب رب ہی ہے لاکھ تنزل میں ہو۔ (درد کاکوروی)

نہ کچھ کہتا ہی رہتا ہے، یہاں تک کہ عقل جاتی رہتی ہے اور بے اختیاری میں زبان پر جو کچھ آگیا تو نامعلوم طریقے پر۔ یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ وہ اپنے قابو سے باہر ہو جاتا ہے مگر اس میں دوسروں کا وقت ضائع ہوتا ہے اور یہ لازمی بات ہے کہ اس کیفیت میں دل کچھ لینا چاہتا ہے مگر یہ کہ حتی الامکان اس مرتبے کا خیال رکھے اس حالت میں اعتقاد جو کچھ دل پر وارد ہوتا ہے وہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے مگر سننے والوں کو اتنی سمجھ کہاں کہ یہ کس مقام سے کہہ رہا ہے اور جو کہنا چاہتا ہے پورے طور پر زبان سے ادا نہیں کر سکتا اور کبھی علم کے بھیدوں میں سے کچھ کہہ گزرتا ہے۔ جو کچھ ارشاد فرمایا گیا حاضرین کی تربیت اور خصوصاً محمد غوث سلمہٗ کے لئے تھا۔ کیونکہ گانا سنتے وقت ان کو بہت شورش ہوتی ہے اکثر وحدت کے مسئلے کو صاف صاف کثرت میں بیان کر دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ تمام تر ہمہ اوست کا استفادہ ہوتا ہے مگر بے ہوشی میں ان سے راز فاش ہو ہی جاتا ہے۔

عرس کی محفلوں میں مختلف قسم اور مختلف مزاج کے لوگ ہوتے ہیں۔ ناواقف بھی — واقف بھی — عالم بھی، جاہل بھی امیر بھی، فقیر بھی، دنیادار بھی، صوفی بھی۔ شرع والے بھی بے شرع بھی۔

مولانا کے جتنے دوست ہیں سب جمع ہوتے ہیں۔ کسی کو ان کی گفتگو پر تعجب اور کسی کو حیرت ہوتی ہے بعض لوگ گانا سنتے ہیں

مگر ان کی اس طرف توجہ نہیں ہوتی کہ کہنے والے نے کیا کہا۔ محفل میں لڑکے بھی ہوتے ہیں جن کو اکثر اس کی جستجو رہتی ہے کہ کون سی بات شرعاً قابل اعتراض زبان سے نکلی۔ ظاہری طور پر جن کی شرعی نسبت قوی ہوتی ہے باطنی طور پر ان کی تحقیقی نسبت زیادہ قوی نہیں ہوتی اس لئے ایسی چیزیں ان کو گوارا نہیں ہوتی۔ مولانا نے نہ صرف اشارتاً بلکہ صراحتاً فرمایا کہ شریعت ہمارے نبی کی چیز ہے اس لئے ہم کو اس کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔

اگرچہ اس کا یقین ہے کہ سید صاحب کی گفتگو میں بناوٹ کو دخل نہیں ہوتا لیکن مولانا نے جن باتوں کی صراحت فرمائی ان کے لحاظ سے زبانی تقید کے لئے بھی ارشاد ہوا۔ مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ ہمارے دوستوں میں ایسے بہت سے ہیں۔ چنانچہ میر سعدالدین مرحوم ان کی بھی یہی حالت ہوتی تھی کہ ابتدائی شورش میں مسئلہ توحید کو بیان کر جاتے پھر جب بیان کی قوت نہ رہتی تو جو کچھ زبان پر آتا کہہ ڈالتے انسان کو چاہئے کہ ایسی کیفیت اور حالت میں بھی احتیاط کرے اور ضبط تو ہر حال میں بہتر ہے۔ بلکہ ضبط کرنے سے لذت زیادہ ہو جاتی ہے۔

اس بارے میں مولانا کئی بار ہدایت فرما چکے ہیں۔ حالتوں کی مختصر تفصیل سنئے۔

۱۔ یہ کہ عقل جاتی رہے مگر اختیار باقی رہے۔

۲۔ یہ کہ عقل بھی ہو اور اختیار بھی ہو۔

۳۔ یہ کہ شعور تو ہو لیکن اختیار نہ ہو۔ مگر ایسی حالت جس میں سمجھ بھی نہ رہے اور اختیار بھی نہ رہے بڑی ہے۔ کیونکہ شعور نہ رہنے کی وجہ سے پھر اپنی ترقی یا تنزل کا کچھ پتہ ہی نہ چلے گا اور شغل کی لذت بھی نہ ملے گی۔

۴۔ اور یہ حالت کہ شعور بھی ہو اور اختیار بھی اللہ اس سے بچائے یہ صاف بناوٹ ہے۔

۵۔ سب سے بہتر حالت یہ ہے کہ شعور تو ہو مگر اختیار نہ ہو۔

چونکہ میاں محمد غوث کا تذکرہ آگیا اس لئے ضرورتاً ان کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ حضرت مولانا کے قدیم دوستوں اور حضرت فرید گنج شکرؒ کے نواسے ہیں۔ حضرت سلطان المشائخؒ کی حویلی میں عرصہ سے ان کے باپ دادا رہتے چلے آئے ہیں، انھوں نے صرف ذکر شغل کی نسبت حضرت مولانا سے حاصل کی ہے، حضرت گنج شکرؒ کے مزار کی زیارت سے کئی بار مشرف ہو چکے ہیں۔ ان کے دادا مولانا بدرالدین اسحاق کی قبر بھی حضرت گنج شکرؒ کے مزار کے قریب ہے۔ جس دن سے کہ مولانا سے بیعت کا شرف حاصل ہوا زیارت کے لئے جانے کا فوراً قصد کر لیا۔ گئے۔ اس کے بعد بھی کئی بار جانا ہوا۔ اب تو ایک عرصہ سے جناب مقدس کی مصاحبت میں ہیں اور جذبۂ الٰہی کے جذبوں میں سے ایک جذبہ ان کو مل گیا ہے کہ نہ ان کو اپنا ہوش ہے نہ دوسرے کی خبر۔ شرح والے

اور غیر شرع والے کسی کا بھی ان کو ہوش نہیں رہا۔

ان پر توحیدی کیفیت چھائی ہوئی ہے۔ کبھی لباس کی قید میں رہتے ہیں کبھی بلا قید ہو جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر نہیں گزرنے پاتی کہ پھر اپنی حالت پر آجاتے ہیں۔ زبان سے بھی توحیدی قسم کے کلمے کہتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ایک دن مولانا کے ساتھ راستے میں گدھے کا بچہ دکھائی پڑا بے اختیار دوڑ کے انھوں نے اس کو چوم لیا اور سجدے کرنے لگے، نعرے مارتے جاتے تھے اسی بے ہوشی میں مدت گزر گئی۔ ایک دن اسی بے ہوشی میں مولانا کی خدمت میں آئے اور یہاں حدیث شریف کا درس ہو رہا تھا۔ شیشہ بھی ہاتھ میں تھا عرض کیا۔ اس شیشے اور کتاب میں کیا کوئی فرق ہے۔ بیان فرمایئے اور اسی قسم کی بے باکانہ باتیں کہیں۔ آخر حضرت مولانا نے فرمایا بیٹھو۔ بیٹھ گئے۔ اور مولانا کے زانو پر سر رکھ کر بے خبر ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو گویا اپنی پہلی حالت کی خبر ہی نہ تھی۔ وضو کیا اور دعا مانگی۔ خدا کے فضل سے اس دن سے شریعت کے پابند ہو گئے۔ اور بہت سی تکلیفیں بھی اٹھانا پڑیں اس فقیر سے خود بیان کیا کہ جب مولانا نے بیٹھنے کو فرمایا اور میں سو گیا تو میرے قلب کی یہ حالت تھی کہ گویا قلب پر کسی نے ایک شاخ چپکا دی ہے اور زور سے کوئی چیز کھنچی جا رہی ہے۔ جیسا کہ شاخ کھینچنے میں ہوا کرتا ہے اس کے بعد گویا وہ کیفیت تھی ہی نہیں۔

چند سال کے بعد مولانا نے ان کو بیعت کی اجازت عطا فرمادی اور اب تو بہت سے لوگ ان سے بیعت کی نعمت اور مشغولی حاصل کر چکے ہیں اور یہ بعض اعمال بھی کرتے رہتے ہیں۔ خود حضرت مولانا سے میں نے سُنا ہے کہ محمد غوث کے پاس دو ایک عمل خوب ہیں! اور آں جناب نے فرمایا میر سعد الدین سید واڑے کے سادات سے ہیں یہ پرانی دہلی کا مشہور محلہ ہے اور یہ خجند کے صحیح النسب سادات سے ہیں جنھوں نے یہاں سکونت اختیار کرلی ہے۔ اُنھوں نے اپنے بزرگوں کے علاوہ دوسرے بزرگوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔ لیکن آخر زمانے میں حضرت مولانا کی خدمت میں آئے اور ایسی محبت ہوئی کہ آخر اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے بعض شیعہ لوگ بھی ان سے توسل رکھتے ہیں ان پر ان کا ایمان ہے اور ان کا مسلک کمال توحید ہے۔

یہ جس محلے میں رہتے تھے اتفاق سے وہاں آگ لگ گئی ان کو شہادت کا درجہ ملا۔ ابتداء میں جب فقیر حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا تورات کے آخری حصے میں مولانا وضو کے لئے اُٹھے تھے اُس وقت فرمایا کہ حضرت سلطان المشائخ کی درگاہ میں کل میر سعد الدین کا بچہ ملا تھا۔ وہ یتیم معلوم ہو رہا تھا۔ فقیر نے دل میں خیال کیا کہ خدا خیر کرے اس کا باپ اچھا ہو۔ دو ایک دن کے بعد جب فقیر ادھر گیا تو لوگوں سے میر سعد الدین کی شہادت کی خبر معلوم ہوئی۔ مولانا نے جس وقت یہ الفاظ فرمائے تھے اُس وقت کہیں ایسی بات کا خیال بھی نہ

تھا۔ میاں ضیاء الدین بھی اُس وقت موجود تھے۔

ذکر میاں ضیاء الدین

یہ تین بھائی ہیں سب خادم اور مولانا کے طریق میں داخل ہیں
یہ شاہ شریف صاحب جو فخر العاشقین سر حلقہ درد مندان سیدسندی حضرت
مولانا نظام الدین شانیؒ کے بڑے خلیفہ تھے ان کے نواسے ہیں۔

ان کی والدہ جو شاہ شریف صاحب کی دختر ہیں مولانا کی بیعت
سے مشرف ہیں۔ محمد شرف الدین ان کے سب سے بڑے بھائی ہیں
جنھوں نے باطنی طور سے حضرت مولانا سے بہت کچھ فائدہ حاصل
کیا ہے۔ ظاہری طور پر دنیاداروں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں اور
عمدۃ الملک فتح جنگ کے مصاحبوں میں ہیں۔ جو آج کل دکن اور
سورت کی طرف سیر کے لئے گئے ہوئے ہیں دنیاداری کے باوجود
شغل وطلب بھی رکھتے ہیں۔

میاں ضیاء الدین برادر اوسط ہیں۔ خیر الامور اوسطہا۔* کے لحاظ
سے ٹھیک مزاج رکھتے ہیں۔ یہ کچھ دن طالب علم بھی رہے ہیں لیکن ان کی
علمی نسبت اس درجہ تک پہنچ گئی ہے کہ ۹ سال ہو چکے مگر ان کی آنکھ
نہیں لگی۔ حضرت شیخ سلیم چشتی کی درگاہ میں حضرت مولانا کے ارشاد

---

* درمیانی حالت بہتر ہے۔

کے مطابق مقیم رہے ۔ عرصے تک جامع مسجد میں رہے۔ اب امیر ملک گود کے ملازم ہیں۔ دنیوی آلودگی سے اُنھوں نے اپنے اوقات کو بالکل پاک صاف رکھا ہے۔ محنت سے اپنی معاش میں لگے رہتے ہیں۔ ان پر عالم مثال روشن اور واضح ہے۔ اتنے بڑے وزیر ہوکر غرور ذرا بھی نہیں ہے بلکہ ان کی بات چیت شغل اور باطنی امور سے خالی نہیں ہوتی اور جس صفت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا وہ یہ ہے کہ جناب اقدس سے ان کے حق میں جو ارشاد سنایا گیا ہے۔ ہم لوگوں کے لئے قطعی دلیل ہے۔

ان کے چھوٹے بھائی میاں عماد الدین ہیں جو ابتدا ہی میں مولانا کے مرید ہو گئے تھے۔ باطنی شغل میں مشغول رہے۔ طالب علمی بھی کی۔ مولانا نے روزمرہ کے اخراجات کا حساب ان کے سپرد کر دیا تھا۔ رات دن حضرت کی رضامندی میں مشغول رہے جس دیانت داری سے اُنھوں نے مولانا کا یہ کام کیا ہے اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا مولانا ان کی طبیعت کی رسائی کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے۔ اتنی محنت پھر بے خوابی، اور روزانہ کے سوال و جواب کے باوجود ان کے خیالات وسیع رہے پرہیزگاری میں بھی مستقل ہیں۔

خانم جی کا تذکرہ جو حضرت صاحب قبلہ کی مرید تھیں

ایک دن قدمبوسی کی دولت میسر ہوئی حضرت صاحب قبلہ کا ذکر آیا فرمایا خانم جی عورت جو داخل طریق تھیں حضرت صاحب ان کا بہت

خیال کرتے تھے۔ ابتدائے شباب میں وہ بیوہ ہو گئی تھیں حضرت صاحب نے ان کے لئے کپڑے بنوا دیے تھے ان کی پشواز میں سو سو طرح کا بخیہ ہوتا تھا کناری اور رنگین سنجاب اسی قسم کی چیزوں کا جو عورتوں کو پسند ہوا کرتی ہیں۔ حضرت صاحب نے ان کے لئے اس کا انتظام کر دیا تھا اور وہ اکثر خدا کی یاد میں مشغول رہا کرتی تھیں خانم کے انتقال کے وقت مولانا بھی تھے اور میں بھی تھا۔

اُس وقت بھی حضرت صاحب کا تذکرہ ہوا۔ فرمایا ہمارے یہاں ذکر کی مشغولی کے سوا دین دنیا کا اور کوئی تذکرہ ہی نہیں ہوتا تھا، جیسے ہی کوئی اندر آتا ذکر کے حلقے میں شریک اور یاد الٰہی میں مشغول ہو جاتا جب تک بیٹھتا اسی طرح ذکر میں مشغول رہتا۔ ارشاد فرمایا حضرت صاحب کے دوست بھی عجیب غریب تھے، حضرت صاحب کے ڈر سے کلمہ پڑھتے رہتے ورنہ اگر حضرت صاحب کا خوف نہ ہوتا تو اس جگہ حضرت صاحب کا نام داخل کر دیتے اور یہ انتہائی محبت کی دلیل ہے۔

حضرت صاحب کی سفارش کا تذکرہ ہوا ارشاد فرمایا کہ حضرت صاحب کی مہریں لگی رہا کرتی تھیں جس کا جو مدعا ہوتا حضرت صاحب کی طرف سے مضمون لکھ کر حضرت کی مہر لگا لیتا تھا اور دوستوں یا امیروں کے یہاں جہاں چاہتا لے جاتا کسی اجازت کی ضرورت نہ تھی۔ اس وقت حضرت صاحب کی رحلت کا تذکرہ آیا، ارشاد فرمایا ہمارے حضرت صاحب نعرے کم لگاتے تھے۔ مگر جب وصال کا زمانہ قریب آیا تو بلند آواز سے نعرے لگانے لگے، بلکہ آپ نے اسی حالت میں رحلت فرمائی۔ کہ نعرے

کے ساتھ ہی جان، جاناں کے سپرد کر دی۔

مرض کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا چند سال پہلے حضرت صاحب کو فالج کا مرض ہو گیا تھا۔ دونوں پاؤں شل ہو گئے تھے۔ حرکت کر نہیں سکتے تھے فرمایا حضور کے بے تکلف دوست بہت تھے۔ جن میں سے ایک قوال بھی تھا جس کے لڑکے کے دونوں پاؤں شل تھے۔

ایک دن وہ اور چند دوسرے قوال گاتے ہوئے اس لڑکے کو لائے جیسے ہی حضرت صاحب نے اس کی حالت کو ملاحظہ فرمایا بے اختیار اُٹھ کھڑے ہوئے اور معانقہ کیا (اس کو لپٹا لیا) فوراً اُس کی تکلیف جاتی رہی اور حضرت اسی دن سے بیٹھ گئے آپ کے پاؤں بے حس ہو گئے یعنی حرکت موقوف ہو گئی۔

اس کے بعد سجع کا ذکر ہوا (نام کے ساتھ لفظی رعایت کو سجع کہتے ہیں) فرمایا کہ حضرت کے نام بہت سے سجع تھے۔ اور ہر ایک مختصر سجع تھا، ان میں سے ایک یہ ہے:۔

"نظام در تعظیم دلہا کوش و دیں بہ دنیا مفروش"

اپنے مرشد کی تعریف کا تذکرہ

مشاہدے کی دولت میسر ہوئی۔ فرمایا جو آدمی کسی کا مرید ہو اُس کو چاہیے کہ مجلس میں اپنے مرشد کی تعریف نہ کرے اس لئے کہ

اگر تعریف کی اور سننے والوں میں سے کسی نے انکار کیا تو انکار کرنے والے کو اسی وقت سزا ملنی چاہئے نہیں تو دل جل کر رہ جائے گا۔ اور کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس لئے تعریف کی ضرورت ہی کیا ہے۔ محبت کا دل سے تعلق ہے۔ چنانچہ اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دن فقیر نے سفر کے لئے اجازت چاہی۔ حضرت نے رخصت فرمادیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی ہم کو برا کہے تو اس سے حجت نہ کرنا دیکھو یہ بات یاد رکھنا اس کے بعد فرمایا اگر راستے میں کوئی فقیر ملے اس سے بہت تعظیم سے ملنا بار بار یہی فرماتے رہے۔ جب یہ فقیر تیسری منزل پر پہنچا، ایک درویش جو مدار یہ طریق کے تھے۔ شاہ جہاں آباد میں ان سے ملاقات ہوئی مجھے ہر منزل پر حضرت کا ارشاد یاد آرہا تھا کہ حضرت مولانا نے کسی درویش کی ملاقات کی بشارت دی ہے جو فائدے سے خالی نہیں، وہ درویش صاحب حقیقت میں بہت ذاکر شاغل تھے میں نے ان کا حسب نسب دریافت کیا۔ انھوں نے بیان کیا کہ میں شاہ جہاں آباد کے محلے مغل پورے میں رہتا ہوں میں بچہ تھا۔ آٹھ سال کی عمر تھی اس طرف سے ایک درویش صاحب گذرے انھوں نے میری طرف دیکھا، پھر معلوم نہیں کہاں گئے تو میری یہ حالت ہوگئی جس کو تم دیکھ رہے ہو۔ وہی درویش صاحب ایک بار پھر ادھر سے گذرے دیکھا ان کے ساتھ بہت سے لوگ ہیں تو مجھ پر مشغولی غالب ہوگئی۔ درویش نے کہا کہ اس فرقے میں بہت آرام سے

زندگی بسر کر رہا ہوں کوئی میرے حال سے واقف نہیں اس طرح
خوب گزر ہو رہی ہے۔ جب میں سفر سے واپس آیا تو حضرت مولانا نے
دریافت فرمایا کہ ایک درویش سے اس طرح ملاقات ہوئی تھی اور میں نے
اس حالت میں دیکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ارشاد فرمایا کہ ایک درویش
اپنے دوستوں کے ساتھ راستے سے گزر رہے تھے وہ درویش صاحب
باطن تھے۔ کسی دوکان پر کوئی درویش خلاف شرع نظر آئے اور شیخ
(مرشد) نے بہت اخلاق سے ان کو سلام کیا۔ درویش نے اپنے
طور پر جواب دیدیا۔ ان کے دوستوں کو بہت شرم آئی کہ اس بدعتی
سے ہمارے مرشد اس اخلاق سے پیش آرہے ہیں مرشد ان کے
دل کے خطرے سے واقف ہو گئے کہا اس سرزمین کا قطب یہی ہے
اس لئے ضرورت ہے کہ اسی طرف سے ہم گزریں اور خاطرداری
سے پیش آئیں کیونکہ حکومت انھیں کے ہاتھ میں ہے۔

خواجہ رحمت اللہ خاں اور میاں عبدالقادر کا تذکرہ

حضوری میسر ہوئی۔ اور خواجہ رحمت اللہ خاں جو حضرت صاحب
کے دوستوں میں ہیں وہ بھی موجود تھے۔ حضرت صاحب کے دوستوں
کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا حضرت صاحب کے دوستوں میں میاں عبدالقادر
ایک صاحب تھے۔ ہمارے حضرت صاحب کمال کے اظہار کی وجہ
سے ان پر اکثر غصہ ہو جایا کرتے تھے۔ ایک فقیر صاحب حضرت صاحب

کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے حسب معمول حاضر ہوئے اور اپنے
کمالات کا اظہار کرتے لگے آخر کار یہاں تک کہدیا کہ میں توجہ کے
شغل سے بہت واقف ہوں اور میری توجہ میں بڑی تاثیر ہے اگر
نسبت کا ذوق ہے تو مجھ سے تربیت حاصل کر لو اور میں تمہارے
لئے کبھی دریغ نہ کروں گا۔ چونکہ اخلاق حضرت کا شیوہ تھا اس لئے
ان کے سامنے مؤدب ہو کر بیٹھ گئے اور اس نے توجہ دینا شروع کر دی۔
آپ کے دوستوں کو یہ بات بہت ناگوار تھی۔ روزانہ یہی ہوتا تھا لیکن
حضرت صاحب کی وجہ سے لوگ کچھ کہہ نہ سکتے تھے یہاں تک کہ اسی
اسی طرح دو سال گزر گئے۔ اس بے وقوف کو خوش کرنے کے لئے
حضرت صاحب اپنی عادت میں فرق نہ لاتے ادب سے ان کے
سامنے بیٹھے رہتے اور وہ فقیر صاحب انتہائی مسرت و فخر سے
جگہ جگہ کہتے پھرتے کہ فلاں بزرگ مجھ سے توجہ لیتے ہیں اور اچھی
گزار رہے ہیں۔ اتنے میں میاں عبدالقادر سفر سے واپس آ گئے اور
حضرت صاحب کی خدمت میں کچھ روز رہے۔ جو لوگ اس
بے وقوف کی حرکت سے ناخوش تھے انھوں نے سب قصہ
عبدالقادر صاحب سے کہہ دیا کہ یہاں ایک صاحب آتے ہیں اور
حضرت کو توجہ دیا کرتے ہیں اسی میں دو سال گزر گئے ہیں۔ حضرت
صاحب بھی اس کے سامنے ادب سے بیٹھے رہتے ہیں اور ان توجہ
دینے والے صاحب نے سب جگہ یہ مشہور کر رکھا ہے۔ عبدالقادر صاحب

نے کہا ذرا مجھے ان کا پتہ بتاؤ۔ جب دوسرے دن حسب معمول وہ صاحب آئے، دوستوں نے چپکے سے میاں عبدالقادر سے کہا کہ یہی وہ صاحب ہیں۔ میاں عبدالقادر خانقاہ کے دروازے میں کھڑے ہوئے تھے جیسے ہی اُنھوں نے اس کو دیکھا وہ صاحب اکدم گھوڑے سے گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔ میاں عبدالقادر صاحب چلے آئے اور حضرت صاحب کو خبر کی کہ جو صاحب توجہ دینے آیا کرتے تھے آج گھوڑے سے گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے ہیں۔ حضرت صاحب نے دریافت کیا آخر ان کو کیا ہو گیا، لوگ ان کو اُٹھا لائے۔ آخر معلوم ہوا کہ میاں عبدالقادر کا یہ سارا کرشمہ ہے۔ حضرت صاحب بہت ناراض ہوئے اس واقعے کے بعد ان فقیر صاحب کو بڑی شرمندگی ہوئی چپکے چلے گئے کچھ دن بعد حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنی خطاؤں کی معافی چاہی حضرت صاحب نے فرمایا نہیں نہیں کوئی بات نہیں۔ آپ کی خدمت میں مجھے جو عقیدت تھی وہی ہے۔ اس کے بعد میاں عبدالقادر کا قصور بھی معاف ہو گیا مگر حضرت صاحب نے فرمایا کسی کی دل شکنی کیوں کی جائے۔ اگر میں تھوڑے دن اس طرح ان کے سامنے بیٹھ گیا تو اس میں کیا ہرج ہوا۔

حضرت صاحب کی توجہ اور نظر

میاں عبدالقادر کا قصبہ ستارے کی طرف جانا ہوا۔ وہاں ایک

جوگی ملا جس کے بہت سے چیلے تھے اور وہ صاحب تصرف مشہور تھا یہ ایک بار اُس کی جھونپڑی کے پاس گئے اور توجہ ڈالی تو اُس کے سب چیلے مسلمان ہو گئے چند روز بعد چند جوگی اور اس فرقے کے لوگ حضرت کی مجلس میں آئے ان پر کیفیت طاری ہو گئی کچھ شورش اور رقت تھی لوگ حیران تھے کہ آخر حضرت کی نظر توجہ کیا کام کر رہی ہے اور یہ کون لوگ ہیں معلوم ہوا کہ عبدالقادر کے دوستوں میں ہیں۔ حضرت صاحب پھر اُن سے ناراض ہو گئے کہ اس کی کیا ضرورت ہے کہ تم ہر ایک پر توجہ ڈالو اسی مقام پر حضرت کی توجہ ڈالنے کا بھی ذکر آ گیا۔

فرمایا ایک روز کسی کی برات جا رہی تھی حضرت صاحب دریچے سے ملاحظہ فرما رہے تھے۔ جیسے ہی برات پر نظر پڑی کیا انسان کیا حیواں (گھوڑے ہاتھی وغیرہ) سب بے ہوش ہو کر گلی کوچوں میں دوڑنے لگے اور وہ دیوانگی میں ناچتے پھرتے تھے کسی طرح حضرت شیخ (حضرت کلیم اللہ) کو اس کی خبر پہنچ گئی انھوں نے تحریر فرمایا کہ اب تم مریدوں کو آزاد کر دو۔

مشہور ہے کہ حضرت صاحب قبلہ کے مریدوں کی تعداد شمار میں نہیں آسکتی۔ یہ خواجہ رحمت اللہ خواجہ زادوں میں ہیں یعنی حضرت بہاءالدین نقشبند کی اولاد سے ہیں اور خواجہ عبدالخالق سے توسل رکھتے ہیں۔

خواجہ حمید اللہ مولانا کی خدمت میں کبھی کبھی آیا جایا کرتے تھے
ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ مدرسے میں ایک سیاہ سانپ نکلا۔ سانپ
پکڑنے کے لئے ہندوستان میں رسم ہے کہ سانپ والے تونبی بجاتے
ہیں جس کو پونگی بھی کہا جاتا ہے۔ عادت کے موافق اُنھوں نے اُس کو
بجایا۔ حضرت مولانا نے سانپ والے کو خانقاہ کے اندر بلایا اُس وقت
موصوف خواجہ صاحب بھی موجود تھے پھر سانپ والے نے اپنی
بانسری بجانا شروع کی یہ خواجہ صاحب اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے
ہوئے اور اُن کو حال آگیا، ہاتھ پاؤں مار رہے تھے اور رو رہے
تھے (بقول مولانا رومؒ) عشق آگ ہے جو نے میں ڈال دی گئی
ہے ان پر اسی کی تجلی تھی۔ چند روز کے بعد یہ مولانا کے مرید ہو گئے
خدا کے فضل سے یہ مشغولی کرتے ہیں اور توحید کا بھی اُن کو ذوق ہے
اس کا بھی اُن کو مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ نوکری اور سپہ گری جو بدترین
روزی ہے خاص کر اس صورت میں کہ کسی امیر یا رئیس کے یہاں ہو۔
بچارے ان حالات میں ہیں مگر آدمی سچے اور صاف گو ہیں دل میں
کسی قسم کی کپٹ نہیں رکھتے ہیں۔

حضرت صاحب قبلہ کا تذکرہ

حاضری کی دولت میسر ہوئی۔ حضرت صاحب قبلہ کا تذکرہ آگیا
ارشاد فرمایا حضرت صاحب کے پاس اشرفی۔ روپیہ۔ اٹھنی۔ چونی۔

جس کو ہندوستان میں باولی اور ادصیل کہتے ہیں۔ خادم کاغذ میں باندھ کر رکھ دیا کرتے تھے۔ جس کسی کو حضرت صاحب مفلس جانتے اُس کو اُس کی قسمت کے موافق عنایت فرمادیتے دنیا داروں کو دیا کرتے مگر بھیگ منگے فقیروں کو ایک پیسے سے زیادہ نہیں دیا کرتے تھے۔ اور فرماتے کہ ان کو یہاں نہیں ملتا تو اِدھر اُدھر پھیری لگا کے پھر آجاتے ہیں۔

اور جو بے چارے واقعی غریب ہیں جن کا یہ پیشہ نہیں ان کو جامہ و دستار (کپڑوں وغیرہ) کے لئے سوال کرتے شرم آتی ہے وہ بیچارے فاقہ کرتے کرتے مرجاتے ہیں۔ در اصل وہی انسان اس کا زیادہ مستحق ہے جو بظاہر خوش پوشاک ہے مگر غربت کی شرم سے سوال نہیں کر سکتا چنانچہ حضرت مولانا فخر صاحب کا بھی قریب قریب یہی اصول تھا ایسے لوگ جو ہیں تو شریف خاندان مگر قسمت سے مفلس ہیں ان کی اس طرح مدد فرماتے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوتی حالانکہ مولانا صاحب کے یہاں حضرت صاحب کی طرح فتوحات نہیں ہیں۔ اس کے باوجود جو کچھ غیب سے آجاتا ہے سب صرف ہو جاتا ہے بمقابلہ اس کے حضرت صاحب قبلہ کے اخراجات امراء کے نذرانوں پر تھے۔ حویلی کی خریداری شادی غمی ہر قسم کے اخراجات اسی طرح اللہ پورے کر دیتا تھا۔ یہاں (یعنی حضرت مولانا کے یہاں) نہ صرف روزانہ کی خوراک اور کپڑا مثلاً جبہ اور کلاہ جو گھر میں استعمال فرماتے ہیں اور دوپٹہ (عمامہ) ڈوریئے کا ہوتا ہے۔ اسی قسم کا کپڑا احباء مجلس کے لئے بھی منظور نظر رہتا ہے۔ اس کے سوا

فتوحات ہیں کپڑا ہو یا نقد اور چاہے تمغے ہوں سب کو فروخت کر کے بنئے کو دیدیتے ہیں کیونکہ دوستوں کی روزانہ خوراک کا انتظام اسی کے یہاں سے ہوتا ہے۔

اور مولانا کی مالیت دو ایک سفید کپڑوں، سفید دوپٹوں اور اسی طرح کی دستار اور جبّے کے سوا۔ اور کچھ نہیں ہے۔ مگر کتابیں جن کو حضرت صاحب بہت دوست رکھتے ہیں چاہے قرض ہی سے کیوں نہ ملیں ضرور خرید لیتے ہیں۔ خدا کے فضل سے اب بہت بڑا کتب خانہ سرکار میں ہے اور پوشاک صرف اسی قدر جو بیان کی گئی اتنی ہی ہے۔ پر تکلف لباس کا مولانا کو شوق نہیں ہے پہلے جاڑوں میں دوشالہ استعمال کیا کرتے تھے۔ اب مدت سے موقوف کر دیا مگر چھینٹ کا لبادہ یا چھینٹ کا انگرکھا یا رنگین انگرکھا پہنتے ہیں یا ابریشمی کھیس جو لاہور اور ملتان سے آتا ہے بہت خوشی سے استعمال فرماتے ہیں حضرت کا پر تکلف لباس یہی ہے اور مولانا کرائے کے مکان میں رہتے ہیں مالک مکان لاکھ چاہتے ہیں کہ حضور بغیر کرائے کے رہیں مگر حضرت مولانا قبول نہیں کرتے حضرت صاحب قبلہ فرمایا کرتے تھے کہ فقیر کے لئے ایسا مکان ہونا چاہئے جس کے دو دروازے ہوں کہ کسی وقت اگر کوئی دنیادار صاحب ملنے آجائیں اور ان سے ملنے کو دل نہ چاہے تو فقیر باہر جا سکے اسی لئے اگر دو دروازے نہ ہوں تو دقت ہوتی ہے۔

حضرت مولانا کی بہنوں کی نسبت کا تذکرہ

قدمبوسی کی دولت میسر ہوئی - فرمایا - جب ہماری بہنوں کی نسبت کا تذکرہ ہوا تو ارشاد فرمایا کہ مالدار سے نسبت کرنا چاہیے - یہی مناسب ہے مفلس سے کیوں نسبت کی جائے کہ ہمیشہ اس کی زندگی کوفت میں گزرے -

حضرت صاحب کے لباس اور پاؤں کی تکلیف کا ذکر

حضرت صاحب کے لباس کا تذکرہ ہوا - فرمایا کہ جمعہ کے دن نماز کے لئے - یا اگر کہیں جانا ہوتا تو جامہ اور دستار استعمال فرماتے - گویا ان کی صورت منصب داروں کی سی ہو جاتی اور گھر میں کلاہ اور کلاہ کے اوپر دوپٹہ (عمامہ) باندھتے - اور دستارچہ (چھوٹی پگڑی) کبھی استعمال نہ فرماتے اس کے سوا اسی موسم میں رو‌ئی دار انگرکھا، لبادہ اور روئی والی کلاہ اور ایک سلاتری استعمال کرتے جو تھان اور پاک پٹن سے آتی ہے اکثر اسی کو باندھا کرتے ہیں -

جاڑوں میں حضرت مولانا کا مجلسی لباس پاجامہ اور انگرکھا ایک ابریشمی کھیس ہوتا اور موزے ضرور پہنتے -

باوجود اس کے کہ حضرت کے پاؤں کی ایڑی کی کھال پھٹ جانے سے پاؤں اور پیٹھ کا درد تکلیف دیتا ہے - اور اکثر پاؤں میں خشک

خارش ہو جاتی ہے۔ اس سے ایسی تکلیف ہوتی ہے کہ بے تاب ہو جاتے ہیں۔ آخر چاقو کے دستے یا خاردار پتھر سے کھجلاتے ہیں اور کبھی حویلی کے زینے کے پتھر سے اپنے پیروں کو کھجلاتے ہیں یا پھر معتقد اور خادم سوتے وقت آہستہ آہستہ پیر دبا کر چپکے چپکے کھجلا دیتے ہیں۔ سلسلہ نظامیہ کی یہ سنت ہے کہ پاؤں میں کوئی نہ کوئی تکلیف ضرور ہوتی ہے چنانچہ حضرت صاحب کو بھی تھی۔ حضرت شیخ کلیم اللہؒ کو بھی اسی قسم کا مرض تھا۔ حضرت شیخ یحییٰ مدنی شیخ کبیر کے پاؤں میں لنگ تھا اور زبان مبارک سے سنا گیا ہے کہ بہت چھوٹی چارپائی ان کے لئے بنائی گئی تھی اسی پر بیٹھ کر مدینہ منورہ کے حرم میں آسکتے تھے۔ اسی طرح حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے پاؤں میں بھی کسی طرح چوٹ آگئی تھی جس سے وہ لنگڑا کر چلتے تھے۔ جیسا کہ ملفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

اور حضرت مولانا فرماتے تھے کہ قوال حضرت امیر خسرو کا یہ شعر گا رہے تھے ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

حضرت مخدوم نصیر الدین کو حال آگیا۔ اسی حالت میں انھوں نے پاؤں کو اچھالا تو اس میں بہت چوٹ آگئی اور مولانا کی زبان سے یہ بھی سنا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ ایک دن گانا سن رہے تھے کہ پاؤں میں چوٹ آگئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک بار میں نے اپنے

اختیار سے، اپنی خواہش سے ایک قدم آگے بڑھا دیا تھا اس سزا میں ایک بلا نازل ہوئی جس کو میں نے اپنے پاؤں پر ہی لے لیا کیونکہ جسم کا کوئی اور حصہ متحمل ہو نہ سکتا تھا۔

محمد صادق خاں مرحوم شہید کا تذکرہ

مشاہدے کی دولت میسر ہوئی محمد صادق خاں شہید کا ذکر ہوا۔ کہ اُنھوں نے بادشاہی حکم سے دریا پر مورچے بنائے تھے اور پہلی فوج انھیں کی سرکردگی میں تھی حضرت کو فکر ہوگئی اور فرمایا کہ اُنھوں نے ہمیشہ سے اپنی وضع ایسی بنالی ہے کہ جس سے نمود و نمائش ہو اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہی نمود و نمائش ایک دن موت تک پہنچا دیتی ہے۔ اور موت کا لفظ جو اِن کے حق میں پایا گیا اس سے فقیر مضطرب اور مایوس ہوگیا آخر دو ہفتے کے بعد ان کے شہید ہونے کی خبر آہی گئی۔

بچوں کو سبق پڑھانے کا تذکرہ

دولتِ قدم بوسی میسر ہوئی۔ فرمایا۔ آج مجھکو کئی دست آگئے جس سے طبیعت مضمحل ہوگئی ہے۔ اس کے بعد اس شعر کا ذکر ہوا۔

ے می خواہم از خدا و نمی خواہم از خدا
دیدن۔ حبیب را و نہ دیدن رقیب را

لوگوں کو اس کا مطلب سمجھنے میں مشکل پیش آرہی تھی کوئی صاحب

دل پسند مطلب بیان نہیں کر رہے تھے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب خیال میں آتا ہے کہ میں خدا سے حبیب کے دیکھنے اور رقیب کو نہ دیکھنے دونوں قسم کی تمنائیں رکھتا ہوں اور اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا، جتنے لوگ بیٹھے تھے خوش ہو گئے۔

اس کے بعد دو لڑکے فقہ کا سبق پڑھنے آئے اور پڑھنے لگے۔ فرمایا میں سبق کے وقت دروازہ بند کر دیتا ہوں کیونکہ لوگوں کی کثرت ہوتی ہے اور ان بچوں کو سب کے سامنے سبق پڑھتے ہوئے شرم آتی ہے اور ان کی طبیعت میں خلل واقع ہو جاتا ہے اس جگہ سے اندازہ کرنا چاہئے کہ حضرت مولانا کو ہر بات کا کتنا خیال ہے۔

حدیث شریف کا ذکر

مشاہدے کی دولت میسر ہوئی۔ اور یہ ذکر ہوا کہ حدیث شریف سے ایسا پتہ چلتا ہے کہ پاخانے جاتے وقت کندھے پر ایک کپڑا ضرور پڑا ہو۔ اس کے بعد اس کا ذکر ہوا کہ کیا پاخانے کا برتن علٰحدہ ہونا چاہئے۔ اور وضو کے لئے علٰحدہ۔ یہ جائز ہے یا نہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استنجے کا برتن علٰحدہ تھا اور وضو کا علاحدہ۔

کھانے کے وقت بیٹھنا

دولت مشاہدہ میسر ہوئی۔ حضرت مولانا کھانا کھا رہے تھے فقیر نے عرض کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا کھانے کس طرح بیٹھتے تھے۔ فرمایا جس طرح میں بیٹھا ہوا ہوں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا کھانے کے لئے بیٹھا کرتے تھے۔ اُس وقت مولانا ایک زانو بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد ذکر ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج میں بہت صفائی تھی۔ چنانچہ مسواک کی قید حدیث سے پائی جاتی ہے۔ انسان سو کر اٹھے یا جس وقت وضو کرے مسواک کر لیا کرے۔ آپ میں لطافت بہت تھی چنانچہ آپ خوشبو بہت استعمال فرمایا کرتے تھے اور اس کی تاکید بھی فرماتے۔

میر محمد افضل کا ذکر اور نماز کے متعلق سوال

دولت مشاہدہ میسر ہوئی۔ محمد افضل نے سوال کیا اگر بزمانۂ قیام بطور سفر نماز کی نیت کی جائے اور قرآت یاد آئے تو دوسری بار نیت کرے یا نماز پڑھ لے۔ فرمایا نیت کا دل سے تعلق ہے یہ دوگانے کی نیت کی یہ بھول سے تھی چار رکعت نماز پڑھ لے نیت بدلنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ آج ایک جگہ ہماری دعوت تھی کھانے کے لئے گئے تھے، پیسے اُس نے خرچ کئے

اور روٹی ہم نے کھائی مولانا روم کی مثنوی شریف کے اکثر اشعار عرصہ سے شاہ ظہور اللہ کی سمجھ میں نہیں آرہے تھے انھوں نے ان کو دریافت کرکے صاف کرلیا۔ جب مولانا نے شاہ صاحب سے کہا کہ کل ہم مولوی محمد مکرم کے گھر جائیں گے اگر مثنوی ساتھ رہے تو بہتر ہے چند مشکل اشعار جن کی بابت تم نے اکثر ذکر کیا ہے اگر دماغ نے کام دیا تو اس پر غور کریں گے۔ شاہ صاحب نے ایسا ہی کیا اتنے میں میر محمد افضل نے کچھ گزارش کیا مولانا نے جواب دیا اس پر انھوں نے عرض کیا کہ میرے دل میں بھی یہی تھا۔ فرمایا ہم بھی تمھاری ہی اتباع کررہے ہیں کیا مضائقہ یہاں سے مولانا کے اخلاق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ہمارا کیا مقدور جو ہم سمجھیں مگر صرف اپنی سمجھ کے موافق لطف اُٹھا لیتے ہیں۔

مختلف امور کی بابت ارشادات

حضوری میسر ہوئی ارشاد فرمایا۔ آج کل میں نے دوستوں کے ساتھ مشغولی موقوف کردی ہے۔ ہم مذاق دوست بہت ہیں مگر ہر ایک پر تھوڑی نشست میں شورش برپا ہو جاتی ہے شورش میں ہمارے دوست بے تحاشا بہت کچھ کہہ جاتے ہیں اکثر اشخاص ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو ایسی باتیں گوارا نہیں ہوتی اگرچہ ان میں سے بعض ہمارے دوستوں میں بھی داخل ہیں مگر پھر بھی ان کو ایک

باتیں ناگوار ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے کہ صوفی وقت کے لیئے رعایت لازمی ہے اس سے افغانی لوگوں کی طرف اشارہ تھا جو چھائے رہا کرتے تھے اور ان کی بہت آمد و رفت تھی ان کی جماعتوں کی جماعتیں حضور کے طریق میں داخل ہو چکی ہیں۔

اس کے بعد خلوت میں اس فقیر سے امیروں کا ذکر آیا ارشاد فرمایا کہ ہم ان کے مزاج سے خوب واقف ہیں جس زمانے میں ہم دنیادار تھے۔ بہت سے رشتہ دار حضرات ملاقات کے لئے آتے تھے، ان میں اچھے بُرے سبھی طرح کے لوگ ہوتے تھے یہ لوگ عقیدت مندی کا اظہار کرتے مگر ہم پر ان کا فریب ظاہر ہو جاتا ہر چند یہ ہمارے ساتھ سلوک کرتے اور مختلف طریقوں سے ملتے مگر ہم خوب پہچان لیتے ان میں سے ایک کا نام بھی لیا۔

اس وقت فقیر کا کچھ عرض کرنا مشکل تھا۔ تاہم خادم نے عرض کیا پھر اس کی کیا تدبیر کی جائے فرمایا کہ یہ ہم کشف سے نہیں کہہ رہے ہیں صرف عقلی طور پر تم سے کہہ رہے ہیں۔ خادم نے عرض کیا کہ اچھے بُرے اعتقاد کے گیا بھی آپ سے وابستہ ہیں اگرچہ آں جناب اپنے آپ کو ہر طرح جانتے ہیں لیکن جزوی اور کُلّی امور کی مالکیت سب آپ ہی کے لئے ہے۔ اس کے بعد اسی کی تکرار رہی بالآخر میرے حق میں جو کچھ بہتر تھا وہ ارشاد فرمادیا اور پھر وہی کہا کہ عقل کے لحاظ سے۔ اس قسم کی اصلاح کی ضرورت

ہے ہیں نے عرض کیا یہی بہتر ہے۔ اتنے میں کوئی ملیدے کا طباق لے کر آیا۔ ارشاد فرمایا اس کو لے جاؤ اور نظامی کو دے دو۔

نظام الدین حسین عرف نظامی اس فقیر کا پسر اوسط (منجھلا بچہ ہے) اس کی پیدائش کے دن سے حضرت مولانا کی اس پر خاص توجہ اور عنایت ہے بلکہ میں نے اس لڑکے کے متعلق حضرت مولانا سے بہت سی بشارتیں سنی ہیں۔ زبان مبارک سے یہ بھی فرمایا کہ ابھی تو بچہ نو سال کا ہے۔ الصبیُّ صبیٌّ وان کان نبیًّا (بچہ بچہ ہے چاہے نبی کیوں نہ ہو) آنجناب کو اس بچے کی شوخی بہت پسند تھی، چونکہ مولانا اس بچے کو بہت چاہتے ہیں اس لئے فقیر بھی اس بچے کی دلداری کا خیال رکھتا ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ میں اس بچے سے تمہاری وجہ سے محبت نہیں کرتا ہوں بلکہ بطور خاص اس پہ میری شفقت ہے اور تمہارے دوسرے بچوں پہ تمہاری وجہ سے کرم ہے۔

حضرت صاحب کے ملفوظ کی عبارت کا تذکرہ

قدم بوسی میسر ہوئی۔ جناب حضرت صاحب قبلہ کا ذکر آیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے حضرت صاحب قبلہ کو۔ قبل اس کے کہ مرشد کے مرید ہوں یا کسی مشغولی میں مشغول ہوں۔ کیمیا سیمیا۔ اور زمین طے کرنے کے عملوں وغیرہ کا بہت شوق تھا اس کے بعد

ذکر ہوا کہ احسن الشمائل (جو حضرت صاحب قبلہ کا ملفوظ ہے) اس میں لکھا ہوا ہے کہ مشغولی کے زمانے میں حضرت صاحب جنگل میں رہا کرتے تھے، ایک آدمی آیا اُس نے قبر کھودی۔ مردے کو باہر نکالا اور کچھ پڑھا اور خود اس قبر میں گر پڑا اور مردہ چل دیا۔ حضرت صاحب قبلہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُس کا ہاتھ پکڑ کے اس کا حال پوچھا اس نے کہا میں روح منتقل کرنے کا عمل جانتا ہوں۔ جب میرا جسم پُرانا ہو جاتا ہے تو دوسرا جسم لے لیتا ہوں۔ حضرت صاحب نے اُس کو چھوڑ دیا۔ اُس نے کہا کہ اگر آپ کو شوق ہے تو میں بتلانے کو حاضر ہوں فرمایا فقیر کو اس کی ضرورت نہیں۔ ؎

؎ کتاب معدن الجواہر میں ہے کہ اس شخص نے کہا۔ جب یہ جسم بڈھا ہو جاتا ہے تو بدل لیتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا یہ تو نفس پرستی ہوئی۔ کب تک اس میں پھنسے رہو گے ہم تو چاہتے ہیں کہ جسم فنا ہو جائے اور تم نفسانی لذتوں کے لئے اپنا جسم بدلتے رہتے ہو تب اُس نے کہا مجھے آپ سے اعتقاد پیدا ہو گیا ہے مجھے کچھ تعلیم فرمائیے حضرت صاحب نے فرمایا تم ان سب عملوں سے توبہ کرو تب بتاؤں گا آخر وہ شخص مرید ہو گیا اور حسب ہدایت حضرت صاحب کے پاس آتا جاتا رہا۔ ایک دن بطور امتحان حضرت نے اُس سے پوچھا کہ اب بھی روح کی منتقلی کا خیال آتا ہے یا نہیں۔ اُس نے کہا اب تو یہی تمنا ہے کہ یہ جسم فنا ہو جائے اور حجاب دور ہو جائیں تب حضرت صاحب نے اُس کو نظر بھر کر دیکھا اور کامل بنا دیا۔ (وسد کاکوروی)

مولانا فرماتے تھے کہ حضرت قبلہ کو یہ عمل معلوم تھا۔ اتنے میں حافظ محمد ارشد نے عرض کیا کہ حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کے حضرت صاحب مرید خلیفہ ہوئے یہ تو معلوم ہے مگر یہ بتلائیے کہ ان سے پہلے بھی کسی بزرگ سے حضرت صاحب کو عقیدت تھی یا نہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ صرف حضرت شیخ کلیم اللہ ہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس سے پہلے جن چیزوں کا شوق تھا ان کا پہلے تذکرہ کر چکا ہوں حافظ ارشد نے عرض کیا کہ حضرت صاحب کے کمالات کی وجہ سے حضرت شیخ کلیم اللہ کی شہرت ہوئی ورنہ شہر میں ان کا ایسا کوئی معتقد تھا۔

مرزا خیر اللہ نامی ایک صاحب شہر میں تھے جو علم رضا میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اکثر کہتے کہ میں حضرت شیخ کلیم اللہ کی خدمت میں استفادے کے لئے جاتا ہوں مگر مجھ پر کوئی اثر ظاہر ہی نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا فرماتے تھے۔ حضرت شیخ صاحب نے حضرت صاحب قبلہ کو صاف طور پر لکھدیا تھا کہ اللہ نے تم کو جس دن سے قبولیت عطا کی ہے اس دن سے میں اطمینان کی زندگی بسر کر رہا ہوں جس کی تربیت کی ضرورت سمجھوں گا تمھارے پاس بھیجدیا کروں۔

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ نے حضرت صاحب کو ایک رقعے میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ مدت سے میرے دوستوں کو کشود نہیں ہو رہا تھا۔ دکن سے تمھارے ایک مرید نے آکر نعرہ مارا اکدم فیض جاتا رہا۔ (کشود ہوگیا) اللہ تم کو اچھا رکھے اور حضرت صاحب کے ذکر میں اس سے

پہلے یہ بھی فرمایا کہ حضرت صاحب نے لوگوں کے ہجوم سے تنگ آکر حضرت شیخ کو اطلاع دی تو اُنھوں نے جواب میں تحریر فرمایا اب تم سے دنیا خود تنگ نظر آرہی ہے تمھاری خلوت کی جو جگہ ہو گی تمھارے سب دوست اس کو اپنے لئے مخصوص کر لیں گے۔ یہاں والے بھی وہیں آجائیں گے۔ اس وجہ سے اب تمھارے لئے یہ ضروری ہے کہ عقد کر لو تاکہ وہ وقت آجائے جس کا انتظار ہے یہ بھی ارشاد فرمایا حضرت شیخ صاحب نے میرے پیدا ہونے پر حضرت صاحب کو جو رقعہ لکھا تھا وہ میرے پاس اب تک موجود ہے جس میں اُنھوں نے میرے متعلق بہت سی بشارتیں دی ہیں اور ایسے الفاظ تحریر فرمائے ہیں جن سے میرے مرتبے کی بلندی ظاہر ہوتی ہے ان کے الفاظ کی صداقت کی برکت سے اللہ نے مجھ پر رحم فرمایا۔

برادر خورد میاں معین الدین کا تذکرہ

حضوری میسر ہوئی۔ دکن اور چھوٹے بھائیوں کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا میرے بھائی بہت سادہ دل تھے۔ تماشوں میں مشغول رہتے اور اسی کا شوق رکھتے اور مجکو لفظ مُلّا سے پکارا کرتے تھے۔ کیونکہ میں تماشوں وغیرہ میں بہت کم جاتا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے اس خطاب کی برکت سے مجکو اور لفظ مولوی سے مشہور فرما دیا۔ چھوٹے بھائی میاں غلام معین الدین کا ذکر ہوا، فقیر نے عرض کیا وہ جناب کے

مرید ہیں فرمایا ہاں یہ اور میاں غلام کلیم اللہ جواب تک زندہ ہیں وہ بھی میرے ہی مرید ہیں اور ہمشیرہ صاحبہ نے بھی مجھ سے مرید ہونے کا وعدہ کیا ہے اور ان کو اب تک اس کی تمنا ہے۔ مولانا اپنی ہمشیر کو آپا کہا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا کو ان سے بہت محبت ہے اور ہمشیر بھی اپنے بھائی سے محبت و شفقت فرماتی ہیں اور ان کے ساتھ بڑی زیارتوں کو جانے کا قصد ہے اکثر مولانا اس وعدے کو یاد فرمایا کرتے ہیں۔ اور خواجہ بزرگ کی زیارت کے متعلق بھی ہر سال اسی قسم کا تذکرہ فرماتے رہتے ہیں اور دل سے اس کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مگر ہم غریبوں کے حالات پر نظر کرتے ہوئے یہ ارادہ اب تک عملی جامہ پہن نہ سکا۔

حضرت مولانا کے ذاتی اخراجات کا تذکرہ

مشاہدے کی دولت میسر ہوئی۔ آہستہ فقیر سے فرمایا ایک جگہ سے پچاس آ گئے تھے۔ بیس تو بنئے کو دیدئے اور بیس روپئے سقہ کو اور اور پانچ روپئے قرض داروں کو دیدئے اس کے بعد فرمایا اس طرف جو کچھ آیا میں نے قرض داروں کو دیدیا کیونکہ قرضہ بہت ہو گیا تھا یکجائی طور پر ادا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس کے بعد میر بدیع الدین سے گانا حرام ہونے کے متعلق حضرت امام اعظم کا یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مجلس میں موجود تھے اور وہاں گانا شروع ہو گیا۔ حضرت

امام اعظمؒ بیٹھے رہے اس کے بعد لوگوں نے اس کی بابت دریافت فرمایا تو ارشاد ہوا۔ ابتلیت فصبرت یعنی مبتلا ہو گیا تو صبر کیا۔ اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ اگر تم سے کوئی پوچھے حرام پر صبر کس طرح کیا جاتا ہے تو تم جواب دینا کہ امام صاحب اس زمانے میں مجتہد نہیں ہوئے تھے دوسرے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر مجتہد بھی تھے تو منع کرنے کی قوت نہ رکھتے تھے۔ مگر یہ سب ظنی حوالے ہیں اور گمان پر یقین کا حکم لگانا کس طرح درست ہو سکتا ہے[1]۔ اتنے میں بادشاہ کے

---

[1] حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پڑوس میں ایک شخص رہتا تھا جس کا نام عُمر تھا۔ یہ رات میں اُٹھتا اور گایا کرتا اور امام اعظمؒ صاحب اس کا گانا سُننے کی طرف کان لگائے رہتے۔ ایک رات گانے کی آواز نہیں آئی تو امام صاحب کو بہت فکر ہوئی صبح اس کے گھر والوں سے پوچھا۔ معلوم ہوا کہ وہ قید ہو گیا ہے یہ سُنتے ہی آپ نے عمامہ باندھا اور حاکم وقت کے پاس گئے اور پڑوسی کی سفارش کی۔ حاکم وقت نے پوچھا اُس کا نام کیا ہے آپ نے فرمایا عُمر۔ حاکم وقت پر جناب امام صاحب کی سفارش کا اتنا اثر ہوا کہ عُمر نام کے جتنے قیدی تھے سب چھوڑ دئے گئے۔ یہ عمر بھی چھوٹ گیا اور گھر پہنچ گیا۔ جب وہ گھر آ گیا تو حضرت امام صاحب نے اس سے کہا کہ تم ہر رات جو کام کیا کرتے تھے اُسی میں مشغول رہو۔ اس عمل سے امام اعظم صاحب کا گانا سُننا ثابت ہے (کتاب عقائد العزیز صفحہ ۱۲۲) اس کے

یہاں سے کوئی پھول اور شیرینی لایا۔ چاہتا تھا کہ انعام دیں مگر حضرت نے اس طرف کوئی توجہ نہ کی۔ آخر لانے والے نے اصرار کیا تو دو پیسے اُس کو دیدئیے اور رخصت کر دیا۔

پھر یہ قصہ بیان کیا کہ حضرت کلیم اللہ کے پاس کوئی کھانا لایا اور انعام مانگا۔ اُنھوں نے فرمایا کھانا واپس لے جاؤ اور کہدینا کہ مجھ پر کوئی احسان نہیں ہے اس نے لاکھ اصرار کیا مگر آپ نے نہیں لیا آخر اُس نے اپنے مالک کو خبر کی اُس نے معافی چاہی حضرت شیخ کلیم اللہ نے فرمایا کیوں تم نے ایسے جاہل مزاج انسان کے ذریعہ بھیجا۔

(بقیہ فٹ نوٹ صہ ۱۴۱ بسلسلہ صفحہ گذشتہ)

علاوہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں یہ بھی لکھا ہے کہ سماع حرام ہونے کی بابت کوئی نص صریح یا صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی جو حدیثیں بیان کی جاتی ہیں وہ موضوع یا مطعون یا ضعیف ہیں (کتاب روض الازہر صفحہ ۴۳۸) حضرت شاہ عزیز اللہ صفی پوری کی کتاب عقائد العزیز میں ہے کہ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص دف پر گانا سننے کو حرام کہے اُس نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فعل سے انکار کیا۔ صفحہ ۱۳۳ میں لکھتے ہیں کہ جس گانے کی بابت حکم ہے کہ وہ نفاق اگاتا ہے وہ وہی گانا ہے جس کا شہوت، فسق، فجور یعنی گناہوں سے تعلق ہو اور ایسے گانوں کو حضرات صوفیہ کے گانے (سماع) سے کیا تعلق۔ تفصیل کے لئے علامہ جعفر شاہ صاحب کی کتاب اسلام اور موسیقی دیکھئے اور مختصر بیان دیکھنا ہو تو ہماری کتاب سماع کی حقیقت ملاحظہ فرمائیے۔ (درد کاکوروی)

میاں عبداللہ اور شمس الدین کا تذکرہ

قدم بوسی کی دولت میسر ہوئی میاں عبداللہ کا ذکر آیا کہ میں عبداللہ سے جو بات کہتا ہوں وہ اس کلخیاں رکھتے ہیں۔ شمس الدین بھی بات سُننے ہیں۔ جو کچھ کہتا ہوں یاد رکھتے ہیں اور اگر ان سے کام پورا نہ ہوا تو کم سے کم کوشش تو کرتے ہیں۔ میر شمس الدین قصبہ لونی کے ہیں اور درویشوں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور قصبہ ڈاسنہ کے مشائخوں کے قریبی رشتہ دار ہیں شاہ کمال جو قصبہ ڈاسنہ کے بزرگوں میں سے تھے ان سے قریب کی قرابت رکھتے تھے اور کسب و شغل بھی اُنھوں نے ان سے حاصل کیا تھا اُنھوں نے اسی حالت میں زندگی گزار دی اتفاق سے حضرت مولانا کی خدمت میں بھی آنے جانے لگے۔ خواجہ بزرگ آستانے پر بھی مدتوں رہے اور خواجہ خواجگان کے اشارے پر اُنھوں نے مولانا کا توسل اختیار کیا اور باطنی نسبت سے فیض یاب ہوئے اور بیعت کی اجازت بھی حاصل کر لی ان پر مولانا کی بہت عنایت تھی۔ ان کو اللہ نے ایسا اثر دیا تھا کہ قرب و جوار کے لوگ خصوصاً منجھور قصبہ کے اطراف کے لوگ ان کے مرید ہو گئے۔ وہاں کے حاکم اور رئیس بھی خادم ہو گئے۔

حضرت مولانا کے ارشاد کے بموجب اس علاقے میں بھی یہ چند روز رہے اور یہاں بھی حاضری دیتے رہتے ہیں۔ حضرت خواجہ خواجگان

کے یہاں بھی ان کے لئے ایک حجرہ مقرر ہے۔ ان کے دوست اگرچہ دنیا دار ہیں مگر ان کی فیاض طبیعت کی وجہ سے اکثر لوگ صاحب حال ہو گئے۔ ان کی معاش بہت نہیں ہے۔ ضرورت کے موافق گزر بسر ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ فتوحات ہوتی ہیں وہ مولانا کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں اور اپنے رشتہ داروں کو بھی کچھ دیدیا کرتے ہیں۔ بہت خلیق اور نیک ہیں۔

حدیث شریف کے درس کا تذکرہ

حاضری کی دولت میسر ہوئی، مولانا حدیث پڑھا رہے تھے کہ اتنے میں اس مسئلے کا تذکرہ آیا کہ بعض عورتیں آپس میں نفسانی لذت لینے کے لئے بڑا کام کیا کرتی ہیں شرع شریف میں اس کا کیا حکم ہے مولانا نے فرمایا کہ اس کی حد (سزا) کتاب وفا میں دیکھی گئی ہے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ لواطت کی حد؟ (اغلام کی سزا) فرمایا یہی حرق (جلانا) ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ شیعہ لوگوں کا اعتراض ہے۔ میں نے ان کی کتابوں میں دیکھا ہے اور ان کے یہاں کے مجتہد کا نام بھی لیا، یہ بھی فرمایا کہ اس مجتہد نے لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانے میں ایسا واقعہ پیش آیا تھا حالانکہ کتاب میں حرق کا لفظ کہیں نہیں آیا ہے۔ ابن تیمیہ نے جواب دیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں ایک شخص جلایا گیا ہے۔

اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ متعصب عالم۔ مرتبوں کا ذرا بھی لحاظ نہیں رکھتے۔ چنانچہ اس معاملے میں ایک شخص نے بے تحاشا حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف ایک واقعے کو منسوب کر دیا پھر اُن کے مقابلے میں حضرت علیؓ کا بھی نام لے لیا۔ تہذیب اور ترغیب میں جو فن حدیث کی عمدہ کتابیں ہیں اس قصے کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانے میں کسی نے ایک لڑکے سے نکاح کر لیا تھا۔ جب حضرت صدیق اکبرؓ کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا تو حیران ہو گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا جو شرعی سزا مقرر کی جاتی پس سب صحابی جمع ہوئے اور مشورے میں یہ طے پایا کہ جس نے ایسا کیا ہے اُس کو جلا دیں۔ اُس کو جلا دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہ کے زمانے میں ایسا ہی واقعہ پیش آیا تو حضرت علیؓ نے اس کی وہی سزا دی جو خلیفہ اول کے وقت میں دی گئی تھی۔ جو کوئی مرد سے نکاح کرے اس کے لئے دونوں خلافتوں میں جلا دینے کی سزا عمل میں آئی ہے۔

حضور کا نقشِ قدم

اس کے بعد حدیث شریف کا ذکر آیا کہ حضرت علیہ الصلوٰۃ السلام نے کسی ضرورت سے پتھر پر پتھر مارا نقش پڑ گیا۔ اس سلسلے میں مولانا نے فرمایا کہ اس طرح معجزے کا ثبوت مل گیا۔ یعنی

اسی طرح پتھر پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قدم کا نشان بھی پڑ گیا ہوگا) حضور صلواۃ اللہ علیہ کے نقش قدم کے پتھر اکثر جگہ پائے جاتے ہیں۔ اگر ملا لوگ اس کی صحت میں حجت کریں تو اس حدیث سے اس کو مدلل کر لینا چاہیئے۔ (حضور کے نقش قدم سے کے متعلق حاشئے میں تفصیل ملاحظہ ہو)۔ ؎۵

؎۵ شفائے قاضی عیاض مطبوعہ استنبول میں ہے کہ شہاب خفاجی نے شرح شفا میں لکھا ہے کہ جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بعض وقت جب ننگے پاؤں چلتے تھے تو پتھر آپ کے قدوم مبارک کے نیچے نرم ہوجاتے تھے اور ان میں قدم کا نشان پڑ جاتا تھا چنانچہ وہ پتھر جہاں جہاں تبرکاً محفوظ چلے آتے ہیں اب بھی موجود ہیں۔ بیت المقدس اور مصر میں متعدد جگہ پائے جاتے ہیں۔ سلطان قائتبائی نے بیس ہزار دینار سے ایسا ایک پتھر خرید رکھا تھا اور وصیت کی تھی کہ میری قبر کے پاس اسے نصب کیا جائے چنانچہ وہ اب تک وہاں موجود ہے (کتاب حجۃ اللہ العالمین صفحہ ۵۲ ۴ - وکتاب بے مثل بشر صفحہ ۱۳۸) اسی سلسلے میں یہ بھی بیان کر دینا بہتر ہے کہ بعض مقامات پر حضورؐ کے بال مبارک ہیں ان کی زیارت ہوتی ہے (جو ان کے باپ دادا یا اُن کے بزرگوں سے ان کو پہنچے ہیں) بال مبارک کے متعلق بہت سی حدیثیں ہیں۔ صرف دو لکھتا ہوں۔ ابن سعد نے محمد ابن سیرین ؒ سے نقل کیا ہے کہ میں نے عبیدہ رضؓ سے کہا کہ ہمارے پاس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کچھ بال ہیں جو ہم کو انس رضی اللہ عنہ سے ملے ہیں۔

حضرت صاحب قبلہؒ سے مرید ہونے کا تذکرہ

قدم بوسی کی دولت ملی۔ فقیر نے عرض کیا کہ حضرت صاحب قبلہ سے کس عمر میں آپ کو بیعت کرنے کا اتفاق ہوا۔ ارشاد فرمایا کہ بچپن میں ایک دن حضرت صاحب نے بی جی صاحبہ سے کہا کہ فخرالدین کو بلاؤ۔ میں بلایا گیا اور مجھے حضرت نے مرید کر لیا۔ لیکن اُس وقت حضرت صاحب پر ایک جذبی کیفیت تھی اُس کے بعد فقیر نے سوال کیا کہ حضرت صاحب قبلہ سے آپ کو جو نسبت تھی اور ہے۔ حضرت صاحب کے دوستوں میں سے کوئی اس سے واقف نہ تھا۔ کہ بی جی صاحبہ کو صرف خبر تھی کہ

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ ص ۱۴۶)

محمد بن سیرین۔ یہ سُن کر کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک بال کا میرے پاس ہونا مجکو دنیا و ما فیہا سے زیادہ تر پسند ہے۔ کتاب بیہقی کی عبارت یہ ہے کہ خالد بن ولید کی ٹوپی میں جو وہ ہر وقت اپنی دستار کے نیچے رکھتے تھے رسول اللہ کے بال مبارک سلے ہوئے تھے۔ ان (بالوں کی) برکت سے وہ جس لڑائی میں جاتے اور وہ ٹوپی اُن کے سر پر ہوتی تو ضرور ہی فتح پاتے (کتاب بے مثل بشر صفحہ ۳۴)۔ اس کتاب میں حضورؐ کے بال مبارک وغیرہ کے متعلق بہت سی حدیثیں ہیں۔ صحابہ حضورؐ کے عاشق تھے اور آپ جانتے تھے کہ میرے بعد یہ میری صورت کو ترس جائیں گے۔ جس سے ان کو بہت بے چینی ہو گی، اس لئے آپ نے اپنے بال تقسیم فرما دیئے (علم و عمل مواعظ مولانا اشرف علی)۔ درد کاکوروی)

حضرت صاحب آپ کو بہت چاہتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا تم مجکو خود اس راہ میں جیسا جانتے ہو ویسا مجھ سے کوئی واقف نہیں ہے۔ مگر دوسری وضع سے مجکو لوگ دنیاداری اور سپہ گری کے رنگ میں دیکھ چکے ہیں کہ اچھا سپاہی ہے اور اس نے بہت سے قلعے فتح کئے ہیں ورنہ سپہ گری اور شمشیر زنی سے دو ہی ایک آدمی واقف ہوں گے۔ اس سلسلے میں ترک تازخاں کے بیٹے خواجہ احمد خاں قوی جنگ کا تذکرہ فرمایا کہ یہ اس وقت ہمارے بڑے دوست تھے اور ہر قسم کی طوائف سے ان کو عشق تھا۔ چنانچہ ان کی خاطر سے میں ایک دن جنگی خانے میں شریک تھا اور اُن کی معشوقہ کہیں سے اُٹھ کر چند قدم پیادہ پا ان کے ہمراہ جارہی تھی اور جب ہم اور یہ ایک ہی جگہ اُٹھتے بیٹھتے تھے تو ہم کو ان دونوں عاشق و معشوق کی نشست و برخاست بہت اچھی معلوم ہوتی تھی خاص کر جب یہ دونوں نشے میں چور ہوتے تھے یا ان کی معشوقہ ان سے ناز اور غمزے کرتی تھی تو میں اس سے لطف لیتا۔

ایک دن نہ معلوم کیا بات ہوئی کہ یہ مرید ہونے کے لئے میرے سر ہو گئے لاکھ منع کیا مگر اُنھوں نے نہ مانا اور وہ یارانہ سلوک موقوف کر دیا تو شروع ملاقات میں جو لطف آتا تھا وہ جاتا رہا۔ ترک تازخاں کے بیٹے قوی جنگ نواب آصف جاہ کے عمدہ سرداروں میں تھے۔ اب یہ احمد نگر میں امیرانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کی درخواستیں انتہائی عقیدت سے اب بھی مولانا کی خدمت میں آتی رہتی ہیں اور مولانا ان کو خصوصیت

سے یاد کیا کرتے ہیں۔

حافظ محمد ارشد کا تذکرہ

دولت مشاہدہ میسر ہوئی۔ حافظ محمد ارشد کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ ہم نے رات کو مولانا رومؒ کے دو مصرعوں پر تقریر کی۔ ملا جامی نے بھی تقریر کی ہے۔ مگر کس قدر صاف ہے میاں ارشد نے عرض کیا کہ ملا جامی نے مثنوی کی شرح کی تو ہے۔ فرمایا ہاں مثنوی کے بعض مشکل اشعار کی شرح کی ہے مگر کتنی واضح شرح فرمائی ہے۔ اس طرح کوئی دوسرا شرح نہیں کر سکتا۔

ایک معتقد شخص کا ذکر

رات میں قدم بوسی کی دولت میسر ہوئی۔ فقیر نے آہستہ سے عرض کیا کہ فلاں شخص عرصہ سے آپ کے دامن سے وابستہ ہے اور دنیوی امر کا خواہشمند ہے اور جناب سے ان کا جو توسل ہے وہ مشہور ہے۔ پھر تو ان پر نظر عنایت ہونی چاہیئے۔ فرمایا کہ ہم کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے کہ فلاں شخص ہمارا متوسل ہے۔ پھر بھی خدا کرے کہ کسی کا کام ہو جائے مگر استغفر اللہ مجھے خدا کے کارخانے میں کوئی دخل نہیں ہے حق سبحانہ تعالےٰ کو منظور ہوگا تو کام ہو جائیگا۔

حضرت مولانا کے ارشادات کا تذکرہ (مرضی خدا)

حضوری کی دولت میسر ہوئی۔ ارشاد فرمایا کہ اس وقت گرمی بہت معلوم ہو رہی ہے یہ فرما کر کپڑے اتار ڈالے چند خادم بچے حاضر تھے۔ اور یہ ناچیز معنی کے لحاظ سے بچہ اور ظاہری لحاظ سے جوان حاضر تھا بے تکلفانہ نشست تھی۔ گرمی کی وجہ سے فرمایا۔ کہیں سے اگر نارنگی ملے تو کھائی جائے، پھر فرمایا اچھا بازار سے جلد لے آؤ، آدمی بھیجا ہی جا رہا تھا کہ حافظ محمد ماہ پانچ سنترے لے کر آئے جو نارنگی کی بہترین قسم ہے۔ مولانا نے فرمایا سبحان اللہ۔ خدا کا لاکھوں کروڑوں بار شکر ہے۔ ہم جیسے آزاد لوگوں کے ساتھ خدا ایسا سلوک کرتا ہے اور یہ الفاظ کچھ اس طرح فرمائے کہ میرا جسم کانپ اٹھا اور حضرت مولانا کا رنگ بھی متغیر ہو گیا۔ اور یہ واقعہ بہت سے معنی رکھتا ہے جس کی تفصیل بیان نہیں کی جا سکتی

پھر فرمایا:۔ ہم اللہ کی مرضی کے تابع اور شاکر ہیں۔ پھر کسی مرید یا کسی طالب کے لئے بارگاہ الٰہی میں خلاف کس طرح عرض کروں جو کچھ ہوتا ہے خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے یہ حافظ محمد پناہ ایک صاحب ہیں جو پنجاب کے کسی قصبے کے ہیں دوکانداری کرتے ہیں اور مولانا کے معتقد ہونے سے پہلے شیعہ تھے خدا کے فضل سے اب سنی ہو گئے ہیں۔ اور مولانا کے مرید ہیں۔

اور ان سے بہت محبت رکھتے ہیں اور ان کا یہ قاعدہ ہے کہ حضرت مولانا کی خدمت میں کبھی خالی ہاتھ نہیں آتے نذر کے لئے میوہ یا شیرینی ضرور لاتے ہیں جب حضرت مولانا آستانۂ محبوب الٰہی یا حضرت صاحب کی زیارت کو جاتے ہیں یہ صاحب معمول کے موافق اپنے وقت پر جو صبح کی نماز کا وقت ہوتا ہے پہنچ جاتے ہیں ملاقات کے لئے۔ یہ جو دن مقرر کرتے ہیں ان میں فرق نہیں آتا بلکہ اکثر حضوری میں آکر نماز پڑھا کرتے ہیں اور رمضان شریف میں مولانا تراویح کے سوا تہجد میں بھی قرآن شریف سُنتے ہیں۔ اور حدیث شریف سے یہی دو صورتیں معلوم بھی ہوئی ہیں۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ انھیں حافظ محمد پناہ نے ـــــ تہجد میں قرآن شریف سنایا ہے اور مولانا نے سنا ہے ورنہ یہ دولت میر بدیع الدین کو ملا کرتی ہے اور ایک مرتبہ ابتدائی دَور میں فقیر سے بھی یہی ارشاد فرمایا گیا۔ چنانچہ حسب ارشاد شروع کے دس پارے میں نے حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ کی مسجد میں سُنائے تھے۔

ایک روز حضرت مولانا خواجہ صاحب کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تھے کہ راستے میں حافظ جیو نے ولایتی انار مولانا کی خدمت میں پیش کیا۔ مولانا نے فرمایا۔ اب یہ تنہائی میں آکر مجھ سے ملیں گے۔ چنانچہ آئے ملے اور کامیاب ہو گئے۔ چند روز کے بعد مولانا نے فرمایا ایک انار دے کر اچھا شغل وہ ہم سے لے گئے۔ لوگ تمنا کرتے

ہیں اور میں نہیں بنتا تا مگر اُن کے نصیب میں تھا لے گئے۔ ہم نے ان سے وعدہ لے لیا اور جو کچھ کہنا تھا کہدیا۔ اس کے بعد فرمایا ہم کو ایسی باتوں میں کچھ دخل نہیں ہے۔ خدا جو چاہتا ہے ہوتا ہے، بندے کو کچھ قدرت نہیں۔ اکثر لوگوں کو کچھ دینے کا ارادہ کرتا ہوں لیکن بلحاظ موقع اگر کچھ نہ دے سکا تو دوسری جگہ اس سے زیادہ ضروری کام میں خرچ ہو جاتا ہے۔

خیر و شر کے بیان میں

دولت مشاہدہ میسر ہوئی فقیر کا ابتدائی زمانہ تھا ان دنوں مشغولی بھی کرتا تھا۔ اور کچھ مجھ پر کھل بھی گیا تھا۔ مولانا مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمایا انسان کو چاہیے کہ بھلائی بُرائی جو کچھ پیش آئے سب کو خدا کی طرف سے سمجھے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تو تمام مومنوں کا عقیدہ ہے جو کچھ ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ فرمایا ہے تو یہی۔ مگر اس خیال کو ہر وقت پیش نظر رکھنا بہت مشکل ہے۔

حضرت خواجہ قطب الدینؒ کا ذکر

دولت قدم بوسی میسر ہوئی۔ حضرت خواجہ قطب الدینؒ کا تذکرہ آگیا۔ فرمایا۔ یہ عجیب غریب نواز ہیں اس سلسلے میں حضرت شاہ نظام الدینؒ نارنولی قدس سرہ کا تذکرہ آیا، ارشاد فرمایا کہ وہ عجیب با استقلال بزرگ

تھے۔ چنانچہ بارہ سال تک حضرت قطب الاقطابؒ کے آستانے پر رہے کچھ کشود کار نہ ہوا مگر ذرا بھی شاکی نہیں ہوئے۔ ایک دن حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ کے عرس میں آئے اور درگاہ کا جلوس دیکھا۔ بہت خوش ہوئے اور کہا خدا کا شکر ہے کہ ہمارے پیروں کے آستانے پر ایسا جلوس ہے، اتنے لوگ آتے ہیں جیسے ہی یہ خطرہ دل میں آیا۔ حضرت خواجہ قطب الدینؒ کی روح مبارک حاضر ہوئی اور ہر رات۔ یہ جس چیز کی التجا کیا کرتے تھے وہ چیز عنایت ہو جایا کرتی تھی۔ اس طرح مقصود حاصل ہو گیا۔ ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا۔ سارا کام عنایت پر ہے اور کچھ نہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ اذکار و اشغال سے بھی بڑھ کر محبت ہے اور یہ بزرگ نائب رسول اللہ ہیں جو رحمۃ للعالمین ہیں جیسے ہی وقت آ جاتا ہے پلک مارنے میں مدعا مل جاتا ہے۔ ع باکریماں کارہا دشوار نیست۔ فقیر کے اعتقاد میں بزرگوں کے آستانے پر خدمت اور حاضر باشی بڑی چیز ہے بڑی دولت ہے جو بیان میں نہیں آسکتی۔ خصوصاً آستانہ عالیہ خواجہ قطب الاقطاب جو مدینۂ منورہ کا نمونہ ہے بلحاظ استعداد یہاں سے غریب نوازی ہوتی ہے۔ اور دولتیں مل جایا کرتی ہیں۔

ایک دوسرا تذکرہ (نامۂ اعمال میں نیکی)

دولت قدم بوسی میسر ہوئی۔ حضرت سلطان مشائخ کے آستانے

میں نیم کا درخت جو مجلس خانے کے دالان کے سامنے ہے وہاں حضرت مولانا کھڑے ہوئے تھے ارشاد فرمایا یہاں کی حاضری سے اس کے سوا ہمارا کچھ مطلب نہیں ہے کہ چند گھڑیاں یہاں گزر جائیں اور نامہ اعمال میں لکھی جائیں کہ فلاں وقت فلاں جگہ یہ وقت گزرا ہے۔ اسی کو ہم غنیمت جانتے ہیں یہ اس طرح ارشاد فرمایا کہ سُننے والوں پر رقت طاری ہوگئی۔

شیخ عبدالعزیز چشتی کا تذکرہ

حاضری کی دولت میسر ہوئی۔ حضرت شیخ عبدالعزیز چشتی کا تذکرہ ہوا، اس کتاب میں موصوف کے اوصاف لکھنے کی ضرورت نہیں پائی جاتی ان کی بزرگی اور کمالات اظہر من الشمس ہیں۔ چشتیہ مشائخ میں یہ بڑے فاضل بزرگ گزرے ہیں محلہ کوشک انور میں رہتے تھے۔ وہیں ان کا مزار شریف ہے۔ ان کے فضائل ہر ایک جانتا اور بیان کرتا ہے۔ حضرت مولانا نے ارشاد فرمایا کہ ہم کو بھی ان کے مزار سے کشف ہوا ہے۔ ایک دن ہمارے پاس بالکل خرچ نہ تھا، ان کی زیارت کے لئے گئے۔ تلاش کی تو دوستوں کے بچوں میں سے کسی کے پاس دو یا تین پیسے نکلے لے کر دیئے پھر وہاں سے روانہ ہوگئے۔ ایک آدمی آیا اور اس نے چالیس یا پچاس روپئے نذر دیئے ہم سمجھ گئے یہ موصوف کی توجہ سے ملا ہے۔ اس کے بعد ذکر ہوا کہ کوئی آدمی جوتے پہن کر وہاں آگیا تھا اور اس کے جوتے کا رنگ سبز تھا۔

ارشاد فرمایا جوتا کسی اور رنگ کا پہنا بہتر ہے۔ سبز رنگ کے جوتے کی ممانعت ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو آدمی کسی کا مرید ہو اور اور پھر ہمارے پاس آئے تو اگرچہ وہ ہم سے محبت کرتا ہے لیکن پھر بھی ہم کو اس سے وہ بے تکلفی نہیں ہوتی جو اپنے مریدوں سے ہوتی ہے اور یہ بات خاص غصے کی حالت میں بہت مشکل ہے۔ کیونکہ اپنے مرید پر ہم بے تحاشہ غصہ ہو سکتے ہیں اور وہ برا بھی نہیں مانتا اس کے برخلاف وہ شخص جو کسی اور کا مرید تھا اور اب ہمارا معتقد ہو گیا ہے۔

حضرت مولوی رومؒ کا تذکرہ

(مثنوی کے شعر کا فیض)

حضوری کی دولت میسر ہوئی۔ حضرت مولانا رومؒ کا تذکرہ آیا فرمایا عجیب بزرگ گزرے ہیں ہم پر ان کی بہت عنایت ہے۔ جب میں نے کسی امر سے نکلنے کا ارادہ کیا تو کبھی ارادہ قوی ہو جاتا تھا اور کبھی میں رکاوٹیں پیدا ہوتی تھیں آخر کار مولانا رومؒ کے اس شعر نے مجھے استقلال عطا فرمادیا ؎

بند بگسل باش آزاد اے پسر — چند باشی بند سیم و بند زر

(مطلب یہ ہے کہ بند (خیالی پابندی) کو ڈھیلا چھوڑ دے آزاد ہو جا۔ سونے چاندی کی فکروں میں آخر کب تک رہے گا)۔

یہی شعر میرا رہبر بنا۔

ایک اور تذکرہ (بینائی اور طرح طرح کی صورتیں)

دولت قدم بوسی میسر ہوئی اسمائے اعمال کا تذکرہ آیا۔ ارشاد فرمایا۔ ایک بار کسی نے (کسی اسم کا عمل) پڑھنے کے لئے کہا تھا۔ میں رات کے وقت عمل پڑھتا تھا۔ ایک شکل دکھلائی دی جس کے پاؤں میری طرف تھے۔ اور سر آسمان پر۔ میں بھی اُس زمانے میں بہت دیوانہ تھا میں نے اپنے سر کو بہت ہمت سے زانو پر رکھ دیا۔ ناک سے خون جاری ہوگیا وہ شکل غائب ہوگئی اس کی وجہ سے بھی میری بینائی میں خلل آگیا ہے اور کمزوری نظر کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لڑائی میں ہم نے قلعہ پر مورچہ بنایا تھا اور کئی آدمیوں کے ساتھ مورچے سے آگے قلعہ کے نیچے پناہ لی تھی وہاں بندوق نہیں پہنچ سکتی تھی اور جو آدمی وہاں تھے وہ کوئی مدد نہیں دے سکتے تھے۔ وہاں زقوم[1] کے کچھ درخت تھے اور ایک تالاب میں زقوم کے درخت کی شاخ جھکی ہوئی تھی۔ تین رات دن ہم ایسی حالت میں رہے برق اندازی کو شدت سے آدمی بھی ہمارے ہمارے پاس چلے آئے اسی تالاب کا پانی پینا پڑا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت سے آدمی مر گئے۔ اور ہماری بینائی میں ضعف آگیا۔ چنانچہ اب بھی اس کا کچھ اثر موجود ہے مگر اللہ نے فتح دی۔

---

[1] تھوہڑ کو کہتے ہیں۔

دوسرے دن اسی سلسلے میں فرمایا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے صدقے میں بینائی قائم رہی۔ جتنی ہے یہ اُسی کی برکت ہے۔ لیکن اس سے پہلے جو کچھ ہوا۔ ہو گیا۔ جس دن سے سرمہ لگانا شروع کیا ہے خدا کے فضل سے بہت فائدہ ہے۔ دراصل یہاں آں حضرت کی اتباع کا اظہار مقصود ہے کہ اسی کی وجہ سے آنکھ کی روشنی برقرار رہی۔

اس کے بعد یہ ذکر ہوا کہ مشغولی میں طرح طرح کی صورتیں دکھائی دیتی ہیں لیکن یہ کس طرح سمجھا جائے کہ آیا یہ جمالی صورتیں ہیں یا شیطان ہے ارشاد فرمایا کہ کسی نے حضرت یحییٰ مدنیؒ کو مشغولی کے عالم میں دیکھا اور حضرت کی صورت اس کے خیال میں تھی تو حضرت شیخ نے کہا کہ تم لاحول پڑھو اگر یحییٰ مدنی ہے تو خیر ورنہ اور کوئی شکل (شیطانی) ہے تو دفع ہو جائے گی۔

معاش اور فقر و فاقے کا تذکرہ

حاضری کی دولت میسر ہوئی معاش اور فقر و فاقے کا ذکر آیا۔ فرمایا میں جس دن سے اس شہر میں آیا ہوں فاقہ کم ہوا صرف ایک رات دن یہ کیفیت رہی۔ صبح ہوتے ہی ایک دوست آئے اور کچھ روپیہ لائے اور کہا کہ حضرت عباس ابن علیؓ کی نذر ہے جو آپ کے لیے لایا ہوں۔ حضرت امام کی توجہ سے وہ تکلیف جاتی رہی۔

حافظ اسعد کا تذکرہ (کام - نذرانہ - عمل)

دولت قدم بوسی نصیب ہوئی ۔ حضرت مولانا نے محمد اسعدؒ کے کمالات بیان فرمائے ۔ اور یہ کہ وہ بہت بڑے عامل تھے ۔ اگر کوئی حاجتمند آتا اور اپنا حال عرض کرتا کہ میرے فلاں ملنے والے فلاں مقدمے میں پھنس گئے ہیں اگر آپ کی توجہ سے چھوٹ گئے تو اتنے روپے آپ کے نذر کروں گا ۔ آپ رقم کا تعین فرماکر اس کا کام کر دیتے ۔

اتفاق سے اگر اُس نے نذر نہ دی تو کسی آدمی سے کہتے کہ فلاں صاحب سے اتنی رقم لے آؤ اگر دینے میں عذر کریں گے تو ان کی گردن ان کے پاؤں خود بخود بندھ جائیں گے ۔ اس کو میں نے تمھاری زبان پر چھوڑ دیا ہے ۔ جب تم میری طرف سے اپنی زبان سے کہوگے تو یہ صورت واقع ہو جائے گی ۔

اور فی الحقیقت ایسا ہی ہوتا تھا کہ ان کی (یا ان کے قاصد کی) زبان پر یہ بات موقوف تھی جیسے ہی کہ وہ اپنی زبان سے یہ کہتا حضرت جو کچھ فرماتے ویسا ہی ہو جاتا تھا اور فرمایا کرتے کہ جب میں کسی کی حاجت کے لئے کوئی عمل کرتا ہوں تو پہلے ہی سے سزا کی تیاری کر لیتا ہوں ۔ وعدے میں ذرا بھی فرق آیا تو پھر دیر نہیں کرتا ۔

یہ دنیا دار لوگ ہیں ان سے جب تک سختی نہ کی جائے کام

نہیں چلتا ان دنیاداروں کا کچھ اعتبار نہیں۔ اگر کسی نے یہ کہا کہ اعتبار نہ ہو تو رقم فلاں ساہوکار کے پاس جمع کر دوں جب میرا کام ہو جائے گا۔ آپ لے لیجئے گا تو فرماتے امانت وغیرہ کی ضرورت نہیں اگر رقم دینے کی آپ میں مقدرت نہیں تو پھر آپ کا کام کس طرح ہو گا۔

حضرت مولانا نے فرمایا۔ ہماری حویلی کے قریب ایک مالدار کی عمدہ حویلی تھی۔ حویلی والا ہم سے بہ چند وجوہ جھگڑتا رہتا تاہم جمعیت کی قوت اور شخصیت سے خانہ جنگی کو دفع کرتے رہتے تھے۔ جب تین دفعہ پھر ایسا ہی ہوا تو حافظ جیو نے کہا اس قدر آپ پریشان کیوں ہیں۔ میں آپ کے مکان میں رہتا ہوں جھگڑا دفع کرنے کے بارے میں آپ کو اتنی کوشش کی کیا ضرورت ہے مجھ سے فرمائیے۔ میں ایک منٹ میں اس کو جہنم پہنچائے دیتا ہوں۔ میں نے منع کیا کہ مجھ سے یہ نہ ہو گا۔

حضرت مولانا نے فرمایا کہ ایک بار ایک صاحب جو شیخ وقت تھے اُن سے اور حافظ جیو سے مقابلہ ہوا۔ اُنھوں نے (یعنی شیخ وقت صاحب نے) ان کو مُلّا نا خیال کر کے اپنے پیر کے سامنے بہت بُرا بھلا کہا۔ حافظ جیو نے کہا بس خبردار رہو، دیکھو میں اب تمھاری فکر میں ہوں اس بات کو ایک ہفتہ نہ ہوا تھا کہ ان کے گھوڑے مرنا شروع ہو گئے۔ اونٹ مر گئے۔ لونڈیاں غلام مر گئے۔ کہا اب عنقریب تم بھی ختم ہونے والے ہو۔ اگر کچھ قوت رکھتے ہو تو اپنی طاقت دکھلاؤ۔ آخر شیخ وقت صاحب نے بہت عاجزی کی اور لوگوں کے کہنے سننے سے حافظ جیو صاحب

نے قصور معاف کر دیا۔ ان کی وجہ سے ایسے تجربے ہوتے رہتے ہیں
فقیر نے عرض کیا کہ حافظ جیو صاحب کو ایسے اعمال کہاں سے ہاتھ آگئے
ارشاد فرمایا۔ سنو! واقعہ یہ ہے کہ یہ مسجد میں مجھ سے حدیث شریف پڑھا
کرتے تھے اور جو کوئی وہاں آتا اس سے کہتے کہ اگر تمھارے پاس کوئی
عمل ہے تو خدا کے لئے ہم کو بتا دو اکثر لوگوں نے عمل کی اجازت دی۔
مغرب کی طرف سے ایک فقیر صاحب وہاں آئے۔ دیکھا ایک آدمی مسجد میں
رو رہا ہے انھوں نے اس کا حال پوچھا، اس نے کہا میں ایک ایسی
بلا میں گرفتار ہوں جو کہنے کے قابل نہیں ہے۔ یعنی میری بیوی میرے
قابو میں نہیں ہے۔ میں غریب آدمی ہوں اور وہ ہر سال رومی غلاموں
کو خریدتی ہے اور ان سے مشغول رہتی ہے اور مجکو اس کی طاقت نہیں
کہ اس کو روک سکوں۔ فقیر نے پوچھا کہ کبھی ہم بستری کا موقع ہوتا ہے
کہا اگر اس کا دل چاہا تو بہت دن میں ایسا اتفاق ہوتا ہے۔

کہا اچھا میں تم کو ایک چیز بتاتا ہوں تم یہ عمل کرو، اس کے بعد
تمھارے سوا کوئی اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ ان کو ایک عمل بتایا۔
سال دو سال کے بعد پھر وہی فقیر صاحب آئے تو اس آدمی کو بہت
عزت و عظمت والا پایا، حالات دریافت کئے۔ اس نے کہا آپ کی برکت
سے ہر طرح کی لذت اٹھا رہا ہوں۔ میری عورت نے غلاموں کی خریداری
موقوف کر دی اور میرے سوا اس کو کسی پر قابو نہ رہا۔ آخر مجبور اً میری طرف
متوجہ ہو گئی اب میری محتاج ہے۔

یہ عمل بھی حافظ جیو کو معلوم تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہمارے ساتھ بہت سی کنیزیں ہیں اور اسی عمل کی قوت سے نامعلوم شہروں میں ہم پھرا کرتے ہیں اور اطمینان حاصل ہے اور اکثر اعمال کی سند حضرت مولانا نے حافظ جیو سے حاصل کی تھی اور حدیث شریف کی صحت بھی انھیں سے کی تھی۔ علاوہ یہ حافظ جیو شیخ محمد طاہر کے شاگرد تھے جو حضرت شیخ ابراہیم کُردی کے بیٹے تھے۔ اس کے علاوہ یہ فن حدیث کے بھی جامع تھے۔ ان کو اہلِ بیت نبوی سے بڑی محبت تھی۔

مولانا نے ان کے انتقال کا حال بیان فرمایا کہ حافظ جیو نے ہم کو لکھا تھا کہ میں نے رات واقعے میں دیکھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ رہو ہم شہید ہو جائیں گے تم کو بھی مبارک اور ہم کو بھی مبارک۔

چند روز کے بعد جب وہ نواب ناصر جنگ کے ساتھ تھے اُنھوں نے ایک نابکار نصاری کے ہاتھ سے شہادت پائی۔

حافظ جیو کچھ روز بمقام اورنگ آباد (دکن) مولانا کے گھر میں رہے تھے اور حدیث پڑھایا کرتے تھے اور معقولات میں حضرت مولانا سے بعض سبق دُہرایا کرتے۔ ان کو مولانا سے اور مولانا کو ان سے بہت محبت تھی۔

ایک اور تذکرہ (عملیات کا ذکر)

دولت حضوری میسر ہوئی۔ میں حضرت مولانا کے ساتھ ساتھ

جا رہا تھا استدعا کی کہ فلاں عمل مجکو عنایت فرمائیے۔ ارشاد فرمایا ہم اپنے بہت کم کسی کو بتاتے ہیں۔ لیکن کسی کا نام لے کر فرمایا کہ وہ گویا میرے استاد بن گئے ہیں میں نے ان کو عمل بتایا۔ اُنھوں نے جہاں چاہا اس سے کام لیا نہ موقع دیکھا نہ محل۔ اس لئے اب میں کسی کو نہیں بتاتا۔ اس کے بعد فرمایا ایسا ہی شخص عامل ہو سکتا ہے جو اس کے لئے بہت تکلیف اُٹھائے بلکہ چاہے بے عزت ہو جائے مگر مقابلے پر نہ آئے خدا پر چھوڑ دے۔

ایک دن صبح کی نماز سے پہلے حضرت مولانا کھڑے ہوئے تھے۔ ارشاد فرمایا: ہمارے پاس درد کی تکلیف دور ہونے کے لئے بہت اچھا عمل ہے۔ چاہے جس قسم کا درد ہو باقی نہیں رہتا۔ سوا اس کے کہ اُس مرض میں اس کی زندگی ہی ختم ہونے والی ہو۔ (کیونکہ یہ چیز تو اللہ کے اختیار میں ہے) اس کے بعد فقیر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا شائد تمھارے دل میں یہ بات ہو گی کہ اگر ان کے پاس ایسا عمل موجود ہے تو پھر اپنے پیروں کے درد کی شکایت کیوں کرتے ہیں۔ اس زمانے میں حضرت کے پیروں میں بہت درد تھا۔ اس جگہ سے خیال کر دکہ مولانا ایسا عمل موجود ہونے کے باوجود خدا کی دی ہوئی تکلیف پر راضی رہے اور عمل کو غیر حق سمجھ کر توجہ نہ کی۔ یہ ہمارے لئے سبق ہے۔

شیخ محمد قدس اللہ سرہٗ کا تذکرہ (فنا- اور زیارت کے آداب)

دولت مشاہدہ میسر ہوئی- حضرت شیخ محمد قدس سرہٗ کا ذکر ہوا- ان کی بہت تعریف فرمائی- زبان حق ترجمان پران بزرگ کے کمالات اور قصے مدت تک رہے- آخر یہ قصہ بیان فرمایا کہ حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی کے مزار کی زیارت کے لئے تشریف لائے- مزار کے اندر گے اندر جاتے ہی حضرت روشن چراغ کی قبر شق ہوئی- یہ قبر کے اندر آ گئے- تھوڑی دیر تک قبر کے اندر رہے اس کے بعد باہر آ گئے- چنانچہ شق ہو جانے کا نشان اب تک قبر میں موجود ہے جس نے قبر کو بغیر غلاف دیکھا ہوگا- اس نے شق ہونے کا نشان ملاحظہ کیا ہوگا-

پھر ایک اور بزرگ روشن چراغ مخدوم کا ذکر ہوا- مولانا نے ارشاد فرمایا آج کل لوگ تھوڑے ہی عرصہ میں فنا فی الشیخ ہونے کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں حالانکہ آخر عمر میں حضرت روشن چراغ کے جسم مبارک میں حضرت سلطان المشائخ کی خوشبو آنے لگی تھی- اب دونوں بزرگوں کے رتبے پر نظر ڈالو، پھر غور کرو (تقریباً) بیس یا تیس سال کی مدت کے بعد اُن کے بدن میں مرشد کی خوشبو نے جگہ پائی-

اسی طرح ایک روز فرمایا کہ خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی آخری وقت والی غزل پر اکثر لوگ سماع میں شورش کرتے ہیں-

میں اس سے بہت ناخوش ہوتا ہوں اس لئے کہ ان کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ حضرت خواجہ نے اس غزل پر گانا سُنا۔ ہم بھی سنیں مگر ہمارے نزدیک بہت ہی خلافِ ادب ہے۔

یہاں بزرگوں کے ادب کا ذکر چلا ارشاد فرمایا کہ میں دکن سے پہلی بار جب یہاں آیا تو روضہ شریف کے اندر زیارت کے لئے گیا تھا۔ ورنہ میری کیا مجال ہے روضے کے اندر جاؤں۔

چنانچہ حضرت مولانا کا معمول ہے کہ حضرت محبوب الٰہی کے روضے کے اندر تشریف نہیں لے جاتے دروازے کے باہر سے زیارت کرتے ہیں مدت تک مزار شریف کے سامنے مزار کے پائنتی عصر کے وقت بیٹھا کرتے تھے اور یہ ناچیز بھی بیعت کے بعد سے آج تک روضے کے اندر نہیں گیا باہر ہی سے قدم بوس ہو جاتا ہے۔

مگر ایک دن بھائی میر محمد افضل کے کہنے سے بسنت کے روز گیا تھا انھوں نے کہا تھا کہ آج وہاں خاص کیفیت حاصل ہوتی ہے اس لئے فقیر نے بھی جرأت کی زبان مبارک سے اکثر یہ بھی سُنا ہے کہ چہار شنبہ کو جو لوگ یہاں زیارت کے لئے آتے ہیں وہ ضرور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ چند روز ہوئے آستانہ شریف میں درخت کے نیچے عرس کے دن سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا بھی تھے۔ شاہ جہاں آباد کا کوئی کاری گر زیارت کے لئے جا رہا تھا لوگ اس پر ہنسے۔ مولانا نے فرمایا۔ ہم اس آدمی سے بہت راضی ہیں اور

اس کے شکر گزار ہیں کہ کئی دن کے بعد چہار شنبہ کو (بدھ کے دن) زیارت کے لئے آتا ہے اور باوجود اس کے کہ شہر میں ہر قسم کے ہنگامے ہوتے رہتے ہیں مگر یہ پھر بھی اپنے معمول کو ناغہ نہیں کرتا۔

جب حضرت مولانا حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ میں تشریف رکھتے ہیں اور طبیعت حاضر ہوتی ہے اور بے تکلف دوست بھی ہوتے ہیں تو مولانا کوئی بھید یا کوئی نکتہ ضرور بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ تمہارے اشہد کہنے پر (لوگ) ہنستے ہیں تو ہنسا کریں (حضرت بلال سے اشہد کا لفظ صاف نہیں نکلتا تھا مگر) چونکہ سچے دل سے یہ لفظ ان کے دل سے نکلتا تھا۔ اس لیے اس کی قدر و قیمت بڑھی ہوئی تھی۔ گواہی کے لئے سچائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر سچائی نہ ہو تو چاہے کتنی ہی عمدگی سے یہ لفظ کہا جائے صداقت کی آب و تاب کم ہی رہتی ہے۔

ایک دوسرا تذکرہ

(ذکر کے طریقے اور چند ہدایتیں)

دولت مشاہدہ میسر ہوئی۔ حضرت مولانا تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جو مکان کے صحن میں بچھا ہوا ہے۔ مغرب کے بعد یہی معمول ہے۔

مکان سے جب فرض نماز کے ارادے سے چلتے ہیں کہ مسجد میں نماز پڑھیں تو خادم لوگ تخت پر پہلے سے جائے نماز بچھائے رکھتے ہیں۔ اور سب لوگ باہر چلے جاتے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد لوگ اندر آجاتے ہیں۔ کبھی دروازہ بند کر دیا جاتا ہے کبھی نہیں صبح کے وقت بھی یہی معمول ہے لیکن صبح میں چار گھنٹے حجرے کے اندر تشریف رکھتے ہیں اور وظیفے کی کتاب بھی وہاں موجود رہتی ہے۔

مولانا جب وظیفہ پڑھ چکے تو فقیر اندر آگیا مرزا محمد حسین تخت پر حضرت مولانا کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ دیر تک کچھ عرض کرتے رہے اس کے بعد مولانا نے ان کو ایک اپنا لباس عنایت فرمایا اور مشرقی سفر کے لئے ان کو رخصت کر دیا۔ رخصت کرتے وقت مولانا اُٹھ کھڑے ہوئے اور فقیر سے فرمایا۔ آج ہم نے مرزا کو بہت کچھ بتلا دیا ہے۔ اگر یہ سفر نہ کرتے تو میں دس سال میں بھی اتنی چیزیں نہ بتا سکتا اور یہ مرزا محمد حسین حضرت کے قدیم دوستوں میں ہیں۔ عام لوگوں میں انھیں کے ساتھ خصوصیت ہے۔ برسوں یہ حضرت کی خدمت میں رہے ہیں۔ حضرت مولانا اپنے برابر بٹھا کر ان کو ذکر جہر کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اب بھی اگر کسی کو حضرت ذکر جہر بتلاتے ہیں تو اکثر فرما دیتے ہیں کہ اس کو مرزا جیو سے صحیح کر لو۔ حضرت یہ بھی فرماتے کہ ہمارے ذکر جہر کا طریقہ بالکل علٰحدہ ہے اور یہ طریقہ بہت کم کسی کو معلوم ہے۔ مگر مرزا کو کسی قدر ٹھیک معلوم ہے۔

زبان مبارک سے یہ بھی سنا ہے کہ مرزا کو دنیا داری کا تجربہ زیادہ ہے۔ اسی وجہ سے ظاہری اخراجات کا انتظام بھی عرصے تک اُنھیں کے سپرد رہا۔

اُنھوں نے حدیث شریف کی بھی بہت خدمت کی ہے اسی وجہ سے وہ فضیلت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ مجرب دواؤں سے بھی واقف ہیں جس کا حضرت کو علم ہے۔ اسی طرح مجرب اعمال بھی جانتے ہیں، جن کی صرف حضرت کو اطلاع ہے دوسروں کو نہیں۔ عرصہ ہوا بیعت کی بھی اجازت حاصل کر چکے ہیں۔ بعض ولایتی جو حضرت مولانا کے مرید ہو چکے ہیں۔ ان کی تربیت کے لئے مولانا اکثر مرزا صاحب سے فرما دیتے۔ مرزا صاحب اور ان کے گھر کے تمام لوگ کیا مرد کیا عورت سب حضرت مولانا کی غلامی میں داخل ہو چکے ہیں۔ ۳۔۴ آدمی جو حضرت کے قدیم مصاحبوں میں ہیں ان سب کے یہی مرزا صاحب افسر ہیں، یہ ذاتی اور صفاتی خوبیوں سے بھی آراستگی رکھتے ہیں۔ ان کو طب میں بھی دخل ہے۔ دوسری صنعتوں کو بھی انجام دیتے رہتے ہیں دنیا میں ان سے جس سے دوستانہ تعلقات ہو گئے مرتے دم تک اُنھوں نے اُس سے دوستی نباہ دی۔

اگر کسی دوست کو کبھی کوئی تکلیف ہوئی تو جان لڑا دیتے ہیں۔ ہرگز دریغ نہیں کرتے ان کے اوقات ان کی وضع داری ان کا عمل حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مطابق ہے ہر دوست

سے کشادہ پیشانی سے ملتے ہیں۔ خلیق ہیں بے تکلّف ہیں پرہیزگاری ان کا طریقہ ہے۔ بعض مغل ان کے بھی مرید ہو گئے ہیں اور یہ اپنے احباب پر بہت ہی مہربان رہتے ہیں۔ دینی بھائیوں سے بھی ان کو بہت محبت ہے سچائی میں ایسے ہیں کہ اگر ایک مرتبہ کسی نے ان سے آکر جھوٹ بات کہہ دی تو عمر بھر اس سے ناراض رہتے ہیں اور اگر کوئی سچائی سے پیش آیا تو حاضر غائب ہمیشہ اُس کے مداح رہتے ہیں۔

ان کی بہن نے حضرت مولانا سے بیعت کا ارادہ کیا تو حضرت مولانا نے ان سے فرمایا کہ تم خود مرید کر لو۔ ان کی ہمشیر ایسی عجیب خاتون تھیں کہ ان کو دیندار مردوں سے بہتر کہا جا سکتا ہے۔ حضرت مولانا سے ان کو جو عقیدت ہے۔ عورتوں میں کسی کو نہیں۔ بچپن سے ان پر مولانا کی توجہ اور عنایت ہے یہ اکثر شغل کیا کرتی تھیں اور اُنھوں نے شغل کی نسبت کو اتنا بڑھا لیا تھا کہ حضرت مولانا ان سے بہت خوش تھے۔ ان کو عالم مثال کا کشف بھی حاصل تھا۔ اگرچہ اولاد کی وجہ سے مشغولی اتنی نہیں رہی پھر بھی جہاں ایک مرتبہ نور کا عکس پڑ گیا تو پھر وہ قیامت تک کے لئے کافی ہے اسی زمانے میں ان کو ایک بیماری ہو گئی جس میں ان کا انتقال ہو گیا۔

ان کے وفات کے دن عجیب واقعہ پیش آیا وہ یہ کہ حضرت کے قدیم دوستوں میں مرزا غلام حسین جو کاسب وشاغل بھی تھے اور عرصہ تک خدمت میں حاضر رہے عورتوں کے تفرقہ کی وجہ سے اُنھوں نے

اکبرآباد میں سکونت اختیار کرلی تھی جہاں یہ بیمار ہو گئے۔ لوگوں سے کہا کہ مجھکو شاہ جہاں آباد حضرت کی خدمت میں پہنچادو اگر زندہ رہا بہتر اور اگر انتقال ہونے والا ہے تو آخری وقت ان آنکھوں سے مولانا کا جمال تو دیکھ لوں تاکہ مجھ پر ان کے جمال کا سایہ پڑ جائے اور اسی حالت میں میری روح نکلے کہ حضرت مولانا اپنے مبارک ہاتھوں سے مجھے دفن کریں اور میری قبر پر فاتحہ پڑھیں اور جب اس راستے سے گزریں تو مولانا کے دیدار سے میری روح تازہ ہوتی رہے اس طرح مرنے پر ہزار سال کی عمر بھی قربان ہے۔

غرض یہ منزل مقصود کو پہنچ گئے، یعنی زندہ حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہو گئے جو جو تمنائیں تھیں اُنھوں نے وہ سب عرض کیں۔ حضرت مولانا نے انتہائی محبّت سے اُن کو لپٹا لیا۔ پھر اُن کے رہنے کے لئے علیٰحدہ ایک مکان کا انتظام کر دیا اور ایک حکیم صاحب کو علاج کے لئے بھی مقرر فرما دیا۔ مولانا ان کو دیکھنے کے لئے اکثر تشریف لے جاتے اور خود بھی ان کی دیکھ بھال کرتے۔

مگر ان کے مرض کی ردی علامتیں ظاہر ہونے لگیں۔ جس دن ان کی ہمشیر کا واقعہ ہوا ہے حضرت مولانا ان کے یہاں تعزیت کے لئے گئے اور دوست بھی موجود تھے، کفن کی تیاری ہو رہی تھی کہ اتنے میں ایک شخص نے آکر کہا کہ مرزا غلام حسین کی حالت ٹھیک نہیں ہے، اتنا سنتے ہی مولانا اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ فقیر بھی ساتھ تھا، مرزا

صاحب کا جس مکان میں قیام تھا وہاں مولانا تشریف لے گئے اُس وقت نزع کی حالت طاری تھی، جیسے ہی مولانا کے جمال پر ان کی نظر پڑی تو مولانا کی طرف حسرت کی نگاہ سے دیکھا ان کی اس حالت سے حاضرین پر عجب کیفیت طاری ہوئی ان میں بات چیت کی طاقت نہ تھی لیکن وہ اس طرح دیکھ رہے تھے کہ جس سے ہزاروں تمنائیں ظاہر ہو رہی تھیں اور حضرت مولانا کو اپنے دوستوں سے جو محبت ہے اس لحاظ سے مولانا ان کی یہ حالت دیکھ کر بیٹھ نہ سکے واپس چلے آئے اور باہر آکر فقیر سے فرمایا کہ میرے دل میں ان کی طرف سے جو کچھ غبار تھا میں نے اس کو صاف کر کے معاف کر دیا۔

اس نزدیکی پر بھی ان کے اور مولانا کے درمیان ایک حجاب آگیا تھا اس کو رفع دفع کر دینے کی طرف اشارہ فرمایا اس کے بعد مرزا صاحب کی ہمشیرہ کے جنازے کے ساتھ حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ شریف میں تشریف لے گئے وہاں مرزا غلام حسین کے لئے ایسا مکان تلاش کیا جو اچھا ہو اور حضرت کے آستانے کے بھی قریب ہو احاطے کے اندر ایک صاحب کا مکان تھا انھوں نے مکان دکھلایا آپ وہاں سے واپس آرہے تھے اتنے میں معلوم ہوا کہ مرزا غلام حسین نے بھی انتقال کیا، ان کے کفن دفن کی بھی تیاری ہونے لگی جب سب انتظام ہو چکا اور نماز کے لئے جنازہ لے چلے تو خود مولانا نے کچھ دور تک کاندھا دیا۔

جب نماز سے فارغ ہو جاتے ہیں تو قاعدہ ہے کہ اس وقت میت کے وارث جانے کی اجازت دیتے ہیں یہاں مولانا کے سوا ان کا کوئی نہ تھا۔ درحقیقت دنیا اور آخرت میں ہم غریبوں اور بے وارثوں کا مولانا کے سوا اور کون ہے چاروں طرف نظر ڈالی مگر کوئی اجازت و رخصت دینے والا نظر نہ آیا۔ آخر مولانا کو معلوم ہوا کہ میرے سوا ان کا کوئی ظاہری وارث بھی نہیں ہے بے تحاشا آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ نے اجازت دے دی۔ اس وقت ان باتوں کا کس کو خیال تھا عجیب شورش تھی اور عجیب حسرت برس رہی تھی اس ناچیز نے بھی خدا سے دعا مانگی کہ ایسی موت جس پہ زندگی قربان ہے دوستوں کو نصیب ہوتی رہے (اور اسی طرح مولانا) جنازے اور دفن اور نزع میں موجود رہیں۔ پھر ملک الموت کی کیا مجال کہ سختی سے پیش آئے۔ عذاب کے فرشتوں کو کیا مقدور کہ بے جا سوالات کریں اس کا حساب یہاں اس کا ثواب یہاں۔ اس کا مشاہدہ اس کا دیدار جس کا وعدہ ہے سب یہاں میسر ہے تو پھر دل میں کس بات کا خوف آسکتا ہے الحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔ اس پر اللہ کا شکر ہے۔ حضرت خواجگان چشت کے صدقے میں خدا اس ناچیز کو بھی یہ دولت عطا فرمائے۔

حضرت نصیر الدین روشن چراغ کا تذکرہ (کشف)

قدمبوسی کی دولت میسر ہوئی حضرت نصیر الدین روشن چراغ کی

زیارت کے لئے مولانا تشریف لے گئے کہ وہاں حضرت صدرالدین رح طبیب دہلوی اور صلاح الدین رح وغیرہ بھی نزدیک ہیں مشغولی کے وقت اس زمانے میں فقیر نے دیکھا تھا کہ حضرت سلطان المشائخ رح ایک مکان میں تشریف رکھتے ہیں اور جب ان کے سامنے حضرت مولانا کا تذکرہ ہوتا ہے تو فرماتے ہیں، ہم نے رئیس العارفین ان کا نام رکھ دیا ہے۔ میں نے حضرت مولانا سے اس واقعہ کو بیان کیا، فرمایا یہ تمہارا نیک گمان ہے اور حضرت مولانا کا یہ قاعدہ ہے کہ ان کی تعریف میں اگر کچھ کہا جائے تو مولانا اس پر توجہ نہیں فرماتے اور اگر صاف صاف واقعہ بیان کر دیا جائے تو مولانا کو ناگوار ہوتا ہے۔

اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ بعض لوگوں کی طبیعت کو کشف سے خاص لگاؤ ہوتا ہے۔

بعض لوگوں نے حضرت غوث اعظم پر اعتراض کیا کہ صوفیانہ زندگی کی ابتدا میں کشف ہوتا ہے اور حضرت غوث پاک کا زندگی بھر کشف جاری رہا اس کی کیا وجہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت غوث اعظم سے ان دنوں جس کشف کا ظہور ہو رہا تھا وہ کسبی تھا اور کسب سے کسی شخص کی طبیعت نہیں بدل جاتی اس لئے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ حضرت کے مرتبے کی تکمیل نہیں ہوئی تھی۔ ایسے عقیدے اور قول سے اللہ کی پناہ۔

ایک دوسرا تذکرہ (مشغولی وغیرہ)

مشاہدے کی دولت میسر ہوئی مولانا اکیلے تشریف رکھتے تھے کچھ مشغولی کا ذکر آیا۔ ارشاد فرمایا پہلے ہم بھی شغل میں بہت محنت کیا کرتے تھے اور اب ایک شغل بھی نہیں کرتے۔ صرف دید باقی رہ گئی ہے۔ اس کے بعد اس کا ذکر آیا کہ ہر خاندان کے اذکار و اشغال جدا جدا ہیں یا یہی اشغال اور طریقے رائج ہیں۔

ارشاد فرمایا میرا دل چاہتا ہے کہ چشتیہ طریقے کے اشغال کو علیحدہ کرکے ایک کتاب ہی لکھ دوں پھر یہ خیال ہوتا ہے کہ ہمارے پیروں میں سے کسی نے اس کو جدا نہیں کیا ہے تو مجھے کیا ضرورت ہے۔ اتنے میں سید عظیم کا ذکر آگیا۔ فرمایا کہ میر عظیم الدین جو شغل کرتے ہیں اگر یہ اس کو بہت دن کرتے رہے تو ان کا مرجوعہ بڑھ جائے گا۔

اس کے بعد ذکر ہوا کہ ایک دفعہ ہم شاہ جہاں آباد گئے جامع مسجد پہنچے جو کچھ پیسے تھے۔ اُس سے ہم نے روٹی اور پنیر منگایا۔ اور کھایا پھر جو دام بچے اس سے صاحبزادے کے لئے کچھ مٹھائی خرید لی، مگر اتنے میں اللہ کا فضل شامل حال ہوگیا۔ ورنہ شاہ جہاں آباد پہنچنا مشکل ہوجاتا۔

حضرت شیخ کلیم اللہ قدس سرہٗ کے نواسے کا تذکرہ

(محب نبی لقب کی وجہ)

قدم بوسی کی دولت میسر ہوئی۔ میاں محمد غوث حضرت شیخ کلیم اللہ قدس سرہٗ کے نواسے ہیں ان کو حضرت مولانا سے اجازت خلافت بھی حاصل ہے انھوں نے اس فقیر سے فرمایا کہ محب نبی جو حضرت مولانا کا لقب ہے تو حضرت خواجہ صاحب نے یہ کہہ کر کہ "تو ہی محب نبی ہے" ان کو یہ نام عطا فرمایا ہے۔ فقیر کو خیال ہوا کہ مولانا سے اس کی تحقیق کی جائے۔ چنانچہ مولانا سے عرض کیا گیا کہ محب نبی آپ کا نام کس طرح ہوا سنا ہے کہ یہ حضرت خواجہ بزرگ کا عطیہ ہے۔ فرمایا ہاں حضرت خواجہ قطب الاقطاب نے یہی الفاظ فرمائے تھے۔

حافظ خیر اللہ اور محمد یوسف کا ذکر

عصر کے قدم بوسی کی دولت ملی۔ فرمایا طبیعت کچھ ٹھیک نہیں اور جب یہ بات ہوتی ہے تو مجھے کسی کی صورت اچھی نہیں معلوم ہوتی لہذا دروازہ بند کر دیا اتنے میں مغرب کا وقت ہو گیا فرمایا حافظ خیر اللہ کو بلاؤ، حافظ جی حاضر ہوئے کہا کہ مغرب سے پہلے ہی مسجد میں چراغ جلا دو تم شام ہو جانے کے بعد جلاتے ہو۔

اس سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔ اگر نماز سے پہلے چراغ روشن ہوا کرے تو نماز ٹھیک ہو۔ اتنے میں محمد یوسف جو حضرت کے دوستوں میں تھے ان کے متعلق خبر معلوم ہوئی کہ ہیضہ ہو گیا ہے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد حال معلوم کیا جاتا تھا فرمایا یہ عزیز قریب اور غریب ہیں ان کی خبر گیری ضروری ہے۔

حاجی نصر اللہ خاں کا تذکرہ

مشاہدے کی دولت میسر ہوئی۔ زینے کے اوپر جو دروازہ ہے اس پر مولانا کھڑے ہوئے تھے حاجی نصر اللہ خاں جو نقشبندی دوستوں میں ہیں اور پاکیزہ خیال، صالح، متقی اور پرہیزگار انسان ہیں۔ ان سے فرمایا کہ سماع حرام ہونے کی بابت ہندوستان والے حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق یہی بیان کرتے ہیں کہ "ہم یہ کام کرتے ہیں اور نہ اس کام سے انکار ہے" حالانکہ جہاں مزامیر سے گانا ہو اس جگہ یہ قول صادق آسکتا ہے نہ کہ خالص گانے کے متعلق اور ہم خود حضرت نقشبندؒ کے قول کے مطابق مزامیر سے گانا سنتے ہیں ورنہ ہمارے خواجگان میں سے کسی نے مزامیر

---

[1] مطبوعہ ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلوی کے صفحہ ۱۹ میں ہے کہ میرے والد (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) اور مولوی فخر الدین سے بہت دوستانہ تھا۔ نور السامی ایک صاحب نقشبندیہ

سے گانا نہیں سُنا۔ چنانچہ کتاب رشحات میں اس کی سند موجود ہے۔

(بقیہ فٹ نوٹ ص۱۷۵ بسلسلہ صفحہ گذشتہ)۔

خاندان میں میرے والد کے مرید تھے مگر وہ گانا سُننے والوں کے لیئے بہت برے الفاظ استعمال کیا کرتے تھے کہ شیطان انگلی کرتا ہے تو اُن کو حال آجاتا ہے اور یہ ناچنے لگتے ہیں۔ چونکہ مولوی فخر الدین اور والد میں گاڑھا دوستانہ تھا۔ اس لیئے کبھی ہمارے یہاں آتے اور کئی کئی دن رہتے۔ یہ سماع (گانے) کے بہت شوقین تھے اس لیئے والد ان کو گانا بھی سنواتے (اور خود بھی سنتے) ایک دفعہ چچا مولوی فخر الدین آئے اور مزامیر سے گانا سننے کی فرمائش کی والد ماجد قبلہ نے حسب معمول جگہ اور فرش وغیرہ کا انتظام کر دیا حضرت سلطان المشائخ کے قوالوں کی اولاد سے ایک قوال تھا وہ بلایا گیا یہ خوش گلو بھی تھا۔ غرض گانے کی محفل ہوئی۔ قوال نے یہ شعر گایا۔

زاہد خلوت نشیں دوش بہ میخانہ شد — از سر پیماں گزشت بر سر پیمانہ شد

اتفاق سے نور اللہ نقشبندی بھی موجود تھے چچا مولوی فخر الدین کی ان پر جو نظر پڑی تو لوٹنے لگے حال آگیا۔ (حالانکہ دوسروں پر اعتراض کیا کرتے تھے) یہاں تک نوبت پہنچی کہ قریب المرگ ہو گئے (ظاہر ہے کہ ایسے کامل شیخ کی نظر کے اثرات کو کامل ہی دور کر سکتا ہے) اس لیئے حضرت والد ماجد (شاہ ولی اللہ) باہر تشریف لے آئے اور اُنھوں نے اپنی خاص توجہ سے کام لیا۔ تب جا کے ان کی حالت درست ہوئی۔ تو چچا مولوی فخر الدین نے اُن سے کہا کہ دوسروں کے تو شیطان انگلی کرتا ہے مگر آپ کے شاید پورا ہاتھ کر دیا تبھی یہ حالت ہوئی۔ یاد رکھیئے اللہ والوں کے متعلق کبھی ایسے گستاخی کے الفاظ نہ کہیئے گا (خدا کی طرف سے) کہیں گستاخی کی سزا نہ ملے۔ درد کاکوری۔

حدیث شریف کا تذکرہ (اور آسمانِ دنیا)

دولت مشاہدہ میسر ہوئی حقائق کے سبق میں مشغول تھے اس کے بعد حدیث شریف کا ذکر آیا کہ جب کوئی استغفار پڑھتا ہے تو دنیا کے آسمان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں یوں تو گویا حق تعالےٰ ساتویں آسمان پر ہے وہاں سے اللہ تعالےٰ آسمانِ دنیا پر ان کو نازل ہونے کا حکم دیتا ہے۔ اس صورت میں حق تعالےٰ کے لئے مکان کا ہونا لازم آتا ہے۔ مولانا نے فرمایا شیعوں کا اس پر اعتراض ہے اور ابن تیمیہ کا یہی مذہب ہے کہ حق تعالےٰ آسمان کے اوپر ہے۔ ایک دوسری حدیث میں بھی آیا ہے کہ کسی عورت کو لوگ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں لائے حضورؐ نے پوچھا تم مسلمان ہو اس نے کہا ہاں اس خدا کی قسم کھاتی ہوں جو اوپر ہے یہ کہہ کے آسمان کی طرف اشارہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تردید نہیں فرمائی۔ یہ واقعہ بھی اللہ کے آسمان پر ہونے کی دلیل ہے۔ تم یہ جواب یاد رکھو کہ اکثر مسئلوں میں کام آئے گا۔

یہ بھی جواب ہو سکتا ہے کہ اللہ کا ہر مرتبہ اللہ کی شان کے لحاظ سے ہے۔ جیسے بادشاہ اپنے تمام ملک کا حاکم ہے جہاں چاہے اپنا حکم اپنی سلطنت میں بھیجدے مگر قاعدہ یہی ہے کہ عدالت اور انصاف کے لئے۔ کرسی اور کچہری کا ہونا لازمی ہے

اگر احکام زمین سے متعلق ہیں تو آسمان سے نازل ہوں گے تاکہ فرشتے زمین پر لاسکیں۔ اس میں کوئی بات قابل اعتراض نہیں کیونکہ حکم شان مکان کو چاہتی ہے۔ تو اگر اللہ احکام کی حیثیت سے کسی مقام کو اپنے لئے مخصوص کرے تو اس سے خدا کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس کی شان کے لحاظ سے اس کے ہر قسم کے مرتبے ہیں۔

اسمِ اعظم کا تذکرہ

اس کے بعد اسم اعظم ذکر ہوا۔ ارشاد فرمایا اسم اعظم سے یہ مطلب ہے کہ اللہ کے جتنے نام ہیں اُن سب کی تاثیریں پڑھنے والے کے لئے وقف ہو جائیں اور وہ ان کی جامعیت کا مظہر ہو جائے سب نے یہ چیز توجہ سے سنی اور عرض کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں صاحب کہ اسم اعظم جانتے ہیں اور اس اس طرح عمل کرتے ہیں۔ فرمایا اس سے یہاں بحث نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ کو اسم اعظم کہا ہے اور بعض نے لفظ اللّٰہ کو اور بعض نے لفظ یاھُو کو۔

میں نے ان سب ناموں کو زکوٰۃ دے کر پڑھا ہے اور اس میں بہت محنت کی ہے جو لوگ ایک گھڑی رات گزرنے پر بیدار ہو کر مجھ کو اپنی محنت دکھارہے ہیں میری نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔ میں نے اس میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ ایک مرتبہ کا

رمضان شریف اسی میں گزرا۔ کہ روزہ رکھتا تھا اور تمام رات نہیں سوتا تھا اور مقررہ پابندیوں کے ساتھ نقش جلیل الوسط کی اسی طرح زکات دی ہے۔

لیکن حضرت سلطان المشائخ نے لکھا ہے کہ دنیا کا ترک کر دینا یہی اسم اعظم ہے۔ جیسے ہی کہ دل میں دنیا ترک کر دینے کا ارادہ سمایا اور اُس نے عملی جامہ پہن لیا پھر انسان جو کچھ چاہے وہ ہو جائے گا۔ اور اگر یہ چیز دل سے نہیں ہے تو کسی اسم اثر ہی ظاہر نہیں ہو سکتا۔ یہ نمک کی طرح ہے کہ کھانے میں اگر ہزار مسالے ہوں مگر نمک نہ ہو تو اس میں کوئی لذت ہی نہیں اور اگر کھانے میں صرف نمک ہی ہے تو بھی کھانا ایک طرح پر لذیذ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد مولانا نے کتابوں کا تذکرہ فرمایا کہ ہمارے بچے عربی کتابوں جیسے شرح ملا شرح عقائد وغیرہ کی بہت عزت کر کے ان کو جزدان میں نگاہ کے سامنے رکھتے ہیں اور یہ حقائق کی کتابیں جو مجھے بہت ہی عزیز ہیں۔ بچوں نے ان کو دوسری کتابوں میں اوپر نیچے کر دیا ہے کیونکہ جن کتابوں سے اُن کو کام ہے صرف اُنھیں کا ان کو خیال رہے۔

اجمیر شریف وغیرہ کا تذکرہ

اجمیر شریف جانے کا ذکر ہوا، فرمایا اگر میں اپنے ساتھ تجھے لے جاؤں

تو ایک حساب سے تکلیف ہے اور ایک حساب سے آرام میں نے عرض کیا کب تشریف لے جانے کا خیال ہے۔ فرمایا یہی خواجہ صاحب کے عرس میں، عرس کے بعد اتفاق ہوا تو اِدھر آؤں گا ورنہ آگے چلا جاؤں گا۔ کیونکہ اورنگ آباد کے لوگوں کو میرا بہت اشتیاق ہوگا، اور میں اس وقت دکن والوں کو بہت سے خطوط لکھ رہا ہوں اور ہمشیر کو لکھتا ہوں کہ میں حسب وعدہ آنے کو تیار رہوں۔

اور مولانا جب سے تشریف لائے ہیں بارہا بیان فرمایا ہے کہ ہمشیرہ صاحبہ کو کعبہ شریف مدینہ شریف ساتھ لے جانے کا وعدہ ہے۔ میں اپنی ہمشیر کو لکھے دیتا ہوں کہ آپ اپنی صاحبزادیوں کو جو کچھ دینا چاہتی ہیں علاحدہ دیدیں اور حرمین شریفین جانے کے لئے جس قدر کرایہ کی ضرورت ہے اتنا الگ کرلیں۔ اس طرح آپ لڑکیوں کے بارے سبکدوش ہوجائے گا۔ اگر میں اورنگ آباد پہنچ گیا تو ایک رات سے زیادہ نہ ٹھہر سکوں گا۔ جس دن پہنچوں گا رات بھر رہوں گا۔ صبح ہوتے ہی حرمین شریفین روانہ ہوجاؤں گا۔

اس کے بعد ابن تیمیہ کا ذکر آیا فرمایا کہ ان کے عزیز قریب نے حرمین شریفین میں آج کل اجتہاد شروع کردیا ہے — یہ دلائل الخیرات کے نسخے جہاں پاتے ہیں جلا ڈالتے ہیں انھوں نے اکثر اپنے عزیزوں کو قتل کرڈالا ہے، کہتے ہیں کہ ہم ابن تیمیہ کی اتباع کررہے ہیں۔ یہ لوگ حنبلی مذہب (مسلک) رکھتے ہیں۔ اتنے

ہیں میاں محمد واصل نے عرض کیا عبدالواحد واقف ہیں مولانا نے فرمایا ہاں عبدالواحد نے عرض کیا کہ غلام ان کے حالات سے خوب واقف ہے کہ حرم کے تمام رہنے والے عرب (جن کو رسول خدا سے حقیقی محبت ہے) اپنے گھروں میں ایسے لوگوں کو اچھے الفاظ سے یاد نہیں کرتے۔ ان لوگوں تک کوئی کیسے پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ ان کے ساتھ بیس ہزار آدمی ہیں۔

اتنے میں ایک صاحب نے دریافت کیا کہ آخر دلائل الخیرات کیوں جلاتے ہیں۔ فرمایا دلائل الخیرات درود شریفوں کا مجموعہ ہے اس کے یہ قائل نہیں حالانکہ حدیث شریف میں درود شریف پڑھنے کا حکم ہے۔ اس لئے پڑھنا چاہیئے۔ دوسری چیزوں کی طرف متوجہ نہ ہوں بات یہ ہے کہ یہ لوگ حنفی مذہب والوں سے تعصب رکھتے ہیں صرف کہنے کو حدیث کے دلدادہ ہیں بہت لوگ ان کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ جو اہل علم بھی ہیں مگر کوئی ان کو ایسی باتوں سے منع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

اس کے بعد مولانا نے اس بیمار کا حال دریافت کیا جو فقیر کے گھر میں ہے حال سننے کے بعد ایک میٹھا انار اس کے لئے مرحمت فرمایا اور یہ بیمار صاحب میاں محمد واصل درویش ہیں یہ پہلے سپہ گری میں مشغول رہا کرتے تھے اس کے بعد خدا طلبی کا شوق ہو گیا تو درویشوں سے ملنے لگے چنانچہ حاجی یاسین کے پاس آئے جو محدث بھی تھے

اور درویش بھی شاہ جہاں آباد مسجد کے دروازے میں رہا کرتے تھے
ان کے مرید ہو گئے یہ حاجی صاحب مولانا سے بھی خلوص رکھتے تھے
اس وجہ سے میاں محمد واصل بھی ان کے ساتھ مولانا کی خدمت میں
پہنچ جایا کرتے تھے۔ کیونکہ مولانا کی محبت کا شعلہ ان کے دل میں بھڑکا
ہوا تھا حاجی صاحب کی زندگی ہی میں انھوں نے مولانا کی خدمت
میں آنا جانا شروع کر دیا تھا پہلے سے مشغولی کے عادی تھے مولانا
سے بھی اجازت لی تو وہ پر غالب آگئی کہ رات دن یاد خدا میں
مشغول رہنے لگے۔ قناعت، فقر، اور فاقہ ان میں بہت مستقل
مزاج ہیں۔ حضرت مولانا کے ارشاد کے موافق انھوں نے دکن
کی بھی سیر کی ہے اور حضرت صاحب قبلہ کی زیارت اور حرمین
شریفین کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے ہیں آجکل مولانا کی
خدمت میں ذوق شوق سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ صاحب
وجد و سماع (یعنی صاحب حال) بھی ہیں یہ صرف ان کا ظاہری
حال ہے۔

حضرت شیخ کلیم اللہ قدس سرہٗ کا تذکرہ

قدم بوسی نصیب ہوئی حضرت شیخ کلیم اللہ رحمۃ اللہ علیہ
تذکرہ ہوا کہ چھینٹ استعمال نہیں فرماتے تھے۔ حضرت شیخ کلیم اللہ
کا یہ قول بیان فرمایا کہ ایک دن مجکو حضرت شیخ یحیی مدنی نے خرقہ

پہنایا۔ میں جو لباس پہنے ہوئے تھا وہ چھینٹ کا لباس تھا۔ اس لئے جس لباس کو کہ میرے مرشد نے میرے بدن سے علاحدہ کر دیا، وہ جب سامنے آتا ہے تو مجھکو نفرت ہوتی ہے۔ اسی سلسلے میں فرمایا کہ حضرت شیخ (کلیم اللہ جہاں آبادیؒ) نے اہل و عیال کے ساتھ اسی شاہ جہاں آباد میں ہر مہینے ۳ روپیہ ماہانہ پہ مدت تک بسر کی ہے۔ اس کے بعد ان پر خدا نے فتوحات کا دروازہ بھی کھول دیا تھا کہ وصال کے بعد وارثوں کو بہت جاگیر اور لاکھوں روپئے ملے۔

طبیبوں کے علاج کا تذکرہ

دولت حضوری میسر ہوئی فقیر کے گھر میں جو بیماری ہے اُس کا حال پوچھا۔ میں نے عرض کیا کہ حکیم صاحب نے اب تک نسخہ تبدیل نہیں کیا ہے فرمایا اب تم حکیم صاحب سے کہو کہ میں ہمیشہ یہی نسخہ استعمال کروں گا۔ تو پھر وہ اُسی وقت بدل دیں گے۔ کیونکہ میں نے بارہا آزمایا ہے کہ طبیبوں کے مزاج میں ضد ہوتی ہے جیسے ہی اُن سے کسی نے کسی بات کے لئے کہا تو وہ ہمیشہ اس کے خلاف حکم دیتے ہیں یہ لوگ دوسرے کے دخل دینے کو ذرا بھی پسند نہیں کرتے۔

اس کے بعد فرمایا کہ دکن میں ایک صاحب کبھی کبھی نسخے اور

دوائیں سیکھتے رہتے۔ کچھ دن بعد میں نے دیکھا کہ صوبہ دار کے گھر میں طبیب بنے بیٹھے ہیں بلکہ طبیبوں کے افسر ہو گئے ہیں یہ صاحب مجھ سے عمر میں چھوٹے تھے۔ جب میری ملاقات کو آئے تو ان کی داڑھی سفید نظر آئی میں نے پوچھا اس عمر میں سفیدی کی کیا وجہ ہے کہا میں نے دوائیں استعمال کیں جس سے سفیدی آگئی کیونکہ نواب آصف جاہ جوان آدمی کو اعزاز نہیں دیتے چاہے صاحبِ کمال ہی کیوں نہ ہو۔ یوں اپنا اعتبار قائم کرنے کے لئے میں نے دواؤں سے اپنی صورت کو سفید بنا لیا ہے تاکہ تجربہ کار ثابت ہو جاؤں۔

اس کے بعد خواجہ احمد خاں قوی جنگ کا ذکر آیا۔ یہ ترک تازہ خاں کے بیٹے اور حضرت مولانا کے قدیم دوستوں میں ہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ ان کا خط آیا ہے کہ شاہ جہاں آباد میں جو ہماری حویلیاں ہیں اگر آپ کی مرضی ہو تو کرائے پر اٹھانے کے لئے اپنے آدمی کو لکھ دوں۔ میں ان کو اس کا جواب لکھنے والا ہوں کہ ایک قدیم دوست اس کے لئے کیسے تیار ہو سکتا ہے۔ اگر تم خود نقد رقم سے خدمت کر سکتے ہو تو کرو۔ ورنہ یہ کہ ہم حویلیوں کو قبضہ و تصرف میں لائیں اور کرائے پر اٹھائیں اور پھر ہر مہینے کرایہ وصول کیا جائے یہ جھگڑا ہم سے نہ ہوگا پھر یہ بھی ملے گا یا نہیں، یہ بھی لکھنے والا ہوں کہ کیا تم میرے مزاج سے واقف

نہیں ہو، مدت تک ایک ہی جگہ ہم تم رہے ہیں پھر تم اس قسم کی باتیں کیوں لکھی ہیں۔

ایک اور تذکرہ (قیدی سے نیک سلوک)

حضوری حاصل ہوئی۔ تذکرہ ہوا کہ فلاں شخص آپس کے جھگڑوں کی وجہ سے کوتوال کے یہاں قید ہوگیا ہے، اسے بہت تکلیف ہے۔ مولانا نے فرمایا اگر کوئی اُسے روٹی پہنچا سکتا ہے تو میں اس کو ایک روپیہ دوں گا۔ اتنے میں کسی نے عرض کیا کہ سرکاری داروغہ صاحب آئے ہیں۔ فرمایا بلاؤ۔ وہ آئے مولانا نے فرمایا کہ جس قیدی کے پاس تم کو بھیج رہا ہوں۔ یہ میرے مریدوں میں نہیں ہے اور نہ میری اس سے کوئی پہچان ہے۔ لیکن میں نے آثار شریف کی درگاہ میں اس کو قرآن شریف پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس لئے میں اُس کی سفارش کر رہا ہوں۔

امید ہے کہ اس معاملے میں تم کوشش سے دریغ نہ کروگے اُنھوں نے کہا انشاء اللہ روٹی اس آدمی کو پہنچا دوں گا مولانا نے فرمایا یہ روپیہ لو اور اس روپے سے پکی ہوئی روٹی اس کو پہنچا دو۔

اس کے بعد ذکر آیا کہ آج کل مغل لوگ بہت داخل سلسلہ ہو رہے ہیں یہ سلام علیک کی آوازہ کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ لوگوں نے

عرض کیا کہ اس سقہ (بھشتی) کو اس کی برکت ملی ہے جو رات دن مولانا کی خدمت میں حاضر رہتا ہے اور بلند آواز سے سلام علیک کہتا ہے پہلے یہی طریقہ تھا۔ اب بھی بہت لوگ ایسا ہی کرتے ہیں اور یہ سقہ مولانا کے دوستوں میں ہے مسجد میں پانی بھرتا رہتا ہے مولانا نے اس سے ہر چند کہا کہ پانی بھرنے کی تنخواہ لے لو مگر کبھی اُس نے یہ بات قبول نہیں کی۔ اس وقت مولانا نے فرمایا یہ بھشتی جو مسجد میں پانی بھرتا ہے تم دیکھو گے اس کی محنت انشاء اللہ ضائع نہ ہو گی خدا اس کو ایسا درجہ عطا فرمائے گا کہ تم لوگ خوش ہو جاؤ گے۔

مختلف تذکرے

دولت مشاہدہ میسر ہوئی۔ پہلی جمادی الثانی ۱۱۸۶ھ کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا شدید بارش کی وجہ سے ایک بنئے کی دوکان میں تقریباً سَو دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے بہلی (پرانے زمانے کی بیل گاڑی) بھی ساتھ تھی۔ تین ۳ دوستوں کو اس پر سوار کر دیا۔ مگر خود پیدل روانہ ہو گئے۔

فقیر اور محمد افضل ایک رتھ (پرانے زمانے کی بیل گاڑی) میں سوار ہو گئے یہاں تک کہ حضرت قطب الاقطاب کی درگاہ کے قریب پہنچ گئے۔ وہاں تالاب کے پاس ایک اونچی نیچی جگہ ہے۔ ایسی جگہ بہلی اور رتھ کا چلنا دشوار ہوتا ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ یہاں بہلے

مقبرے کے قریب ایک شکستہ مکان تھا کسی صاحب نے اس کو درست کرادیا تھا۔ فرمایا اس جگہ کو درست کرا کے تم مکان بنوادو جو اخراجات ہوں ہم سے لے لینا۔ اس کے بعد جس رتھ میں کہ یہ فقیر اور دوسرے دو آدمی تھے۔ اس میں مولانا بھی سوار ہو گئے۔

پھر مولانا نے فرمایا۔ نواب زینت محل، شاہ عالم بادشاہ وقت کی والدہ نے ایک رتھ سواری کے لئے نذر کیا ہے۔ حکیم میر محمد افضل جو بیگم صاحبہ سے توسل رکھتے ہیں وہ اس کو اس لئے لائے ہیں کہ میں سوار ہوا کروں اور ان کے ساتھ جایا کروں میں نے کہہ دیا کبھی ہم اس پر بیٹھ جایا کریں گے مگر آج تم ہمارے ساتھ چلو۔

اس کے بعد فرمایا کہ میں وطن میں پالکی پر بہت سوار ہوا ہوں، ڈولی پر بھی سوار ہوا ہوں۔ زیادہ تر گھوڑے پر سوار ہونے کا موقع ملا ہے اور میرے سواری کے گھوڑے پر کوئی دوسرا سوار نہیں ہوتا تھا میری سواری سادہ طریقے کی تھی ساز و سامان والے گھوڑوں پر احباب سوار ہوتے تھے۔ یہ ساز نقرئی اور طلائی تھا اسی قسم کے چالیس پچاس گھوڑے تھے میری سواری والے گھوڑے پر اس قسم کا ساز نہ ہوتا تھا جس کو ہندی میں کندہ و پٹہ کہتے ہیں۔

فقیر نے عرض کیا کہ جنگ میں آپ بعض وقت ہاتھی پر بھی تو سوار ہوئے ہیں فرمایا ہاں۔ شہر میں بھی۔ اور جنگی سفر میں بھی۔ ہم ہاتھی پر بہت سوار ہوئے ہیں۔ لیکن صرف رات میں دربار سے پالکی پر سوار

ہو کر آیا کرتے تھے۔ اور میں پالکی پر سو بھی جاتا تھا۔ میں نے پالکی کے کہاروں سے کہہ دیا تھا کہ اگر مجکو نیند آجائے تو نہ جگائیں اور اسی طرح پالکی کو گھر میں لاکر رکھ دیا کریں چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا جب میں بیدار ہوتا تو پھر اُٹھ بیٹھتا تھا۔

بی بی صاحبہ اور بی بی زلیخا (والدہ حضرت سلطان المشائخ) کے عُرس کی رات میں خادموں کی ناخوشی کی وجہ سے (جو ان کے آپس میں ہے) یہ طے ہوا کہ آدھے لوگ آج کی رات حسب دستور فاتحہ دیں گے اور نصف خادم دوسرے دن۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ یہی ہمارے لئے بہتر ہوگا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کی زیارت کا دو دن موقع مل جائے گا۔ چنانچہ دو دن اسی طرح وہاں رہے اور ایک رات بی بی صاحبہ کے مزار پر رہے۔

حضرت مولوی روم رحمتہ اللہ علیہ کے عرس کا تذکرہ

قدم بوسی کی دولت میسر ہوئی۔ فرمایا۔ آج مولوی روم رح کا عرس ہے اگر کوئی نے نواز مل جاتا تو میں اس سے کہتا کہ بجاؤ۔ سناؤ۔ دو روپئے اس کے لیئے موجود ہیں۔ یہی موقع ہے۔ اس کے بعد جب حاضری کا اتفاق ہوا تو حضرت مولانا روم رح کے فاتحے کا حلوا عنایت فرمایا کہ تمہارے بچوں کا حصہ ہے۔ اور یہ تم اپنا حصہ الگ لو اور جو دوست موجود تھے ان سے کہا کہا کہ سب مل کر بیٹھ جائیں اور مرزا ظریف بیگ کو جو اشعار منطق الطیر وغیرہ

کے یاد تھے ان سے کہا کہ مثنوی کے طرز میں خوش الحانی سے پڑھیں تاکہ دوستوں کو ذوق ہو اور لطف اُٹھائیں چنانچہ اُنھوں نے کچھ اشعار پڑھے۔

اس کے بعد مرزا قطب بخش جو طریقے میں داخل ہو چکے ہیں اور صالح نوجوان، پاکیزہ طبیعت سپاہی ہیں ان سے ہندی دوہوں کی فرمائش کی یہ صاحب اکثر مولانا کو اشعار سُنایا کرتے ہیں۔ جوش و خروش بھی رکھتے ہیں۔

اس کے بعد شاہ ظہور اللہ کو بھی مثنوی کے اشعار سُنانے کا حکم دیا۔ پھر کیا تھا دوستوں پر ایک خاص شورش اور کیفیت طاری ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد مغرب کی اذاں کی آواز آئی تو مولانا مغرب کی نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک (اللہ کا شکر اور اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں)۔

قطعہ تاریخ متعلقہ ترجمہ

بارشادِ جنابِ حضرت قیصر میاں صاحب
ہوئی تیار فخر الطالبیں اُردو میں عصریہ
ندائے غیب آئی درؔد کو یہ فضل خالق سے
کہ سالِ ترجمہ لکھو۔ کتاب بزم فخریہ

۱۳۶۷ھ

تاریخ طبع

ہے فخر الطالبیں کا ترجمہ یہ
جزاک اللہ شمیم مصر فخری
طباعت کی لکھو تاریخ اے درؔد
بحمد اللہ۔ نسیم مصر فخری

۱۳۸۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مناقب فخریہ

(تالیف غازی الدین خاں نظام)

ترجمہ و ترتیب

میر نذر علی درد کاکوروی

فہرست

تمہید

یہ کتاب جو آپ کے سامنے ہے۔ غازی الدین خاں نظام (تخلص) کی تصنیف ہے۔ اُنھوں نے اِسی کتاب میں تذکرہ کیا ہے کہ نواب نظام الملک میرے دادا تھے۔

صوبہ داری اورنگ آباد دکن کے دفتر میں۔ جب میں سرکاری ملازمت سے متعلق تھا اُس وقت میں نے وہاں کی مطبوعہ کتاب "شجرہ آصفیہ" سے استفادہ کیا تھا۔ اس کے جو نوٹ میرے پاس ہیں ان سے ظاہر ہے کہ نواب نظام الملک آصف جاہ اوّل تھے۔ (قمر الدین خاں ان کا نام تھا)۔

مصنف نے آصف جاہ اوّل سے جو خصوصیت ظاہر کی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ آصف جاہ اوّل کو حضرت مولانا فخرؒ کے والد کی دعا سے دکن کی سلطنت ملی تھی ہماری کتاب (تذکرہ اولیاء اللہ اورنگ آباد دکن) میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

اورنگ آباد دکن کی خانقاہ میں۔ حضرت قیصر میاں صاحب اس وقت سجادہ نشین ہیں۔ چونکہ مجھ کو ان کے والد صاحب اور چچا

صاجان کی خدمت میں نیاز حاصل تھا اس لئے جناب قیصر میاں صاحب بڑی عزت اور عنایت فرماتے تھے درگاہ کی مسجد کی امامت مجھ سے متعلق فرمادی تھی۔ جمعہ کی نماز بھی پڑھاتا رہا ہوں۔ اُنھیں کی فرمائش پر کتاب زیر نظر کا ترجمہ ہوا۔

جس کمرے میں حضرت مولانا فخرؒ پیدا ہوئے تھے اس میں کئی بار بیٹھنے اور قوالی سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ حضرت موصوف کے ارشاد پر حضرت مولانا فخرؒ کی شان میں کئی چیزیں لکھی گئیں۔ خصوصاً "رنگ" ہر سال عرس میں گایا جاتا تھا تو محفل کا عجیب رنگ ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی چیزیں ہیں عقیدتاً ان کو اس کتاب کے آخر میں شریک کر دیا گیا ہے ؎

نوشتہ بماند سیہ بر سفید،
نویسندہ را نیست فردا امید

میر نذر علی درد کاکوروی
(قلندری انوری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لم یزلی معبود (خدا) کی بے شمار حمد ہے اور ازلی محبوب (محمد رسول اللہ) کی بے انتہا تعریف۔ جن کی یہ حدیث قدسی ہے۔ (یعنی اللہ فرماتا ہے)۔

کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق۔

میں چھپا ہوا خزانہ تھا تو میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں اس لئے مخلوق کو پیدا کر دیا۔

یہی محبت کی تخم پاشی ہے۔ حق کے ظہور کے چمن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گل افشانی کا لباس پہنے ہوئے ہیں۔ محبوبیت کے نور سے خاص مظاہر سیراب ہو کر کامل طور پر پھول پھل رہے ہیں۔ برگزیدہ شانوں کی مٹھاس پھل لا رہی ہے۔ حق کے شہود کی زبردست بجلی نزدیکوں کے دل پر چمک رہی ہے۔ یہاں تک اس کے آفتاب کی تجلی سے دوستوں کی روح روشن ہو گئی۔

رُباعی

آں خالقِ بے مثال کش ہمتا نیست	وہ بے مثال خالق جس کے برابر کوئی نہیں
در کل شیون غیر او پیدا نیست	اس کی شانوں اس کے سوا غیر نہیں

ہر میوۂ او دل کش اہل نظر ست	اہل نظر کے لئے ہر میوے کا جلوہ دلکش ہے
دل مُردہ بود آں کہ برو شیدا نیست	وہ دل زندہ نہیں جو اس پر شیدا نہیں

ایسے مظہر پر لامحدود درود۔ بے شمار صلوٰۃ جن کی۔ لولاک لما شان ہے۔ ایسی شان جو ربوبیت کی نشانی کو ظاہر کرتی ہے۔ ظہور کا میدان جن کے جھنڈے کے نیچے ہے۔ ان کی عبدیت (بندگی) نے سلطانی علم بلند کیا اور جن کی محبت نے حبیبی کا کام انجام دیا۔ ان کا شرح صدر ایسی صبح صادق ہے جس نے صدیقوں کے چہروں کے عارض کو بے نقاب کر دیا ہے۔ اور ان کے عشق کے آفتاب کی چمک نے دل روشن کر دیے ہیں۔ جو ان سے واقف ہوا اللہ سے واقف ہو گیا۔ اور ان میں فنا ہوا تو فانی فی اللہ ہو گیا۔ اللّٰھم صلّ علیٰ سیّدنا محمّدؐ و آلہٖ و اصحابہٖ وسلم۔

نعتیہ مثنوی

فروزاں آفتابِ چرخِ سرمد	سرمدی آسمان کے روشن آفتاب
چراغِ راہِ حق جوئے محمدؐ	اللہ کا راستہ دکھلانے والے محمد چراغ راہ
ازو نورِ نبوت انبیا را	انبیا کی نبوت کا نور انھیں سے ہے
وزو فیضِ ولایت اولیا را	اولیا کی ولایت کا فیض انھیں سے ہے
چو محبوبِ ازل شد جلوہ آرا	ازلی محبوب جب جلوہ آرا ہوئے
بر آمد خویش را گرم تماشا	اپنے محبوب کو دیکھنے کیلئے (اللہ) خود سرگرم تماشا ہو گیا

برائے خویشتن آئینہ ساخت	اللہ نے اپنے دیکھنے کا آئینہ بنا کر
دراں آئینہ عکس خویش انداخت	اس میں اپنا عکس ڈال دیا
بہ عکس خویش با صد جلوہ سازی	(حسن ازل کے) عکس نے سو طرح جلوہ نمائی کی
سراسر گشت محوِ عشق بازی	پھر عشق بازی میں بالکل مصروف ہو گیا
احد در جلوۂ مرآت احمد	احمدؐ آئینہ اور اس میں احد جلوہ گر ہے
چہ گفتم۔ عین نور ذات احمد	کیا بیان کروں۔ احمد عین نور ذات ہے
الف در میم خود را کردہ پنہاں	الف نے میم میں اپنے آپ کو چھپا لیا ہے
بہ میم دیگرش افزود کتماں	دوسرے میم نے نقاب کا کام دیا
دریں پیرایہ شد ہادی امم را	اس صورت سے آپؐ امتوں کے ہادی ہو گئے
محمد نام زد نقشِ قدم را	قدم کے نقش کا محمدؐ نام پڑ گیا
چو از رخ افگند ایں پردہ یکبار	یہ ایک دم اگر بے حجاب ہو جائے
احد گردد ازاں مشہود انظار	تو سب نگاہوں کو احد نظر آنے لگے
نہ مرئی ذاتِ پاک اوست ہرچند	اگرچہ خدا نظر آنے والی چیز نہیں ہے
کند دل را تجلی ہاش خورسند	(لیکن محمدؐ کی صورت میں) حق کا
	جلوہ دلوں کو مسرور کرتا رہتا ہے

آں حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آل واصحاب
اور اخیار پر اور آن اصطفا کے گلدستوں پر جو رنگ برنگ صفا
کے آسمان کے آفتاب ہیں۔ ان پر بے شمار درود۔ اور دین متین

کے ارکان چار و اماموں پر بھی جو ہدایت یافتہ ہیں۔ اللہ کی رحمت ہو۔ کہ اللہ ان سے راضی ہوا۔

خلاصۂ خاندان رسالت وسیادت قطب ربانی محبوب سبحانی ابو محمد سلطان سید محمد عبدالقادر جیلانی الحسنی الحسینی رضی اللہ عنہ پر بھی اللہ کی رحمت ہو۔

عنبر کی خوشبو والا قلم ذوق وشوق کے نغموں میں محبت کی داستان بلبل کی طرح بیان کرنے کی فکر میں ہے اور قلم ہزار داستان لکھنے کی دھن میں اس طرح گوہر فشاں ہے افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات آں حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حدیث شریف ہے۔

من احب شیئاً اکثر ذکرہٗ

جس کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کا اکثر ذکر کرتا رہتا ہے۔

یہ کمترین فخری درگاہ کے ادنےٰ غلاموں میں ہے اور ان کی نگاہ تبسم کا خریدا ہوا ہے۔ زبدۃ الواصلین، قدوۃ العارفین، رمزدان اسرار ربانی، سیدی، سندی، مرشدی، قبلۃ الفواد، کعبۃ المراد، مولانا محمد فخرالدین وہ بزرگ ہیں جن کو آں حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اُمت کے اولیاء محب نبی کہتے ہیں۔

ے آں کہ نامش چو برم نذر کنم لخت جگر
برکشم شیرۂ جاں راؤ زباں سازم تر[1]

کمترین نے موصوف کے حالات اکثر نظم کیے ہیں۔ اور خدا کے فضل سے ان کی بزرگی، ان کے رشد و ہدایت، ان کے خرق عادت، کو اب نثر میں جمع کر کے **مناقب فخریہ** نام رکھ دیا ہے۔ اس میں پانچ باب ہیں۔

پہلا باب:۔ حالات ہیں۔

دوسرا باب:۔ عادات و اطوار ہیں۔

تیسرا باب:۔ کرامات و خرق عادت ہیں۔

چوتھا باب:۔ سماع کے طریقے ہیں۔

پانچواں باب:۔ طور اور تربیت ہیں۔

---

[1] یعنی چاہتا ہوں کہ روح کے شیرے سے زبان تر کرتے ہوئے آپ کا نام لوں پھر جگر کا ٹکڑا نذر میں پیش کر دوں۔ درد کاکوروی۔

پہلا باب

حالات میں

حضرت مولانا شاہ نظام الدین چشتی (کاکوروی) اورنگ آبادی،
آپ کے والد صدیقی نسب رکھتے ہیں۔ حضرت موصوف کے ہزاروں
مرید اور ان میں سے اکثر صاحب حال اور صاحب کمال بھی گزرے
ہیں۔ یہاں تک کہ بعضوں نے مردے بھی زندہ کئے ہیں۔
آپ کا اصل وطن پورب[1] ہے وہاں سے تحصیل علم کے لئے،

---

[1] اورنگ آباد دکن کے اولیاء اللہ کا ہم نے تذکرہ لکھا ہے۔ اس میں
وطن وغیرہ کی تفصیل دیکھئے۔ درد کاکوروی۔

شاہ جہاں آباد (دہلی) آئے اور یہاں حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب آپ اُن کے یہاں پہنچے تو حضرت شیخ کلیم اللہؒ کے یہاں گانے کی مجلس ہو رہی تھی اور مقررہ شرائط کے مطابق مجلسِ سماع میں اغیار کو جانے کی اجازت نہ تھی، آپ نے دستک دی۔ حضرت شیخ صاحب کے مریدوں میں سے ایک صاحب آئے اور موصوف ملے۔ پھر اندر جاکر حضرت شیخ صاحب کو اطلاع دی، آپ کا نام اور حال بیان کر دیا۔ شیخ صاحب نے فرمایا کہ بلالو اُنھوں نے عرض کیا یہ ایک اجنبی صاحب ہیں اور اجنبی (غیر) کے لئے تو محفلِ سماع میں آنے کی ممانعت ہے۔

زبان فیضِ ترجمان سے ارشاد ہوا کہ یہ صاحب اجنبی (غیر) نہیں ہیں۔ اتنا سنتے ہی، اُنھوں نے حضرت نظام الدین کو اندر بُلا لیا۔ حضرت شیخ تعظیم سے پیش آئے۔ آپ نے شاگردگی کا ارادہ ظاہر کیا۔ شیخ صاحب نے ہمیشہ کے لئے قبول و منظور کر لیا۔ آپ مہمانوں کی طرح رہنے لگے۔ حضرت شیخ کے مریدوں کی حالت اور ذوق و شوق دیکھ کر تعجب ہوتا تھا۔

ایک دن حضرت شیخ یحییٰ مدنی کا مرید (جو ساکن مدینہ اور شیخ یحییٰ کے پاس سے) آیا تھا۔ اس نے جیسے ہی شیخ کلیم اللہؒ کو دیکھا بے ہوش ہو کر گر پڑا، حضرت نظام الدین کو بڑی حیرت ہوئی۔ کیونکہ ان کو ایسی کیفیتیں دیکھنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ جو لوگ وہاں موجود تھے ان سے پوچھا سب نے کہا ایسے ہی کیفیات ہوتی ہیں۔ یہ حالات

دیکھ کر اعتقاد اور ارادت میں اور بھی تقویت ہوگئی۔ انتہائی ارادت اور خلوص سے شیخ کی خدمت کرنے لگے۔ آخر ایک دن نصیبہ جاگ اُٹھا اور کل امر مرھون باوقاتھا (ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے) نے نقاب اُلٹ کر معنی کے چہرے کو روشن کر دیا۔

(جب مجلس سے) حضرت شیخ اُٹھ کر کھڑے ہوگئے تو آپ نے عقیدت مندی سے نعلین مبارک سامنے لاکر رکھ دیں تو حضرت شیخ نے نگاہ عنایت سے دیکھتے ہوئے فرمایا۔ باطنی علوم کی کتابوں کی طرف متوجہ ہونا بہتر ہے۔ اس پر حضرت شاہ نظام الدین نے خادمانہ انداز میں عرض کیا۔ ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را   تو دانی حساب کم وبیش را [1]

اتنا سنتے ہی حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کو یاد آگیا کہ حضرت شیخ یحیٰی مدنی نے فرمایا تھا کہ نظام الدین نام ایک طالب تمھارے پاس آئے گا اور وہ یہ شعر پڑھے گا (جو اوپر لکھا گیا) وہی ہماری نسبت کا مالک ہوگا۔ اس لئے حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی نے۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم۔ [2] کے تحت ان کو مرید کر لیا۔

---

[1] (ترجمہ) کمی بیشی کا حساب آپ جانئے میں نے تو اپنا سرمایہ آپ کے سپرد کر دیا ہے۔

[2] یہ قرآن شریف کی آیت ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔ اے نبی آپ سے جو بیعت کرتے ہیں۔ (آپ کے مرید ہوتے ہیں) وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ درد کا کوری۔

اور کچھ دن اپنے پاس رکھ کر مختلف نعمتوں سے سرفراز کرتے ہوئے سرزمین دکن کی طرف جانے کا حکم دیدیا کہ وہاں جاکر مخلوق خدا کی ہدایت یعنی اسلام کی تبلیغ میں مصروف ہوجائیں۔ نواب نظام الملک آصف جاہ جو اس راقم کے دادا تھے وہ آپ کے مرید ہوگئے۔

شرافت و ولایت آثار خواجہ کامگار خاں جو آپ کے مقرب خلیفہ ہیں اُنھوں نے ایک کتاب آپ کے حالات وغیرہ میں لکھی ہے جس کا نام احسن الشمائل ہے [۱]

اگرچہ یہ نسخہ حالات کے لحاظ سے دریا کا ایک قطرہ ہے۔ تاہم اس سے طالبوں کے ذوق شوق میں ترقی ضرور ہوتی ہے۔ اس احقر نے بھی ایک مثنوی "فخریۃ النظام" لکھی ہے۔

حضرت مولانا فخرؒ کی والدہ سید محمد بندہ نواز گیسو دراز کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کمترین غلام کی دادی کی بہن ہوتی ہیں۔

حضرت مولانا فخرؒ ۱۱۲۶ھ میں فرخندہ بنیاد اورنگ آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ جب حضرت شیخ کلیم اللہؒ کو آپ کے پیدا ہونے کی اطلاع ملی تو اُنھوں نے ایک خاص لباس آپ کے لئے بھیجا اور حضرت شاہ نظام الدین کو "مولانا فخر الدین" نام رکھنے کے لئے تحریر فرمایا۔ اس کے

---

[۱] اورنگ آبادی دوست جناب گیسو دراز خاں صاحب نے بیان کیا تھا کہ اس کا قلمی نسخہ میرے پاس ہے۔ درد کاکوروی۔

علاوہ اور بہت سی بشارتیں بھی تحریر فرمائیں۔

بعمر سات سال مولانا فخرؒ کو بُن (قہوہ۔کافی) کے پانچ دانے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے خواب میں عطا فرمائے۔جب بیدار ہوئے تو یہ دانے ہاتھ میں موجود پائے۔بنور باطن آپ کے والد ماجد اس مقصد پر مطلع ہو گئے اور کہا اے فرزند تنہا نہ کھانا۔چنانچہ انھوں نے ان دانوں کو والد کے سامنے پیش کر دیا۔والد نے کچھ دانے نوش فرمائے اور باقی مولانا فخرؒ نے کھا لئے۔اس فخر خاندان کو والد بہت چاہتے تھے اور ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے تھے۔

شہر میں ایک صاحبِ کمال مجذوب رہتے تھے وہ اکثر حضرت شاہ نظام الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مولانا فخرؒ کو گود میں لے کر کھلایا کرتے، ایک روز چاہا کہ کچھ تصرف سے کام لیں۔حضرت صاحب (شاہ نظام الدینؒ) نے اُن سے کہا آپ کی توجہ کا بہت شکریہ لیکن تصرف سے معاف رکھئے مجکو اس بچے سے بہت کام لینا ہیں۔محبوبیت کے چمن کا یہ پھول صاحب حال اور صاحب کمال تھا حضرت صاحب قبلہ جو کچھ راز و نیاز رکھتے تھے یہ بات کسی کو حاصل نہ تھی۔

مولانا فخرؒ کے بڑے بھائی غلام محمد اسماعیل دنیا کی طرف زیادہ متوجہ تھے۔ان کو حضرت صاحب قبلہ نے کامگار خاں کا مرید کرا دیا تھا۔تین چھوٹے بھائی اور تھے۔غلام معین الدین۔غلام بہاء الدین۔غلام کلیم اللہ۔یہ مولانا فخرؒ کے مرید تھے۔لیکن یہ

تینوں حقیقی برادر نہ تھے۔

اب مولانا فخرؒ (۱۶) سال کے تھے کہ حضرت صاحب قبلہ کے وصال کا زمانہ قریب آگیا۔ اس وقت قاضی کریم الدین خاں (جو حضرت صاحب قبلہ کے داماد تھے وہ) حاضر تھے ان سے کہا کہ میرے فرزند مولانا فخرالدینؒ کو جلد بلاؤ۔ اُنھوں نے بُلا لیا، یہ آئے تو حضرت صاحب نے لپٹا لیا اور تھوڑی دیر تک سینے سے لگائے رہے اِدھر تمام باطنی نعمتیں ان کو عطا فرما دیں اُدھر روح پر فتوح عالمِ قدس کو پرواز کر گئی اور جسم کو آرام مل گیا۔

مولانا اس واقعے کے پیش آجانے سے بے اختیار گر پڑے۔

۱۱۴۲ھ میں یہ سانحہ پیش آیا تھا۔ خجستہ بنیاد اورنگ آباد میں حضرت صاحب قبلہ یعنی شاہ نظام الدینؒ کا مقبرہ ہے ایک عالم زیارت سے مشرف ہوتا رہتا ہے۔ ہر سال آپ کے عرس میں کثیر مجمع ہوتا ہے۔ طیب اللہ ثراہ وجعل الجنتہ مثواہ۔ الا ان اولیاء اللہ لایموتون بل ینتقلون من دار الی دار[1]

حضرت صاحب کی رحلت کے بعد مرشد زادے نے مرتبہ فضیلت حاصل کرنے کے لئے ہمت باندھی تین۳ سال میں تمام و

---

[1] (ترجمہ) اللہ ان کی جگہ کو خوشبودار بنائے اور جنت میں جگہ دے۔ آگاہ ہو جاؤ اللہ والے مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں چلے جاتے ہیں۔ د۔ د کاکوروی۔

کمال علم حاصل کر لیا۔

العلماء امناء اللہ (علماء اللہ کے امین ہیں) والنظر علی وجہ العالم عبادۃ (عالم کے چہرے پر نظر ڈالنا عبادت ہے) ان نادر فضیلتوں سے مولانا نے اپنے آپ کو آراستہ کر لیا۔ پھر ۵ سال تک آپ نے رات دن بڑی بڑی ریاضتیں کیں کہ عقل اُن کے ادراک سے عاجز ہے۔ آپ ایسی منزل پر پہنچ گئے کہ حق کے سوا اور کوئی نظروں میں نہ رہا۔ انتہائی عقل رسا اور فہم بلیغ کے لحاظ سے آپ نے ظاہری طور پر ایسا رندانہ طریقہ اختیار کیا کہ ظاہر بین حضرات کے قدم ڈگمگانے لگے (اس طرح حقیقی طالبانِ حق کی جانچ اور امتحان منظور تھا) یہاں تک کہ آپ کی طرف سے لوگ بدگمان ہو گئے اور آپ کے قیمتی اوقات میں خلل ڈالنے لگے۔ حاسدوں نے برا کہنے کے لئے اپنی ایک ٹولی بنالی تھی مولانا کے دوستوں کو بہت بُرا معلوم ہوا۔ خدا نے آپ کو حاسدوں کے شر سے محفوظ رکھا۔

مدتوں نواب نظام الدولہ ناصر جنگ اور ہمّت یار خاں (راقم کے چچا) ان دونوں کے ساتھ آپ فوج کشی اور شمشیر زنی میں مصروف رہے۔ اس حالت میں بھی ہمیشہ روزہ رکھا کرتے۔ زبان مبارک سے فرماتے "میں تمام رات پال میں تنہا بیدار۔ اور یادِ خدا میں مشغول رہتا ہوں پھر دوسرے ظاہری کاموں کی طرف بھی متوجہ رہنا پڑتا ہے مگر خدا کی یاد سے غفلت نہیں رہتی یہ خدا ہی کا احسان ہے۔

میں نے بعض عملوں میں چالیس دن تک ایک ہی لباس میں زندگی گزار دی لوگوں کو تعجب ہوتا ہے کہ کپڑے نہ بدلنے کی کیا وجہ ہے؟"
سبحان اللہ مولانا کی متانت اور ہمت پر آفریں ہے۔

فرماتے تھے کہ ہمت یار خاں۔ کیمیا بنایا کرتے تھے۔ اور فوج کی جتنی بھی تنخواہ طلب کی جاتی دیتے رہتے۔ مجھ سے خوشامد سے کہتے کہ آپ کے سوا کسی کو اس کی خبر نہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ اس کو ضرور سیکھ لیں۔ زندگی کا کیا اعتبار دنیا فانی ہے۔ میں نہ رہا تو یہ علم بھی جاتا رہے گا۔ مگر ہم نے کیمیا بنانا سیکھی نہیں۔

آپ سے میں نے ایک اور قصہ بھی سُنا ہے وہ یہ کہ ہمت خاں جب قلعے کی طرف فوج کشی کے لئے جا رہے تھے تو وہاں ایک سانپ تھا کوئی جاندار اس سے بچ نہیں سکتا تھا۔ غدار لشکر کو گاؤں والوں نے اسی جگہ ڈیرہ لگانے کی رائے دی تھی۔ ہم لشکر سے کچھ دور ٹھہرے اور حسب معمول علحدہ مشغولی میں مشغول ہو گئے۔ مشغولی کے بعد ہم نے ذرا آرام کیا تھا کہ سبز رنگ کا چھوٹا زہر آلود سانپ درخت سے ہمارے سامنے آکر گرا۔ دیکھتے ہی میں نے اس کو حملے کا موقع نہیں دیا اور کٹاری میان سے نکال کر اس کے سر پر ماری وہ اتنا تڑپا کہ جس کی انتہا نہیں مگر خدا کے فضل سے میں نے اُس کو مار ڈالا۔ آخر معلوم ہوا کہ یہی سانپ تھا جس سے کوئی جاندار بچ کر نکل نہ سکتا تھا۔

بندے کا خیال ہے کہ اس میں بھی حکمت الہٰی تھی۔ کیونکہ
حضرت مولانا دافع بلیات ہیں۔ خدا نے اس طرح بندوں
کی حفاظت کا انتظام کرادیا۔ بیت۔

گرچہ حق خود می کند کار جہاں	اگرچہ خود حق دنیا کا انتظام کرتا ہے
داشت بر خاصان خود بنیاد آں	لیکن اپنے خاص بندوں پر اس کی بنیاد رکھ دی ہے
دست انیاں در حقیقت دست اوست	اللہ والوں کا ہاتھ دراصل اللہ کا ہاتھ ہے
ہست اینان بے تکلف ہست اوست	ان کا وجود بے تکلف حق ہی کا شہود ہے

یہ جو آں حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حدیث قدسی دیکھنے
میں آئی ہے کہ۔ اولیائی تحت قبائی لایعرفھم سوائی۔ ایسے ہی بزرگوں
کی شان میں ہے (اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔ میرے اولیا میری قبا
کے نیچے ہیں۔ میرے سوا ان کو۔ کوئی پہچانتا نہیں)۔ گویا دریا کوزے
میں سمایا ہوا ہے یا ایک آفتاب ہے جو در پردہ جلوہ گر ہے۔ رباعی

حسن و قد زیبائے تو می زیبد بس	آپ کا زیبا قد اور حسن کتنا بھلا معلوم ہو
ویں شان دل آرائے تو می زیبد بس	یہ دل آرائی کی شان کتنی اچھی معلوم ہو رہی
بایں نگہ کم چہ اداہا داری	کم نظری پر اداؤں کا یہ حال
اے شوخ من ایں ہائے تو می زیبد وبس	اے محبوب تیری شوخیاں کتنی دل کش

اس خزانے کے جمع کرنے میں اللہ کی حکمت پوشیدہ تھی گویا جناب باری نے خاص طریقے سے اپنی نعمتوں کو ہم لوگوں کے لئے مخصوص فرمادیا تھا، اس کے خاطرخواہ اسباب مہیا کر دئے اور جب مخلوق کو اس سے نفع پہنچانا منظور ہوا تو خدا نے مولانا کی خدمت اور مولانا کے قریب بیٹھنے کا موقع عطا فرمایا ہم لوگ ادب کی وجہ سے بہت کم دوستانہ طریقے کو کام میں لاتے تھے تاہم آپ کے کمالات کی جستجو میں لگے رہتے۔ جب مولانا کو اس کی خبر ہوئی تو مولانا اورنگ آباد چلے گئے۔ گر وہاں بھی یہ کیفیت رہی کہ حضرت شاہ نظام الدین کے ایک خلیفہ صاحب کمال نے دل سوزی اور خیراندیشی کے لحاظ سے مولانا کی خدمت میں نصیحت اور عقیدت کے طور پر کچھ عرض کیا، مولانا نے اپنے کمال کو پوشیدہ رکھتے ہوئے کچھ رندانہ جواب دے کر فرمایا۔ بشریت سے کوئی بشر خالی نہیں۔ دعا کرو کہ جیسا ہونا چاہئے اللہ ویسا کر دے اور جو بات نہ ہونا چاہئے وہ نہ ہو۔

ایک دن صبح مولانا کو نہ معلوم کیا خیال آیا کہ قوت باطنی سے ان کی نسبت سلب کر لی چونکہ وہ بھی باکمال انسان تھے سمجھ گئے اور معافی چاہی اور عرض کیا کہ محض خیراندیشی اور خیر طلبی کی نظر سے اس نیازمند نے ایسا کہا تھا۔ الحمدللہ جیسا دل چاہتا تھا میں نے آپ کو ویسا ہی پایا۔ اب معلوم ہوا کہ آپ نے اپنے آپ کو بہت چھپا کر رکھا ہے۔ اس کے بعد مولانا نے سلب شدہ نسبت کو انھیں واپس کر دیا۔

اسی زمانے میں ایک اور قصہ رنگ لایا وہ یہ کہ ایک شخص کسی امیر آدمی کا خون کر کے بھاگا ہوا آیا۔ اور پناہ چاہی مولانا نے اس کو چھپا دیا اور جب مقتول کے وارث سراغ پا کر یہاں آئے۔ اور فریاد

کی تو مولانا نے فرمایا اگر میرے مکان کا پتہ ملا ہے تو مکان حاضر ہے۔ ڈھونڈھ لو۔ ان کی اتنی ہمت نہ تھی۔ واپس چلے گئے۔ مگر اس تاک میں رہے کہ جب کبھی یہاں ملے تو اس سے بدلہ لیں۔

حضرت مولانا نے اس قاتل سے کہا کہ دیکھو تمہارے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ تم یادالٰہی میں غرق رہو۔ ورنہ یہاں سے چلے جاؤ۔ اس نے فرمان والا کی تعمیل کی اور جس طرح آپ نے بتایا اس طرح خدا کی یاد شروع کر دی چند روز میں یہ حالت ہو گئی کہ مجذوب ہو گیا۔ اندر سے خود ہی باہر آگیا۔ پھر تو اس کی یہ حالت ہو گئی کہ جس پر وہ نظر ڈالتا اُس کی حالت بدل جاتی اور جو زبان سے کہہ دیتا وہی ہو جاتا، بہت لوگ اس کے معتقد ہو گئے تھے اس لئے بہت لوگوں نے اس کو بچالیا۔ وارثوں نے جب یہ دیکھا کہ اب یہ شخص مجذوب فقیر صاحب تاثیر ہو گیا ہے تو عداوت اور قتل کا خیال ہی چھوڑ دیا وہ گروہ جو اس سلسلے میں حضرت مولانا کا مخالف ہو گیا تھا وہ مولانا کا حلقہ بگوش ہو گیا۔ بلکہ اس کے ذریعے تمام دکن میں اس واقعے کی شہرت ہو گئی تو مولانا نے چاہا کہ کہیں اور چلے جائیں اور اپنے کمالات کو ظاہر نہ ہونے دیں۔

دہلی کو روانگی

مولانا نماز میں تھے کہ آپ کے کان میں یہ آواز آئی ؎

بند بگسل باش آزاد اے پسر   تعلقات چھوڑ کر آزاد ہو جاؤ

اور حضرت خواجہ اجمیریؒ سے دہلی جانے کا حکم مل گیا۔ آپ صرف دو آدمیوں (شیدی قاسم حبشی غلام اور محمد حیات ملازم) کو ساتھ لے کر بیدل دہلی چل دیئے۔ اجمیر پہنچنے تک کہیں نہیں ٹھہرے۔ غیبی اشارے کے بغیر آپ کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ خرقِ عادت بھی آپ کی خواہش کے مطابق ہوتا تھا۔ چنانچہ مثنوی فخریۃ النظام میں اس کو بیان کیا گیا ہے اور یہاں بھی لکھا جائے گا۔

لباس

حضرت مولانا خاص طریقے کا لباس پہنتے تھے۔ جو زرتاری ہوتا تھا دستار بھی حسب معمول ہوتی کمر کا پٹکہ بہت ہی لمبا ہوتا تھا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ آپ کا سا لباس بنائے یا پہنے۔ پھر خود ہی آپ نے اس کو چھوڑ کر درویشانہ جبہ اور کلاہ پہننا شروع کر دی۔

جب آپ دہلی پہنچے تو ایک بڑھیا نے دیکھ کر کہا، اے بیٹے تو کہاں چلا گیا تھا۔ تیری جدائی میں جان کباب ہوگئی پھر غسل کے لئے پانی گرم کیا۔ غسل کے بعد لذیذ کھانا لائی ایک لباس حاضر کیا جو بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ مولانا پہنا کرتے تھے۔ حضرت سمجھے کہ خدا کی طرف سے ہے ناچار قبول کر لیا۔ پھر چھوڑ چھاڑ کر چل دینے کا ارادہ کر لیا۔ اور اس سے کہا میں تمہارا لڑکا نہیں ہوں اگر میری صورت اس سے ملتی جلتی ہے تو تم اس دھوکے میں اپنا پیسہ ضائع نہ کرو۔ اس نے کہا

چاہے دھوکا ہی کیوں نہ ہو لیکن مجھے خدمت کرنا منظور ہے۔ مولانا کو یقین ہو گیا کہ یہ غیبی عطیہ ہے۔ راستے میں ایک بت خانہ پڑا حضرت وہیں ٹھہر گئے۔ اتنے میں وہاں ایک ہندو نابینا عورت آئی اور اُس نے پکار کر دریافت کیا کہ **محمد فخر الدین** نام کا یہاں کون سا مسافر ہے جو یہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ مولانا نے کہا میں ہوں اس ناچیز بندے سے کیا کام ہے۔ بڑھیا اتنا سنتے ہی قدموں پر گر پڑی کہ خدا کے لئے میری آنکھیں روشن کر دو۔

مولانا نے کہا ارے نیک بخت تجھ کو یہ کس نے سکھا دیا ہے میں ایک سپاہی مسافر ہوں، کہاں میں کہاں یہ کام۔ اُس نے کہا بہت عرصے سے میری یہ حالت ہے میں جس بت کی پوجا کرتی ہوں میں نے اس سے کئی بار کہا وہ ہر بار یہی جواب دیتا تھا کہ شفا کا وقت آنے دے آنکھ کی روشنی واپس آجائے گی۔ آج اُس بت نے کہا کہ تجھ کو شفا دینے والے ایک بزرگ ہیں جن کا نام محمد فخر الدین ہے اور وہ فلاں جگہ ٹھہرے ہیں تو وہاں جا۔ اس کے پتہ بتانے پر میں آپ کے پاس آئی ہوں ورنہ میں تو آپ کے نام سے بھی واقف نہ تھی۔

رُباعی

خواہد چو خدا درخت را پویاند	وز سنگ گیاہ سبز تر رویاند
جب خدا کو درخت پیدا کرنا منظور ہوتا ہے	تو پتھر سے سبزہ نکال دیتا ہے

بنگر در قدرتش - میاور شبہات | گاہے صمد از صنم سخن گویاند
اس کی قدرت میں کسی قسم کا شک نہ کر | کبھی صمد صنم کی زبان سے گویا ہو جاتا ہے

جب آپ نے دیکھا کہ خدا کا یہی حکم ہے تو اُس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا۔ آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اُسی وقت آپ وہاں سے آگے بڑھ گئے کہ کہیں شہرت نہ ہو جائے۔ جو لوگ ساتھ تھے اُنھوں نے یہ قصہ دوسروں سے بیان کیا تو مولانا کو اچھا نہیں معلوم ہوا۔ کئی منزلیں طے کرنے کے بعد خیریت سے دارالخیر اجمیر پہنچے۔ تھوڑی دیر وہاں ٹھہرے زیارت کی اور دہلی کی طرف رُخ کر دیا۔

پھر حضرت قطب الاقطاب بختیار کاکیؒ کی درگاہ میں جا کر ٹھہرے۔ رات کا وقت تھا روضے شریف کا دروازہ بند تھا۔ وہاں کا قاعدہ تھا کہ شام سے دروازے کو بند کر دیا جاتا تھا، اگر بادشاہ بھی آجائے تو کوئی دروازہ نہیں کھولتا تھا۔ اتفاق دیکھئے کہ خود خدام کو درگاہ کا دروازہ کھولنے کی کوئی ضرورت پیش آگئی۔ اسی وقت حضرت مولانا درگاہ میں گئے اور زیارت سے مشرف ہوئے اور وہاں کی مسجد میں اعتکاف کے لئے بیٹھ گئے۔

محمد امان نامی وہاں ایک صاحب تھے جو وہاں کے امانیوں میں تھے۔ حضرت خواجہ قطبؒ کی روح مبارک کی بشارت پر آپ کے مرید ہو گئے اور آج تک خلفاء میں ہیں۔ وہاں سے رخصت ہو کر حضرت مخدوم نصیر الدینؒ قدس سرہ العزیز کے یہاں آئے

اور وہاں سے حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور اپنے دل کو مقصود المشتاقین کی زیارت سے خوش کیا۔ اس کے بعد حضرت عارف باللہ شیخ کلیم اللہ کی زیارت سے مستفید ہوئے۔

حضرت شیخ کلیم اللہ کے صاحبزادے بڑے تپاک اور محبت سے پیش آئے اور دو تین دن بہت خوشامد سے مہمان رکھا اس کے بعد مولانا نے کٹڑے پھلیل میں ایک حویلی کرائے پر لے لی وہ مکان آپ کے قدموں کی برکت سے رشک چمن بن گیا آپ نے وہاں درس دینے کا سلسلہ شروع فرما دیا۔ اور یہاں بیعت کا بھی سلسلہ تھا۔

ہمارے مخدوم۔ منظہر اللہ الصمد۔ حضرت نور محمد سلمہ اللہ الاحد اسی مقام پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ حافظ خورم حافظ قاسم۔ مرزا حسین اکبرآبادی اور مرزا حسین دہلوی بھی یہیں مرید ہوئے۔ مذکور الصدر مرزا سپہ گری کے فن میں یکتائے روزگار تھے اور چونکہ مولانا کو بھی اس فن میں کافی دخل تھا اس وجہ سے مرزا صاحب کو آپ سے ایک قسم کی خصوصیت اور ربط پیدا ہو گیا تھا۔ مرزا کی ملاقات ہی اسی ضمن میں ہوئی تھی۔

مرزا نے اپنے چھوٹے بھائی کو جو لاہور میں تھے لکھا کہ اب میرا دل یاد الٰہی کی طرف راغب ہو گیا ہے اگر کوئی فقیر صاحب دہاں ہوں تو اطلاع دو۔ انھوں نے جواب میں لکھا ۔۔

یار در خانہ و تو گرد جہاں می گردی	مرشد گھر میں اور تم اِدھر اُدھر پھر رہے ہو
آب در کوزہ و تو تشنہ وہاں می گردی	کوزے میں پانی موجود ہے اور تم پیاسے چکر لگا رہے ہو

حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے صاحبزادے مولانا فخرالدین دہلی تشریف لائے ہوئے ہیں آج ان سے بڑھ کر بزرگ اور فقیر کون ہے مرزا نے خط دیکھا پھر حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت نظام الدین اورنگ آبادی آپ کے والد تھے ارشاد فرمایا ہاں میں انھیں کا فرزند ہوں اتنا سنتے ہی آپ کے قدموں پر گر پڑے اور ناواقفانہ جسارتوں کی معافی چاہی اور بیعت کے لئے عرض کیا۔ فرمایا۔ مرزا ہمارے تمھارے درمیان دوستانہ مراسم ہیں اور ہم سپاہی پیشہ انسان ہیں آج تم کو کیا ہوا ہے جو ایسی باتیں کر رہے ہو۔ مرزا نے خط پیش کر دیا۔ حضرت مولانا مرزا صاحب کا اشتیاق دیکھ کر۔ مرزا کو خاص حجرے میں لے گئے اور مرید کر لیا۔ مولانا اپنی شہرت پر رنجیدہ ہو گئے۔

لیکن مرزا صاحب انتہائی خوشی میں زار و قطار رونے لگے۔ اتنا روئے کہ باہر کے لوگ آواز سن کر یہ سمجھے کہ شاید مرزا صاحب کے عزیزوں میں سے کوئی مر گیا ہے۔ اور یہ ماتمی خط ہے تبھی تو مرزا صاحب اس طرح رو رہے ہیں۔ اور حضرت ان کی یہ حالت

دیکھ کر ترحم اور غمگساری کے لحاظ سے رونے میں ان کا ساتھ دے رہے
ہیں۔ اس وجہ سے غمگین ہیں۔

آخر جب مرزا صاحب نے حجرے سے باہر آ کر شیرینی تقسیم کی تو
لوگوں کو اصل بات معلوم ہوئی۔

۱۱۶۰ھ میں حضرت مولانا شاہ جہاں آباد میں تشریف لائے
اس کے بعد شاید سال بھر رہے ہوں گے کہ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ
کی زیارت کے لئے پیدل تشریف لے گئے۔ اس سفر میں مولانا نور محمد
اور ایک غلام کے سوا حضرت مولانا کے ساتھ کوئی اور نہ تھا۔ امام
ناصر الدین کے مزار کے طواف کی سعادت حاصل کرنے کے لئے
سونی پت اور سید شمس الدین ترک اور حضرت شاہ شرف بو علی قلندرؒ
کی زیارت کے لئے پانی پت تشریف لے گئے پیدل چلنے کی وجہ سے
آپ کے پیروں میں چھالے پڑ گئے۔

رُباعی

آں آبلہ نیست چشم ما نالاں ست	یہ آبلے نہیں۔ ہماری آنکھ رو رہی ہے
تب خالۂ لب بوصف او حیراں ست	اس کی تعریف میں ہونٹ کا چھالا بھی حیران ہے
صد جام حباب مے عشقش در جوش	(اللہ کی محبت کے) تو حبابی۔ جام جوش میں آگئے
بینلسۂ شراب غم او گریاں ست	اس کے غم کی شراب کا شیشہ رو رہا ہے

القصہ مولانا نے ایک یابو (گھوڑا) کرایہ کیا۔ مگر سوار نہیں ہوئے۔ منزل بہ منزل یابو کرایہ کرتے اور کسی پیچھے رہے ہوئے کو سوار کر لیتے اور خود اسی طرح پیدل چلتے۔ کرایہ لینے والے مولانا نور محمد سے دریافت کرتے اور کہتے یہ کیسے آدمی ہیں کہ کرایہ تو دے رہے ہیں اور خود پیدل چل رہے ہیں انھوں نے کہا اگرچہ یہ لاابالی مزاج کے ہیں مگر بڑے خوش اخلاق ہیں ہماری یہ مجال نہیں کہ دم ماریں۔

پھر حضرت محترم اللہ نقشبندی جن سے حضرت شیخ کلیم اللہؒ تک نقشبندی سلسلہ پہنچتا ہے۔ ان کے اور دوسرے مزاروں اور مقبروں کی زیارت کے لئے روانہ ہو گئے وہاں سے حضرت نے ہزار سیب خرید کر ساتھ لے لئے۔ جب پاک پٹن پہنچے تو زیارت کے بعد اس حجرے میں جو روضے کے پاس ہے اور جس کی چوڑائی ڈیڑھ گز ہوگی اور لمبائی دو گز۔ وہاں اکیلے مشغولی کیا کرتے تھے۔

دلوان شیخ محمد یوسف اُس وقت وہاں صاحبِ سجادہ تھے جس وقت ان کی ملاقات کو گئے تو ولائتی سیب ہدیتاً نذر کئے شیخ محمد یوسف صاحب بیماری کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے تھے ان کو ولایتی سیبوں کی تلاش تھی تاکہ کمزوری رفع ہو جائے اس لئے ولائتی سیب پہنچنے سے بہت خوش ہوئے بلکہ معتقد ہو گئے اور خلوص کا اظہار کیا۔ غلام مرتضیٰ اور دوسرے حضرات بیعت سے مشرف ہوئے کچھ روز قیام کرنے کے بعد پھر دہلی واپس آ گئے۔

سائیں اللہ یار۔ وہیں سے آپ کے ساتھ ہو گئے۔ خوش نصیبی دیکھئے کہ اُنھوں نے آستانۂ مبارک جاروب کشی میں اپنی عمر گزار دی اور اسی حالت میں انتقال فرمایا۔ فردیت کا آفتاب روضۂ منورہ کے نور سے سعادت کے آسمانوں پر جلوہ گر ہو گیا۔

ایک دن روضے کا طواف کرتے ہوئے ایک درویش بہشتی دروازے کے سامنے نظر آئے۔ مولانا فخرؒ نے فرمایا خدا کے بندوں کو تکلیف پہنچانے کے لیئے سیفی پڑھنا اچھا نہیں۔ درویش صاحب واقعی سیفی پڑھ رہے تھے اس کشف سے معتقد ہو کر اُنھوں نے آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا اس کی کیا ضرورت ہے عرض کیا کہ بندے کو کوئی عمل مرحمت فرمایا جائے۔ مولانا نے جوش میں آکر فرمادیا کچھ نذر پیش کرو۔ درویش نے عرض کیا میں فقیر ہوں میرے پاس کیا ہے فرمایا کہ اٹھارہ روپے تمھارے فلاں جگہ رکھے ہوئے ہیں مگر وہ تمھارا مال نہیں ہے عرض کیا کہ میں نے اُس کو قران مجید کے ہدئے کے لئے رکھا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ سنو اگر ہم کو ایسے عمل معلوم ہوں بھی۔ تو ہم کسی کو نہ بتائیں کہ وہ خلق اللہ کی تکلیف کے لئے اس کو پڑھیں۔

ایک روز راستے میں مولانا نور محمد سے ارشاد فرمایا کہ آج کل دکن کی طرف سے تشویش پیدا ہو گئی ہے آخر اسی زمانے میں خبر ملی کہ نواب نظام الدولہ ناصر جنگ (اس احقر کے چچا) جن سے حضرت صاحب سے بہت کچھ ربط ضبط تھا ان سے اور سعد اللہ خاں ہمشیر زادے سے

لڑائی ہوئی اور عبدالنبی افغان جو انھیں کا پروردہ تھا اور انھیں کا نمک خوار اسی کے ہاتھوں ناصر جنگ نے شہادت پائی۔

القصہ شہر دہلی کو مولانا نے اپنے قدموں سے زینت بخشی۔ اور (محلہ) کٹرہ پھلیل میں کچھ روز قیام کرکے اس مدرسے میں رہنا اختیار کیا جو احقر کے والد کا بنایا ہوا مدرسہ ہے۔ یہ اجمیری دروازے کے باہر ہے اور وہیں درس میں مشغول ہو گئے۔ احقر کے چچا کے بعد احقر کے والد جو بارگاہ سلطانی سے دکن کی صوبہ داری پر مامور ہوئے تھے حضرت محبوب الٰہی کی زیارت کے لئے آئے، یہ بندہ بھی آپ کے ہمراہ تھا۔

شاہ عبدالقادر جو حضرت نظامی کے مقربوں میں تھے اور آستانۂ عالی کی جاروب کشی کیا کرتے تھے ان کے مکان سے حضرت مولانا مسجد نظام میں تشریف لے آئے۔ والد کو یہ معلوم کرکے بہت مسرت ہوئی حضرت مولانا اس وقت اپنی عنایت سے اس کمترین سے باتیں کر رہے تھے۔ اس زمانے میں یہ احقر سترہ ۱۷ سال کا تھا لیکن کلام مجید کے حفظ اور علوم معقول و منقول سے فراغت حاصل کر چکا تھا مولانا اس بندے سے بات چیت کرکے بہت اظہارِ مسرت فرماتے رہے۔

بیعت کے بعد اس عنایت کا سبب معلوم ہوا۔ (اور حضرت کو اس بات کا خود علم تھا) کہ اس غلام نے خدمت گرامی میں رہ کر

اس بات کو محسوس کر لیا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی والے عرفان کا
چراغ مولانا نے اپنی دلی توجہ سے اس ملک میں پھر روشن کیا ہے
اور حضرت مولانا کی گرمی نگاہ سے عشق و محبت کی شراب دوبارہ
جوش میں آئی ہے۔

کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف کے بزرگوں کا جو حال تھا
وہ اس زمانے کے بزرگوں کا نہیں ہے اور دانشمند یہی سمجھتے تھے
کہ گذشتہ زمانے میں جو کیفیت تھی اب وہ معدوم ہو چکی لیکن حضرت
مولانا کے کمالات سے یہ بات پورے طور پر واضح ہے کہ الحمد للہ اب
بھی وہی کیفیت موجود ہے۔ سینے حقائق کے خزانوں سے معمور ہو گئے۔
جو سو رہے تھے جاگ اُٹھے۔ جو بیہوش تھے ہوش میں آ گئے۔ جو بے خبر
تھے باخبر ہو گئے مردہ دل زندہ ہو گئے۔ زندہ دل بسمل بن گئے۔
عشق و محبت الٰہی کا بازار گرم ہو گیا۔ ذوق شوق کا دریا موجیں مارنے
لگا۔ دل کے میخانے اور آنکھوں کے ساغر آنسوؤں کی شراب سے مز...
ہو گئے۔ سینے کا آتش کدہ رونق کے شعلوں سے روشن ہو گیا۔ در...
کی چاشنی نے زخموں پر نمک پاشی کی۔ لوگوں کو نگاہ کے نشتر...
لذت ملنے لگی۔ انگیٹھی میں اسپند ناچنے لگا۔ بزم کی گرمی کی شم...
کے اردگرد پروانے وجد کرنے لگے۔ بلبلیں اپنی زبانوں...
نغمے گانے لگیں۔ ساز کی رگوں سے ترانے شور مچانے لگے۔
ایک زمانے کے بعد آسمانوں کے کانوں میں ...

کی صدا پہنچی اور ایک مدت کے بعد زمین کو پاؤں مارنے کا سودا ہوا۔ دہلی کے پتھروں پر تجلی کے طور نے آنکھ ماری۔ ہر شمع نے مجلس کو آفتاب در آتش کر دیا۔ لطیف ہوائیں گرمی سے آشنا ہو گئیں۔ لبوں نے خشکی کی قدر جان لی العطش کی آواز آسمان تک پہنچی۔ دماغوں کو السکر کی آواز اور محبت کی خوشبو پہنچی اور کانوں کو محبت کی لے پسند آئی اگرچہ محبت رہنمائی کی محبوب ہے مگر یہاں محبوب محبت کا رہنما ہے اگرچہ طلب دینے والا خود مطلوب ہیں ہے مگر یہاں مطلوب۔ طالب آموزی میں مصروف ہے۔

مثنوی

ساز بد ہر رگ تنِ ناساز کرد	بیمار بدن کو شفایاب کرتے ہوئے
بلبل دل زمزمہ آغاز کرد	دل کی بلبل نے گانا شروع کر دیا
در ہمہ جا شور جنوں شد بلند	سب جگہ جنوں کا شور بلند ہونے لگا
نالۂ مستاں بہ فلک زد کمند	مستوں کا نالہ فلک تک پہنچ گیا
ولولہ شد ولولہ شد ولولہ	ولولہ۔ ولولے کی صورت میں ولولہ ہے
ولولہ شد تیغ زنِ حوصلہ	ولولے نے حوصلہ پر تلوار چلا دی ہے
دستک مستاں دلِ گردوں شگافت	مستوں کی دستک سے آسمان کا دل چاک ہو گیا
آہِ جگر آں سوئے گردوں شتافت	اُن کے جگر کی آہ فلک تک پہنچ گئی

بادهٔ شوق از خم و مینا گذشت
عاشق خود هم ز سر و پا گذشت
برقِ نَفَس شعلهٔ جواله شد
تا به لب آمد و تب خاله شد
دل شده پروانه و پر می زند
شمع هم آتش به جگر می زند
صد جگر از آتشِ دل آب گشت
طور بچرخ آمد و بے تاب گشت
ماه لقا پرده ز رخ بر گرفت
بزم طرب رونق دیگر گرفت
شمع به پروانه نظر باز کرد
باز به دلداده سخن ساز کرد
تیر نگه گشت ترازو۔ به دل
بارقه شد غمزهٔ جادو۔ به دل
ساقی و مستاں همه یک جا شدند
مے زده در شورش و غوغا شدند
ساغر و پیمانه و مے خانه مست
زاهد و فرزانه و دیوانه مست

خم و مینا سے شوق کی شراب اُبل پڑی
عاشق کو خود بھی سر اور پاؤں کی خبر نہ رہی
سانس بھی بھڑکتا ہوا شعلہ بن گئی
لبوں تک آتے ہی دل میں چھالوں کی شکل ہو گئی
دل پروانہ بن کر پھڑپھڑا رہا ہے
شمع جگر میں آگ لگا رہی ہے
سینکڑوں جگر (اللہ کی محبت کی) آگ سے پانی پانی ہو گئے
طور رقص کرتے کرتے بے تاب ہو گیا
معشوق نے چہرہ سے نقاب ہٹا دی
طرب کی بزم میں اور ہی کچھ رونق آ گئی
شمع پروانے کی نظر بازی میں مصروف ہے
پھر معشوق سے باتیں بنا رہی ہے
دل میں نگاہ کا تیر ترازو ہو گیا
جادو والا غمزہ بجلیاں چمکا رہا ہے
ساقی اور مست سب ایک جگہ ہو گئے
(اللہ کی) شراب پیتے ہی شور و غل مچ گئے
ساغر۔ پیمانہ۔ میخانہ سب مست ہیں
زاہد۔ فرزانہ۔ دیوانہ سب مست ہیں

ایک عالم نے عشق کی شراب کا ساغر پی لیا۔ ایک جہان نے معرفت کا فیض حاصل کر لیا۔ بصیرتوں کے سامنے توحید کے دروازے کھل گئے۔ دلوں کے زنگ کو حقیقت کے نور سے منور فرما دیا گیا۔ علم و عشق بل کر شریعت اور طریقت کے محمل میں ایک ہی جگہ سوار ہو گئے۔ محبت اور تمکین کی بزم میں ہوش و سکر نے اہل استعداد کی بغل کو گرم کر کے خلافت کا مرتبہ معلوم کرتے ہوئے لیاقت والوں نے اجازت و خلافت کا خلعت پہن لیا۔

حضرت مولانا کے پورے مظہر اور ان کی مُراد کے مرید۔ اللہ اور جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مقبول و محبوب۔ زمانے کے مرشد، قوموں کے ہادی، حضرت رسالت پناہ کی جانب سے مخلوق کی تربیت کے لئے متعین، حق میں مشغول، علائق سے فارغ، ہمارے مخدوم، مولانا خواجہ نور محمد مدظلہ العالی۔ اور نہ معلوم ایسے کتنے لوگوں نے مولانا کے خوان نعمت سے اور ان کے دسترخوان سے طرح طرح کی نعمتیں پائیں اور مزے اُڑائے۔

ایسے بھی صاحبان فضل و کمال ہیں جن کے لئے خود ان کا علم حجاب اکبر بن گیا اور ان کو حق کی خوشبو تک نہ پہنچی۔ بلکہ اس ذوق کا ایک قطرہ بھی چکھنے کو نہ ملا۔ خود ساختہ حقائق کے بڑے دعویدار تھے اور سماع (قوالی) کے انکار پر خون بہانے کو تیار۔ خدا کی شان وہی لوگ آج پروانوں کی طرح وجد کر رہے ہیں۔ وحدت وجدان کا

مرکز بن گئی۔ اب قوالی سُننے کو ایسے بے تاب کہ ہر قسم کی قربانی بھی دینے کو حاضر ہیں۔

غرض مولانا کی توجہ سے ایسی کوئی جگہ نہیں رہی جہاں ذکر جہر نہ ہوتا ہو اور ایسا کوئی مقام نہیں رہا جہاں اللہ کا نام نہ لیا جاتا ہو۔

خواجہ نور محمد صاحب کے مریدوں میں سے ایک خود انھیں کے ہم نام مولانا نور محمد نارووی تھے اور حضرت مولا صاحب نے اُن کی پیشانی کو بوسہ دیا تھا۔ یہ نور محمد نارووی ایسے بزرگ ہیں جن پر یہ آیت صادق آتی ہے حاش للہ۔ ماھذا البشرا ان ھذا الا ملک کریم ط (ترجمہ۔ اللہ کے لئے پاکی ہے۔ یہ بشر نہیں یہ تو بزرگ فرشتہ ہے)۔ نور محمد نارووی کے بھی مرید بہت ہیں۔ خصوصاً عبداللہ خاں ساکن ڈیرہ غازی خاں جن کی تعریف سے بیان قاصر اور توصیف سے زبان عاجز ہے۔

اسی طرح حافظ محمد جمال ملتانی جو کمال باطنی تہذیب و اخلاق اور دوسرے کمالات سے بھی آراستہ ہیں خواجہ نور محمد کے خلیفہ ہیں۔ ان کے اور خلفاء بھی کثیر تعداد میں ہیں خصوصاً حافظ خدا بخش۔ یہ حافظ جمال کے مرید ہیں جو بے نظیر انسان ہیں۔ اور قاضی محمد عاقل دنیاوی تعلقات کے باوجود دو تین گھنٹے ذکر جہر میں اور باقی وقت ذکر خفی میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کا وجود۔ گویا شہود میں مست

اور وحدت وجود میں محو ہے۔

اسی طرح حافظ عزیز اللہ لاہوری اور حاجی تاج محمود قریشی۔ اور شیخ جمال قریشی۔ مولوی محمد حسین۔ حافظ عبداللہ۔ حافظ عبدالرحمان۔ مولوی انور مقبول رہکلہ۔ یہ سب حضرت خواجہ نور محمد کے خلفاء سے ہیں۔ اگر تمام نام لکھے جائیں تو اس کے لئے بڑی کتاب چاہیئے۔

حضرت مولانا کے خلفاء کے نام یہ ہیں:۔

میاں عبداللہ۔ شاہ ظہور اللہ۔ مولوی روح اللہ۔ سید احمد۔ سید محمد بخش۔ سید محمد شمس الدین۔ سید بدیع الدین۔ مولوی محمد سلیم۔ مولوی مکرم۔ مولوی غلام فرید الدین (جو زہد و ریاضت میں فرید ثانی ہیں) مولوی عبداللہ۔ مولوی روشن علی۔ مولوی جمال الدین۔ مولوی حسن علی۔ محمد فتح اللہ۔ صوفی یار محمد۔ حاجی محمد واصل۔ سید محمد میر۔ مولانا میر ضیاء الدین (جو ۳۰ سال تک رات دن سفر حضر میں نہیں سوئے اور نماز کے جلسے کی طرح بیٹھے رہے) سید قمر الدین تخلص منت۔ ملا گل محمد حافظ سعد اللہ۔ شاہ محمد مراد۔ شیخ محمد امان۔ مولوی علاؤ الدین۔ مولوی ضیاء الدین۔ مولوی محمد صالح۔ مولوی عبدالوہاب بیکانیری۔ محمد قطب الدین شرقی۔ حاجی خدا بخش۔ محمد خدا بخش۔ محمد غوث کرت پوری۔ محمد غوث (صاحب زادہ حضرت شیخ کلیم اللہ) ان کے علاوہ اور بہت سے ہیں، کہاں تک لکھے جائیں۔ مرید تو اس قدر ہیں کہ بندے کو سب کے نام یاد بھی نہیں رہتے۔

(از مترجم۔ قلمی نسخے میں اس کے بعد جو عبارت ہے اس کا ترجمہ یہ ہی)

حضرت مولانا صاحب کے خلفاء تو کثیر جماعت ہیں۔ ہم نے چند ہدایتی خلفا کا تذکرہ کیا ہے اور بہت سے ایسے خلفا ہیں۔ جن کا ہم نے تذکرہ نہیں کیا۔ کیونکہ کہاں تک کس کس کا حال لکھا جائے۔

حضرت مولانا فخر کے خاص خلفاء میں حضرت حاجی لعل صاحب قبلہ ایک بزرگ تھے۔ ان کے متعلق حضرت مولانا کی ارشاد فرمائی ہوئی بہت سی عجیب عجیب باتیں محمد یار فخری حافظ کی زبانی میں نے سُنی ہیں ان کا لکھنا طوالت کا باعث ہے۔ انھوں نے بیان کیا کہ ایک بار میں حاجی لعل صاحب قبلہ کے پاس رات میں رہا۔ عشا کی نماز کے بعد سونے کا ارادہ کیا۔ دل میں کہا مولانا کے خلفا کو دیکھا گیا ہے کہ تمام رات جاگتے ہیں اتنا خیال آتے ہی حاجی لعل رح نے کہا تمام رات جاگنا بہت اچھا کام ہے مگر اس وقت بہتر یہ ہے کہ لیٹ جائیں چادر اوڑھ لیں (لیٹ کر ایک مشغولی (ذکر اللہ) کیا جاتا ہے اس کی طرف اشارہ سمجھو) اور عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھیں [1]

---

[1] بعض بد عقیدہ حضرات کہا کرتے ہیں کہ خوش عقیدگی کی وجہ سے اپنے مرشدوں کے متعلق مرید لوگ یہ مشہور کر دیتے ہیں کہ فلاں بزرگ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھا کرتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہم خوش عقیدہ لوگوں کی خوش عقیدگی یا

غرض ان کے متعلق اسی قسم کی چیزیں زبان مبارک سے سُنی گئی ہیں۔ شمس الضحیٰ صاحب نے اپنے ایک دوست سے اُنھوں نے ابوالعلائی خاں صاحب سے (جو شاہ عزت اللہ حسینی کے مرید اور خلیفہ ہیں) حاجی صاحب قبلہ کے انتقال کے متعلق یہ سنا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی کے خادموں میں سے کسی خادم نے خواب میں دیکھا، حضرت مولانا فخرؒ ایک چونی دے کر فرما رہے ہیں کہ حاجی لعل نے اس وقت انتقال کیا تم شکستہ حجرے میں ان کو دفن کر دینا۔ جب خادم صاحب جاگے تو عطا کی ہوئی پاؤلی (چونی) موجود پائی اور بتائی ہوئی جگہ ان کی قبر بنی۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۲۲۸)

ایجاد نہیں ہے نہ صرف حضرت پیران پیر بلکہ حضرات تابعین میں بھی بہت سے ایسے بزرگ ہوئے ہیں جو عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھا کرتے تھے ثبوت کے لئے دیکھئے کتاب تابعین مرتبہ دار المصنفین اعظم گڑھ کے صفحات ۱۶۸ و ۱۸۱ اور ۲۵۴۔ حضرات صحابہ کے شاگرد (یعنی تابعیوں) نے ایسا ہی کیا ہے بلکہ حضرت سعید بن مسیب نے تو پچاس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے۔ درد کاکوروی۔

دوسرا باب

اطوار و عادات میں

مولانا ہر ایک کی دلجوئی فرماتے رہتے۔ بات بہت کم کرتے اور جب کرتے تو بہت نرمی سے کلام فرماتے۔ مراتب کے لحاظ سے ہر چھوٹے بڑے کی عزت کرتے۔ اگر کوئی ملنے آتا تو اپنی جگہ سے کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ شدید بیماری میں بھی مولانا کی یہی کیفیت ہوتی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادوں کو جب بادشاہ کے ملازموں نے حویلی سے علٰحدہ کر دیا اور حویلی ضبط کر لی گئی اُس وقت حضرت مولانا فخر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنے یہاں جگہ دی اور بہت ہمدردی فرمائی۔ پھر کوشش کر کے شاہ وقت سے ان کی حویلی ان کو اسی طرح واپس دلوا دی کہ ان کا وہی احترام اور ان کی وہی سابقہ عظمت قائم رہنا چاہیے۔ توکل پر گزر بسر تھی۔ نذرونیاز میں کبھی ہزاروں آ جاتے کبھی

کچھ کم ۔ کبھی کچھ نہیں ۔ رخصت ہونے والوں کو ان کی حیثیت و لیاقت کے موافق ۔ اور مقیم کو ایک سے لے کر سو تک دینے کا معمول تھا ۔ شاید کوئی ایسا ہو جس نے ایسے حقیقی انعام دینے والے کے مظہر سے روزی نہ حاصل کی ہو ۔ حضرت مولانا اپنی تعریف سے ناخوش ہوتے ۔ بلا وجہ ہاتھ جوڑنے ۔ سر جھکانے اور اسی قسم کے ظاہری باتوں اور نمائش سے نفرت تھی، ایک شخص نے مرید ہونے کی درخواست کی ۔ تو کہا کل خواجہ قطب الاقطاب کے عرس میں جاؤں گا وہاں تمھاری تمنا پوری ہو جائے گی ۔ دوسرے دن وہاں پہنچ کر وعدے کی وجہ سے اس آدمی کو وہاں تلاش کیا پتہ چلنے پر بیعت سے سرفراز فرمایا اسی وقت سے اس کو ذوق شوق ہوا اور اُس پر جو کیفیت طاری ہوئی بیان سے باہر ہے بلکہ یہ حال ترقی ہی کرتا گیا ۔ اگرچہ آپ اپنی جائے قیام پر واپس آگئے اور اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے مگر آپ کا جمال باکمال دیکھے بغیر اس کو دم بھر قرار نہ تھا وہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر سامنے کھڑا ہو جاتا ۔ مولانا نے فرمایا تمھیں نے تو ہم کو اپنا شیخ قرار دیتے ہوئے ایسی کیفیت کے لئے کہا آخر مصلحتاً اس کی اس حالت کو آپ نے سلب کر لیا ۔

ہر مجلس میں مولانا نشست و برخاست میں آگے نہ رہتے ۔ راستہ چلتے تو مریدوں اور دوستوں سے مساوات کا برتاؤ فرماتے ۔ مزاروں کی زیارت کے لئے جنگل میں پیدل تشریف لے جاتے ۔

اگر سواری ہوتی تو کبھی خود بیٹھ جاتے ورنہ اکثر دوسروں کو بٹھا دیتے اور خود پیدل چلتے۔ کسی سے کوئی وعدہ نہ کرتے۔ اور وعدہ کرتے تو ضرور پورا کرتے اور جب تک وعدہ پورا نہ ہو جاتا اس کے ایفا کے لئے بیقرار رہتے۔

جن لوگوں سے گفتگو فرماتے تو لفظ حضرت یا لفظ صاحب سے ان کو مخاطب کرتے۔ اوقات منقسم تھے۔ رات میں سونے کا ارادہ ہوتا مگر جب تک لوگ چلے نہ جاتے برابر جاگتے رہتے۔ سوتے وقت کتاب فوائد الفواد کو سینے یا سر کے نزدیک رکھتے۔ ہر ایک سے خوش ہو کر خندہ پیشانی سے گفتگو فرماتے۔ مریدوں۔ دوستوں کی غمخواری اور پرورش میں لگے رہتے، اور جو انتقال کر گیا ہو اس کے لئے رو رو کر اللہ سے رحمت کی دعا مانگتے۔ دنیاوی امور کی طرف ذرا بھی توجہ نہ کرتے۔

بادشاہ وقت اور دوسرے امیر کبیر مرید، معتقد، گاؤں گراؤں دینا چاہتے مگر آپ قبول نہ کرتے بلکہ اس پر یہ فرماتے، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم اس شہر میں نہ رہیں آیندہ سے ایسی بات زبان پر نہ لانا۔ ظاہری باطنی امور میں عملی نقطہ نظر سے ہمیشہ محاسبہ فرماتے کہ بندہ ہونے کی حیثیت سے تم نے اپنے خدا کا کیا حق ادا کیا۔

ایک دفعہ بادشاہ ملاقات کے لئے آئے اور قلعے میں تشریف

لانے کے لئے عرض کیا آپ نے اخلاقاً قبول فرما لیا۔ دوسرے دن تشریف لے گئے۔ کھانا کھا کر واپس آ کے سید حسن سے فرمایا۔ سید آج ہم نے اپنے اوقات ایک دولتمند کی ملاقات میں صرف کر دئے۔ ان کے یہاں کھانا کھایا۔ اب اس کا۔ کیا تدارک کیا جائے۔ انھوں نے کہا آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا وہاں جانے کی سزا یہ ہے کہ اس وقت ہم شہر کے فقیروں کو دیکھنے جاتے ہیں۔ وہ آئیں تم عمدہ مزے دار کھانا پکوا کر رکھو تقسیم کر دینا۔ یہ فرما کر چلے گئے۔

گھر میں شہر کے دو تین رئیس آ گئے اور انھوں نے حضرت ہی کے مکان پر مغرب کی نماز پڑھی اس کے بعد دیہات وغیرہ کا تذکرہ ہوتا رہا۔

نواب ضابطہ خاں کی طرف سے بعض اہل غرض نے بادشاہ کی دل میں کپٹ ڈال دی تھی وہ ایک خوش اعتقاد بے نظیر انسان تھا اور ازلی سعادت میں فرد تھا۔ وہ خواجہ بزرگ حضرت معین الدینؒ کے عرس میں زریں اور سبز شامیانہ اور چاندی کا چراغ اور عرس کا سامان بھجوایا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ کئی ہزار نقد رقم بھی۔

حضرت خواجہ قطب الدین قطب الاقطاب سلطان المشائخ اور مخدوم نصیر الدین چراغ دہلوی کے عرسوں میں بھی ہر قسم کے سامان کا انتظام کیا کرتا، خادموں کو وظیفے دیتا۔ شہر کے تمام درویشوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا رہتا۔ مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ کے فرزندوں

کو بھی وظیفے دیا کرتا تھا۔ اپنے انتقال سے چند سال قبل حضرت مولانا کا مرید بھی ہو گیا۔ انتقال کے بعد اس کو اسی کے بنائے ہوئے باغ میں (جو غوث گڑھ میں ہے) امانت کے طور پر رکھا گیا۔ ڈیڑھ سال کے بعد حضرت خواجہ قطب الاقطاب کے روضے کے قریب دفن کرنے کے لئے اس کی لاش نکالی گئی تو بالکل ویسی ہی تھی جسم میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی زندگی میں یہ شخص اس بندہ درگاہ کے لئے نمک حلالی کا حق ادا کرتا رہتا۔ اس کا باپ اس کا سخت مخالف تھا۔ ایک بات پر بہت جھگڑے کی صورت پیدا ہو گئی اور فوج کشی تک نوبت پہنچنے والی تھی مگر مولانا کی توجہ سے یہ معاملہ باحسن وجوہ رفع دفع ہو گیا۔

بادشاہ سلامت حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قلعہ مبارک کو متبرک قدم سے شرف بخشنے کی تمنا ظاہر کی اخلاق کریمانہ نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ مولانا تشریف لے گئے۔ بادشاہ صاحب باتیں واتیں کرتے رہے۔ کھانا وغیرہ ہونے کے بعد ملک کے بندوبست کے متعلق آپ سے بادشاہ نے رائے لی۔ مولانا نے فرمایا ہم کو دنیاوی امور سے کچھ تعلق نہیں۔ لیکن المستشار موتمن (مشورہ دینے والا امین کی حیثیت رکھتا ہے) اس لحاظ سے میں رائے دیتا ہوں لیکن آئندہ مجھے ایسے امور کے دریافت سے معاف رکھا جائے۔ ورنہ ہم یہاں بھی نہ آئیں گے۔

پھر مشورتاً یہ فرمایا۔ کوئی بادشاہ جب تک امور مملکت میں خود محنت اور مشقت سے کام نہ لے کسی طرح اس کا بندوبست بہتر نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ نے کسی امیر کو اپنا نائب بھی بنا دیا تو دوسرے ناخوش ہو جائیں گے اور اس امیر (نائب) اطاعت کے لئے تیار نہ ہوں گے اور یہ بات سلطان (بادشاہ) کی بے عزتی کا باعث ہو جائے گی اور کسی چھوٹے بڑے پر بادشاہ کا رعب باقی نہیں رہے گا بلکہ بادشاہی فوج اس مقرر کئے ہوئے امیر (نائب) کی محتاج ہو جائے گی۔ اصل بادشاہ کا اس سے تعلق نہ رہے گا۔ اس امیر (نائب) کے سر میں یہ سودا سما جائے گا کہ جو کچھ ہوں میں ہوں اور یہ چیز اُس کو بغاوت پر آمادہ کر دے گی گذشتہ زمانے میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔

اس لئے سب میں بہتر یہی ہے کہ آپ خود ملک گیری اور محنت کے لئے مستعد ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ آپ کے امرا اہل اسلام سے ہیں بطور خود مجرم نہیں ہیں اگر ایک دوسرے میں مناقشہ (جھگڑا) ہو گیا تو واجب القتل نہیں ہو سکتے کیونکہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچانا اسلام میں جائز نہیں۔

کافر فاجر بڑے ملکوں پر قابض ہیں۔ خصوصاً سکھوں کا ناہنجار فرقہ جو اسلام کا فرماں بردار نہیں ہے۔ ملک کے خطرے والے حصے پر قابض ہو گیا ہے۔ سکّے اور سلطانی اثر کو اس نے درمیان سے اُٹھا دیا۔ سب امراء کو آپ تسلی دے کر اپنے ساتھ رکھئے پہلے ان سے میل جول

پیدا کیجئے کہ دینی اور دنیوی فلاح اسی میں ہے یہ فرماکر چلے آئے۔ پھر شہر کے درویشوں کو کھانا کھلاکر آپ نے اس نشست کا تدارک بھی کر دیا۔ غرض۔ دور ونزدیک کے دلوں کو اس طرح آپ نے دام محبت سے اسیر کر لیا تھا۔

غریب نوازی اور توسل پروری ایسی تھی کہ حاضر و غائب سب کی حالت پر نظر رہتی جو لوگ عادت کے موافق آتے جاتے اگر ان کو کبھی دیر ہو جاتی تو خود ان کی طرف سے کوئی نہ کوئی انتظام کر دیتے۔ پیر اسرکاری خاک روب دو دن گذر گئے نہیں آسکا۔ تو خود یا کسی دوسرے کو کام کے لئے بھیج دیا اور فرمایا کہ دو دن سے میاں پیر محمد نظر نہیں آئے۔ خیر تو ہے کیا بات ہے؟ معلوم ہوا بیمار ہے، اُسی وقت اُٹھے اور اس کے مکان پر گئے بہت مہربانی سے پیش آئے حال دریافت کرکے کچھ نقد رقم اُس کو مرحمت فرمادی اور سید احمد سے کہا کہ سرکاری دواخانہ سے دوا آنا چاہئے۔ اور کہا کہ سرکاری طبیب میر حسن صاحب سے ان کا باضابطہ علاج کرایا جائے۔ پھر اس طرح عیادت فرمائی۔ میاں پیر محمد تم دو دن سے نہیں آئے تمہاری خیریت دریافت کرنے میں تاخیر ہوئی معاف کرنا۔ اتنے بڑے بزرگ ہو کر یہ اخلاق برتنا آپ ہی کے شایانِ شان ہے۔

ہزاروں طرح کی نذر و نیاز مزارات متبرکہ میں صرف ہو جاتی یا خدام پر صرف کر دی جاتی خود اس سے کوئی فاخرہ لباس نہ بنواتے۔

معتقدوں کی نیاز ان کی دلجوئی کے خیال سے آنحضرت پر تقسیم ہو جاتی اس طرح کہ ان کا لباس وغیرہ بنوا دیتے۔ ع

ہر چہ می پوشی چو گل نامِ خدا می زیبدت

(ترجمہ:۔ آپ جو لباس زیب تن فرمائیں پھول کی طرح اچھا معلوم ہوتا ہے)

اطلاع دی گئی کہ ملبوس خاص نہیں رہا۔ فرمایا دو روپے طلیچے پر سے لے آؤ۔ اور لباس تیار کرا لو۔ دوستوں نے عرض کیا قیمتی لباس تو کبھی جسم مبارک پر نہیں دیکھا گیا فرمایا درویش کو اللہ جو کچھ دے وہی بہتر ہے اپنی ذات کے لئے فضول خرچی زیبا نہیں۔ نقد و جنس کی نذر و نیاز جو فی الحال صرف میں نہیں آئی اس کا رکھ چھوڑنا پسند نہ فرماتے اکثر اس میں تغلب ہو جاتا اور صریحاً معلوم کہ فلاں صاحب کی حرکت ہے مگر اس سے مطلق مواخذہ نہ فرماتے۔

سرکاری کتب خانے سے اکثر کتابیں گم ہو گئیں اور لوگ آپ کے پاس فروخت کرنے کے لئے لائے۔ مگر یہ نہ پوچھتے کہاں سے لائے ہو۔ جنسوں (آٹے دال وغیرہ) اور لباسوں کا یہی حال تھا حضور کی پوشاک خاص کی جیب سے ایک مزدور نے چاقو غائب کر دیا اس کے بعد لے جانے والے کا پتہ چل گیا مگر اس کے سامنے اس کا بالکل تذکرہ نہ فرمایا۔ بلند خاں کمشنر صوبہ دار نے ایک ہزار روپیہ روانہ کیا خود لانے والے نے اس کو خرچ کر ڈالا۔ جب بلند خاں نے لکھ کر اطلاع دی تب روپے بھیجنے کا حال معلوم ہوا جواباً تحریر

فرمایا اس کی قسمت کے تھے اس نے لے لئے اس سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

محمد واصل حرمین شریفین کے حاجی لاابالی مزاج کے انسان تھے حج کے بعد دکن آئے تین چار سو روپے کی بہت سی چیزیں خلوص سے تحفے کے طور پہ لائے۔ ان کو سماع کی محفل میں ذوق ہوا۔ انھوں نے یہ سب چیزیں قوالوں کو دیدیں۔ وقت ملاقات سب حال عرض کیا۔ مولانا بہت خوش ہوئے بلکہ فرمایا اس طرح جو کچھ ہوا بالکل بجا ہوا۔

رات دن عبادت کرنے والے آپ کے یہاں عبادت میں مصروف رہتے۔ تہجد پڑھتے، شب بیداری کرتے۔ رمضان شریف میں تراویح اور تسبیح ہوتی۔ تمام رات کی بیداری کے لے۔ قہوہ۔ شکر۔ اور دودھ سے آپ ان سب ضیافت فرماتے۔

رمضان کی ستائیسویں رات کو سرائے عرب تشریف لے جاتے اور حضرت قطب الاقطاب سلطان المشائخ کی درگاہ میں حدیث شریف کے موافق آپ کچھ اعتکاف بھی فرماتے۔ جب وہاں شاہ جہاں آباد کے ادھر اُدھر کے لوگوں کا مجمع ہونے لگا تو مدرسے کی مسجد میں انتظام کیا گیا کیونکہ رمضان شریف کے آخری دس دن بڑی برکتوں کے ہیں دس زبانوں میں بھی بیان کیے جائیں تو ان کی فضیلت بیان میں نہیں آسکتی۔ شہر کے باہر یا اندر خاص ضرورت کے بغیر کسی کے ساتھ آپ تشریف نہ لے جاتے۔ کہ کہیں خود نمائی کا لگاؤ نہ ہو جائے۔

غریبوں کی دعوت ہمیشہ قبول فرما لیتے اور تشریف لے جاتے اتفاق سے اگر دن میں کئی جگہ دعوت ہوتی اور مکان دور ہوتا تو کھانے کی رغبت چاہے ہوتی یا نہ ہوتی۔ مگر ضرور جاتے یعنی کسی کی دل شکنی نہ فرماتے اخلاقاً کم سے کم دو ہی لقمے کھا لیتے جس سے کھانے میں برکت ہو جاتی۔

بڑی بڑی مجلسوں میں غیروں کو وعظ و نصیحت نہ کرتے اور اپنوں کو صرف ایک دو بار سمجھا کر کہہ دیتے۔ اصرار نہ کرتے کیونکہ اس سے مخالفت کی ضد ہو جاتی ہے۔ دینی امور میں جو شخص کمال رکھتا کسی نصیحت کا محتاج ہی نہ ہوتا۔ مولانا اس سے ہمیشہ خوش رہتے۔

مولانا جس کو مناسب سمجھتے نصیحت کرتے اگر وہ اس پر عمل نہ کرتا تو کوئی گرفت نہ کرتے اور پھر اس کو توجہ دلانا پسند نہ فرماتے، وہ شخص عمل نہ کرنے کی وجہ سے دل میں خود ہی قائل ہوتا مگر آپ کی خدمت میں ظاہری طور پر بہت اچھی طرح پیش آتا۔ (نعوذ باللہ منہا۔ اللہ اس سے بچائے)۔

چھوٹے بڑے سب کاموں میں آپ سنت نبوی کے پیرو تھے نہ صرف مسائل دریافت کرنے والے کو بلکہ عام طور پر مخلوق خدا کو آپ سنت نبوی کی اتباع کی تاکید فرماتے رہتے۔

ایک دن احسن الدین خاں بیان سے جو آپ کے مریدوں میں سے تھا فرمایا کہ فلاں شخص کو خط کا جواب لکھ دو، خاں صاحب مذکور نے جوابی مسودہ پیش کیا آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ ہم کون ہیں جو قطعی

طور پر کچھ لکھیں۔ اس طرح لکھنا چاہیئے کہ ہماری رائے میں اس طرح کرنا بہتر ہے بس۔ واللہ اعلم۔

جب سے آپ دہلی آئے ایک ضعیفہ کام کاج کر دیا کرتی تھی۔ جب وہ مرنے لگی تو اُس نے اپنے بیٹے میر کلو کو آپ کے سپرد کر دیا آپ نے اُس لڑکے کو فرزندوں کی طرح پرورش کیا اس کے جوانانہ حرکات کے باوجود آپ کبھی معترض نہ ہوئے آج وہ بڑی عزت سے ہے۔

مرزا مظہر جان جاناں عمدہ بزرگ تھے جن کو ایک ظالم نے شہید کر ڈالا تھا۔ مولانا کے خلوص رکھنے والوں نے بہت اثر لیا۔ مولانا نے جا کر ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اس زمانے میں مغلیہ سردار اور ہندوستانی لوگوں میں شورش برپا تھی۔ جتنے بھی مخلص مرید تھے اُنھوں نے چاہا کہ ایک ایک کر کے مولانا کی حفاظت کے لئے حاضر رہیں مگر آپ نے اس بات کو ہرگز جائز نہ رکھا بلکہ یہ فرمایا کہ ہم اللہ کی حفاظت میں ہیں۔

مجید الدولہ بہادر کھانا بھیجا کرتے تھے۔ تین دن کے بعد حکم آیا کہ مہمان داری تین دن کی ہوتی ہے۔ لہذا اب کھانے وغیرہ کے انتظام کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی ورنہ درویش لوگوں کی عادت خراب ہو جائے گی اور وہ بیکار ہو جائیں گے۔ آپ اس سے ذرا بھی متاثر یا متفکر نہیں ہوئے کیونکہ یہاں تو اللہ پر توکل تھا۔

تازہ ولائتی میوہ بطور تحفہ میرے پاس آیا تھا، عشا کی نماز کے بعد احقر کا دل چاہا کہ پہلے مولانا اس میں سے کچھ نوش فرمالیں تب ہم کو اس تحفے کا حقیقی لطف حاصل ہوگا۔ میں نے اسی وقت مولانا کی خدمت میں ولایتی میوہ بھیج کر قلیل نذر کی کثیر معافی چاہی، مزاج گرامی بہت مسرور ہوا۔ کمترین نے چند روز کے بعد تحفے کا تذکرہ کرنا چاہا تو پسند نہ فرمایا اس قدر ارشاد ہوا کہ اس تحفے کا لطف اور مزہ ہی اور تھا۔

احقر کے غالیہ سازوں نے دستار اور چادر جس کو ہندی (اردو) میں ڈوپٹہ کہتے ہیں چھپوا کر بھجوایا۔ عصر کی نماز کے بعد کافی وقت تھا۔ احقر نے یہ چیزیں پیش کیں۔ دیکھتے ہی فرمایا۔ خدا جزائے خیر دے۔ فلاں شخص نے ہمارے دماغ کو تازہ کردیا اور سر مبارک سے دستار کو عزت دی اور ڈوپٹے کو کمر میں باندھ لیا اس کے بعد میں نے کشمیرے کے کپڑے پیش کئے۔ یہ آپ نے انعام کے طور پر لوگوں کو تقسیم کردئے۔

عابد یار خاں کو مولانا سے اعتقاد تھا اس لئے وہ روزانہ عمدہ کھانا پکوا کر لاتے تھے ان کے خلوص پر نظر فرماتے ہوئے قبول فرما لیتے۔ ایک روز فرمادیا کہ دیکھو روزانہ تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں، انھوں نے کہا یہ میرے لئے خوش نصیبی ہے فرمایا کہ اس فقیر نے جو کچھ کہا ہے اُس کو بھی مان لینا چاہئے۔ مگر افسوس وہ اپنے

خیال پر قائم رہے اور اُنھوں نے حکم کی پرواہ نہ کی مولانا نے ایک روز اپنے احباب سے فرمایا - عابد یار خاں کی قسمت میں تنگدستی ہے آخر ایسا ہی ہوا - غور کیجئے کہ مولانا میں کس قدر استغنا اور نفسانی لذتوں سے کس قدر تنفر تھا -

سواری میں (کہیں آنے جانے کے لئے) دستار جامہ - ڈوپٹہ آپ کا لباس تھا - اور گھر میں جُبّہ اور کلاہ - اور کلاہ پر شملہ بھی ہوتا تھا - اور سردی کے زمانے میں لبادہ - دوشالہ - ابتدا میں آپ ایک تلوار اور دکھنی کٹار بھی رکھا کرتے تھے -

خورد نوش کی چیزیں تھیں - پان - ڈلی - بن (قہوہ) دودھ - شربت - گلاب - شکر - یہ چیزیں اکثر آپ کو پسند تھیں - لذیذ کھانا نوش فرماتے - خوراک درمیانی تھی - مہمانوں اور درویشوں کے لئے کھانا - دائمی طور پر مقرر تھا - جس سے گفتگو فرماتے اس کے اخلاق اور علم کے لحاظ سے گفتگو کرتے - عالم سے علم کی - سپاہی سے سپاہ کی - کیمیا گر سے کیمیا کی - اسی طرح درویشوں سے درویشی کی - بحث سے نفرت تھی چاہے علمی ہی کیوں نہ ہو - ع

یار ما چوں آب در ہر رنگ شامل می شود

(ترجمہ :- یعنی میرا یار پانی کی طرح ہر رنگ میں شامل ہو جاتا ہے)

مسئلہ وحدت الوجود بیان کر کے درویشی کا اظہار کرنے سے بہت ناخوش ہوتے تھے - کیونکہ آپ یہ فرماتے کہ یہ کیفیت حالی ہے

نہ کہ قالی ۔ من عرف ربہ کلَّ لسانہ (یعنی جس نے اپنے رب کو پہچانا اس کی زبان بند ہو گئی)۔

ذات مبارک ۔ کریم رحیم ۔ جواد شجاع ۔ متواضع ۔ عاقل خوش صورت ۔ خوش سیرت ۔ خنداں رخ ۔ دلکش نگاہ ۔ نرم رو ۔ خوش سخن خوش تقریر ۔ جاذب قلوب ۔ غمخوار ۔ حریف وظریف ۔ مبین و متین ۔ مستقل مزاج ۔ ہمہ داں ۔ ہمہ بیں، صادق القول ۔ قانع ۔ متوکل عالی ظرف ۔ بامروت ۔ باحیا ۔ باوفا ۔ ذات عالی سراپا انکسار تھی ۔ آپ کے اوصاف جمیلہ بیان میں نہیں آسکتے ۔ قلم و زبان میں طاقت ہی نہیں جو بیان کر سکیں یا تحریر میں لاسکیں۔

مثنوی

سراپا حسن در عالم یگانہ	سر سے پاؤں تک حسن میں بے مثل
ندیدہ مثل او چشمِ زمانہ	زمانے کی آنکھ نے آپ کے مانند دیکھا ہی نہیں
بصورت آفتابے عالم افروز	صورت آفتاب جس سے دنیا روشن ہو جائے
بسیرت ہم ازو آں بہرہ اندوز	سیرت ایسی جس سے کردار درست ہو جائے
درو جمع آمد اوصافِ حمیدہ	حمیدہ اوصاف آپ میں جمع ہیں
برو شد ختم اخلاق گزیدہ	ایسے کہ گویا آپ پر اخلاق ختم ہیں
بہ نیرنگی عجب رنگیں مزاجے	نیرنگی میں عجب رنگین مزاج
بہ بے پروائے الفت امتزاجے	اس میں الفت کی بے پرواہی ملی ہوئی۔

رخش آئینۂ انوارِ قدسی
دلش گنجینۂ اسرارِ قدسی
ہدایت لمعۂ نورِ چراغش
ولایت نکہتِ ریحانِ باغش
بہ شہرِ عقل میرِ خاندانی
بہ بزمِ عشق شمعِ دودمانی
عجائب ہدیۂ از مخزنِ غیب
بغایت تحفۂ از کنزِ لاریب
بانسانی نشاں از شانِ غیبش
بجوانند فیضِ قدس انسانِ غیبش
دلش زارامِ نفاثش رمیدہ
بانسِ اللہ جانش آرمیدہ
نسیمِ خلقِ او ہرجا وزیدہ
زخاکِ تیرہ آں جا گل دمیدہ
شعاعِ مہرِ او برقِ جلالش
فروغِ ماہ نوری از جمالش
مروت را بہ چشمش عہد و پیماں
حیا بر ملتش آوردہ ایماں

آپ کا چہرہ قدسی انوار کا آئینہ
آپ کا دل قدسی اسرار کا گنجینہ
آپ کی ہدایت (اللہ کے) چراغ کا نور ہے
آپ کی ولایت اس کے باغ کی خوشبو ہے
عقل کے شہر میں نسبی لحاظ سے میر
عشق کی بزم میں خاندانی شمع
غیبی خزانے کا عجیب ہدیہ
لاریب کنز کا انتہائی تحفہ
انسانیت آپ کی غیبی شان کا نشان ہے
غیبی لوگ آپ سے قدسی فیض حاصل کرتے رہتے ہیں
دل کو قابو میں لانے سے آپ کا نفس بھاگ گیا
اللہ کی محبت میں آپ کی روح آرمیدہ ہے
ہر طرف آپ کے اخلاق کی نسیم چل رہی ہے
کالی مٹی سے پھول کھل گئے۔
آپ کے مہر کی شعاع آپ کے جلال کی بجلی ہے
آپ کے جمال سے نوری چاند روشن ہے
آپ کی آنکھ سے مروت کا عہد و پیمان ہے
جس کی ملت پر حیا ایمان لے آئی ہے

به جرأت رستمش شاگرد خامی
بجودش حاتم طائی غلامی
قناعت مسند آرائے ز صدرش
توکل تکیہ گاہ عز و قدرش
نسیم خندۂ صبح جبینش
اثر بگذاشت از خاشاک چینش
زبانش را بلینت ہم زبانی
لبش را با تبسم ہم عنانی
نگہ در سینہ گل ریزِ تجلی
سخن در دل درافشانی تسلی
ز تقریرش سخن یک سلک گوہر
بیانش را لطافت ناز پرور
ادا فہمے طریقِ نکتہ دانے
فصاحت ترجمانے خوش بیانے
تواضع خوئے دلجوئیش عادت
برائے خلق رنجِ خود عبادت
بہ تمکیں کوہ اندر علم دریا
برحمت آب و در رفعت ثریا

رستم کی خام جرأت آپ کی شاگرد ہے
سخاوت میں حاتم طائی آپ کا غلام ہے
آپ کی صدارت سے قناعت مسند آرا ہے
آپ کی عزت اور قدر کا توکل پر بھروسہ ہے
آپ کی جبین کی نسیم صبح ہنس رہی ہے
آپ کی پیشانی پر ناراضگی کی شکن نہیں
گفتگو میں آپ کی زبان ملائم ہے
آپ کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی ہے
سینے میں آپ کی نگاہ تجلی کے پھول برساتی ہے۔
دل کو آپ کی بات سے تسلی ہو جاتی ہے
آپ کی تقریر گویا موتی کی لڑی ہے
آپ کا بیان لطافت کا تربیت یافتہ ہے
ادا نکتہ دانی کے طریقے سے واقف ہے
فصاحت خوش بیانی کی ترجمان ہے
آپ کی دل جوئی تواضع والی ہے
اخلاق میں رنجش ہی نہیں اپنی جگہ عبادت ہے
آپ متانت کے پہاڑ علم کے دریا
رحمت میں بادل اور بلندی میں ثریا

معظم بادشاہے لاابالی بملکِ ہستیش بس قدر عالی	عظمت والے بادشاہ گر لاابالی جس کی ہستی جلیل القدر ہے
کمالات آں خاص رب الجلیل کثیر و سخن را بضاعت قلیل کجا بار در حضرت عزتش چہ آید دراں جاں جانہ عقل و دلیل عبارت ز اوصاف او قاصر ست چہ قوت کند صرف طبع علیل باو چوں تواں زد دمِ دوستی عزیزے کہ باشد خدارا خلیل نظام از مقامش چہ جوید نشاں مگر او شود خود سوئے خود دلیل	رب جلیل والے خاص کمال بہت ہیں مختصر گفتگو مگر جامع آپ کی عزت کی بارگاہ میں بھلا کس کا گذر عقل و دلیل یہاں گام زن نہیں ہماری تحریر کا قصور ہے کہ آپ کے اوصاف بیان کر نہیں سکتے بیمار طبیعت اپنی قوت کیا دکھلا سکتی ہے۔ ہم کب آپ کی دوستی کا دم بھر سکتے ہیں۔ جو خدا کا خلیل (دوست) ہو اس کی محبت کا دعویٰ؟ نظام ان کے مقام کی تلاش ناممکن ہے وہ آپ اپنی دلیل ہیں

افاضنا اللہ تعالےٰ بصفاتہٖ وانعمنا بنعمائہٖ وعنایاتہٖ۔

(یعنی اللہ ان کے اوصاف سے ہم کو بھی فیض یاب اور ان کی نعمت و عنایت سے مالا مال کر دے۔)

تیسرا باب

کرامات اور خرق عادتیں

کرامت کا اظہار آپ کے طریقے کے خلاف تھا، ہمیشہ اپنے حال کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش میں رہتے۔ الاناء یترشح بما فیہ (برتن میں جو کچھ ہوتا ہے وہی اُس سے ٹپکتا ہے) اس لحاظ سے کبھی کبھی کوئی کرامت[1] بغیر خواہش ظاہر ہو جاتی تھی۔ خرق عادت

---

[1] ایسا واقعہ جس میں مرشد کی قوت ارادی کو دخل نہ ہو بلکہ محض جناب باری کے کرم سے پیش آجائے وہ کرامت ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ من کان للّٰہ کان اللّٰہ لہ یعنی جو اللہ کا ہو گیا اللہ اس کا ہو جاتا ہے یعنی اس کے مریدوں کے اکثر کام ایسے عجیب طریقے سے اللہ بنا دیتا ہے جس سے مرید کے ایمان میں تقویت ہو

احاطۂ تحریر سے زیادہ ہیں۔ آپ کے مریدوں میں ہر ایک کو کچھ نہ کچھ معلوم ہیں۔ راقم الحروف اپنی معلومات کی حد تک لکھتا ہے۔

جب مولانا نور محمد سایہ عاطفت میں آگئے تو ان سے ارشاد ہوا کہ تم سے مخلوق کے بہت سے کام نکلیں گے ان کو تعجب ہوا کہ میں پنجابی درویش ہوں سلسلۂ مستحکم کا توسل مولانا تک ضرور ہے لیکن خدا کی مخلوق کے مجھ سے کیا کام نکل سکتے ہیں؟ آخر ایسا ہی ہوا۔ جیسا مولانا نے فرما دیا تھا آج تک ان سے اور ان کے مریدوں سے بغیر خواہش کے خرق عادت (خلاف عادت کام) جاری ہے۔

اکثر اس بندے کی موجودگی میں ایسا ہوا کہ کوئی بات میرے دل میں آئی اور مولانا فخرؒ نے اس کو ویسے ہی بیان کر دیا۔ اور بندے کے ساتھ اکثر یہی معاملہ رہتا ہے۔

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صـ۲۴۷) اور دوسرے لوگ اس سے اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ کرامت کے متعلق قرآن شریف کی یہ آیت ہے۔ اللّٰہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور (ترجمہ:۔ اللہ ان کا ولی ہے جو لوگوں کو تاریکی سے نکالیں اور نور کی طرف لے جائیں۔) چونکہ خالص اللہ کے لئے مرشدوں کا یہ کام ہوتا ہے اس لئے اللہ بھی ان کا۔ ان کے مریدوں معتقدوں کا ولی ہونے کی حیثیت سے سب کام بناتا رہتا ہے۔ ایسا واقعہ جس میں مرشد کا ارادہ کارفرما ہو اُس کو تصرف کہتے ہیں۔ (درد کاکوروی)

(از مترجم۔ قلمی نسخے میں اس کے بعد یہ عبارت ہے)

واضح ہو کہ حضرت مولاناؒ کی جو کرامت بھی بیان کی گئی ہے اس میں ایک باریک نکتہ ہے وہ یہ کہ معتقد لوگ اپنی ضرورت کے وقت مدد کے لئے مرشد کو موجود پائیں تو یہ بہت بڑی کرامت ہے کیونکہ صاحب تصرف کے سوا کسی دوسرے کو یہ اقتدار حاصل نہیں ہوتا اور صاحب بزرگ بہت ہیں۔ جن وانسان کے مرشد حضرت غوث الثقلین میراں محی الدین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ابو عبداللہ قطب الدین موصلیؒ۔ شیخ ابو دین مغربی یہ سب حضرات صاحب تصرف ہیں۔ ابدال کو یہ قدرت حاصل ہوتی ہے کہ مشرق سے مغرب آتے جاتے رہتے ہیں مگر جہاں سے غائب ہوتے ہیں پھر وہاں بغیر حکم الٰہی موجود نہیں پائے جاتے صاحب تصرف بزرگ موجود پائے جاتے ہیں ان کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جہاں چاہیں مثالی صورت میں ظاہر ہوجائیں اور ابدالوں کو یہ قدرت حاصل نہیں بگر بحکم خاص، غرض مولانا صاحب ابدال نہیں بلکہ صاحب تصرف ہیں البتہ مولانا صاحب کے غلاموں میں بہت ابدال[1] ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں اس کی تفصیل طوالت کا سبب ہے۔ واللہ اعلم۔

---

[1] حدیث ابدال یہ ہے :- ابدال امتی اربعون اثنان وعشرون

مولوی غلام حسین مریدوں میں ایک صاحب تھے، ان انتقال ہوگیا لوگوں نے ان کو جنازے کی نماز میں دیکھا۔ اسی قسم کے اور بھی واقعے ہیں۔

حضرت مولانا کی محفل میں حضرت مولانا روم رح کی مثنوی کا اکثر ذکر ہوتا رہتا، چنانچہ اس مصرع کا ذکر ہوا ع

کیف مدالظل نقش اولیاست

چونکہ دید سے اس کے مطلب کا تعلق ہے اس لیئے سننے سے اس کا مطلب ذہن نشین نہیں ہوسکتا۔ خدام والا میں جو علما تھے وہ اس کی مکرر شرح چاہتے تھے۔ آخر مولانا صاحب نے فرما دیا۔ "اپنی اپنی آنکھوں سے دیکھ لو" اتنا فرمانا تھا کہ سب پہ ایک

(بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صـ ۲۴۹)

بالشام وثمانیۃ عشر بالعراق مامات واحد منہم الا ابدال اللہ مکانہ آخر۔ (کتاب حضرت سلطان باہو عین الفقر صـ ۱۵۱)

ترجمہ:۔ میری امت میں ہمیشہ چالیس ابدال رہا کریں گے (۲۲) شام میں اور (۱۸) عراق میں ان میں سے جب کوئی مرے گا تو خدا اس کی جگہ دوسرے کو مقرر فرما دے گا۔

ابدال کے علاوہ اور بھی اللہ والے ہوتے ہیں کسی کو اخیار کسی کو ابرار کسی کو غوث کسی کو قطب کہتے ہیں ان کی حدیثیں اور تفصیل ہماری کتاب حقائق تصوف میں دیکھئے۔ (د۔ د کاکوروی)

قسم کی کیفیت طاری ہو گئی اور۔ بدالظل کے سوا کوئی دوسری چیز نظر نہ آئی نتیجہ یہ ہوا کہ سب بے خود ہو گئے ہاتھ پاؤں مارنے اور مچھلی کی طرح تڑپنے لگے۔ صوفی یار محمد اور جو مولوی زین الدین کے مرید تھے اور جو بزرگ حضرت محبوب الٰہی کے درگاہ کے سرِ راہ رہتے تھے وہ بھی کافی متاثر تھے۔ مولانا فخرؒ حضرت محبوب الٰہی کے یہاں جاتے ہوئے (اپنی عنایت اور خلق کریمانہ سے) ان بزرگ کے گھر پر بھی کبھی کبھی تشریف لے جاتے۔

ان بزرگ نے انتقال فرمایا تو اس حدیث شریف کے تحت المولود یتوارث اسی طرح اب آپ صوفی یار محمد کے پاس بیٹھنے لگے۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہو گئے مرض اتنا شدید تھا کہ صاحب فراش تھے جنبش کی طاقت ہی نہیں رہی انھوں نے صبح کے قریب بیداری میں دیکھا کہ حضرت مولانا تشریف لائے ہیں چونکہ صوفی یار محمد میں تعظیم کے لئے اٹھنے کی طاقت ہی نہ تھی اس لئے معافی چاہی مولانا سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا اطمینان رکھو شفا ہو جائے گی یہ فرما کر چلے گئے۔ اتنے میں صوفی نے اپنے آپ میں طاقت محسوس کی اور اٹھ کر بغیر سہارے حاجت والی نماز پڑھی اور دیکھا کہ حجرے کی زنجیر اندر سے بند ہے آنے جانے کے دروازوں کو بھی بند پایا، تھوڑے دن میں کچھ صحت ہو گئی اور بدن میں قوت آ گئی تو ڈولی پر سوار ہو کر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

مولانا سبق پڑھا رہے تھے یہ چاہتے ہی تھے کہ زبان سے کچھ عرض کریں کہ خود مسکرا کر فرمایا۔ صوفی! غالباً یہ تمہارا خیال ہے اس کے بعد خود ان کو بیعت سے مشرف فرمایا۔ یہ صوفی صاحب اپنے زمانے کے ولی ہوئے اور آج بھی صاحب کرامت ہیں۔ یہ صوفی صاحب جیسے ہی آنکھ بند کرتے ہیں ان کو غیبی امور کا تیزی سے انکشاف ہوتا رہتا ہے۔

جمنا گنگا کے دوآبے سے تقریباً ۴۰ کوس پر ایک نوجوان پیرزادے رہتے تھے ان کی آرزو تھی کہ حضرت مولانا ان کے مکان پر قدم رنجہ فرمائیں کیونکہ ان کی پیرزادگی ان کے دہلی جانے کی مانع تھی۔ اُنھوں نے ایک روز دیکھا کہ حضرت مولانا تشریف لا رہے ہیں دوڑ کے استقبال کیا دیر تک آپس میں ہم کلامی رہی۔ جاتے وقت اُنھوں نے حضرت مولانا کا شکریہ ادا کیا کہ اتنی دور دراز مقام سے آپ نے تکلیف فرمائی۔

لوگوں کو معلوم ہوا تو اُنھوں نے انکار کیا کہ مولانا دہلی سے کہیں گئے ہی نہیں۔ جب ان پیرزادے صاحب نے یہ سُنا تو جلدی سے خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور قدموں پر سر رکھ کر تمام واقعہ عرض کیا اس پر مولانا نے کہا یہ تمہارا حُسن ظن ہے اور کنکھیوں سے ایسے بیان کی ممانعت کردی القصہ صاحب موصوف نے بھی بیعت کی سعادت حاصل کرلی اور ایسے مقام پر پہنچ گئے کہ ان کے اعضا

الگ الگ ہو جایا کرتے تھے۔ پھر مولانا نے ان کو خلافت بھی عطا فرمادی حسب الحکم مشرق کی طرف گئے اور آج تک وہاں صاحب ارشاد اور توحید کے مسئلے میں غرق ہیں۔

قاضی انور ضیا محمد ساکن سونی پت دق کے مرض میں گرفتار ہوگئے۔ سات مہینے تک یہی حالت رہی آخر زندگی کی امید ہی ختم ہو گئی۔ اس خیال سے کہ مولانا ہی کے سامنے جان نکلے ڈولی منگا کر مولانا کے پاس پہنچ گئے۔ یہ حالت دیکھ کر مولانا کو رحم آگیا۔ آپ نے ان کو لپٹا لیا۔ اسی دن سے اُن کی حالت درست اور ان کو کامل شفا ہوگئی۔ گویا کوئی مرض تھا ہی نہیں۔ مگر بیمار کو شفا دینے والے مولانا کو اس دن سے سات دن تک بخار آیا۔ ؎

قربانِ خاک راہ تو روح و روانِ ما　　　تو جانِ عالمیی و فدائے تو جانِ ما

قوم افغان کے دس آدمی (جن کو جہنم کی خوشخبری والے کہا جاسکتا ہے) تیر چھریاں میان سے باہر کئے ہوئے۔ گلی کوچوں میں پھر رہے تھے اور علانیہ کہہ رہے تھے کہ اس بدعتی کا خون بہائیں گے ملازموں اور خادموں نے حضور کو اطلاع دی اور عرض کیا کہ ان دنوں باہر تنہا تشریف لے جانا مناسب نہیں۔ ارشاد ہوا کہ ہم تو اللہ کی رضامندی کے تابع ہیں اپنی احتیاط کرنا ہمارا طریقہ نہیں ہے۔

یہاں تک کہ حضرت خواجہ قطب الاقطاب کا عرس آگیا۔ اور وہاں حضرت مریدوں کے ساتھ تشریف لے گئے، وہ دس آدمی

قاضی حمید الدین ناگوری کی درگاہ والی بلند قد آدم دیوار پر ہاتھوں میں برہنہ چھرے لئے بیٹھے ہوئے تھے حضرت کے دوستوں کو حال آگیا تو افغانوں نے بلند آواز سے یہ کہنا شروع کیا کہ اس بدعتی کے مریدوں کو تو دیکھو کیسے ناچ رہے ہیں۔ سید بدیع الدین جو حضرت مولانا کے معزز مریدوں میں ہیں انھوں نے عرض کیا کب تک ہم لوگوں کو خفت ہوتی رہے گی اور خفت کی وجہ سے ذوق میں خلل پڑتا ہے اتنے میں ان افغانوں کی طرف حضرت مولانا نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ پھر کیا تھا۔ وہ لوگ خود بخود گر پڑے اور رقص کرنے لگے پھر مولانا کے قدموں پر سر رکھدیا اور مرید ہو گئے۔ ان کے تیر۔ ان کی چھریاں ان کے دل کی آہیں بن کر رہ گئیں۔

نگاہت دشمناں را دوست کردہ	آپ کی نگاہ نے دشمنوں کو دوست بنا دیا
اثرہا در رگ و در پوست کردہ	رگ و پوست اس نگاہ سے متاثر تھے
گہ آرد خلیلے زبت خانۂ	کبھی (اللہ) بت خانے سے خلیل کو لے آتا ہے
کنی آشنائے ز بے گانۂ	کبھی بے گانوں کو آشنا بنا دیتا ہے

اسی طرح حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ میں دو آدمی ہتیار لگائے ہوئے اوباشانہ اس وقت گھوم رہے تھے جب مولانا کے دوستوں کو وجد آرہا تھا۔ مولانا عبد حق مولانا کے اکمل خلیفہ اور نظر یافتہ ہیں اور

اس عاصی کے بڑے انیس و شفیق ہیں ان کو بہت کیفیت ہو رہی تھی۔ کسی نے ایک دوسرے کے کان میں کہا کہ دیکھو یہ لوگ کیسے تھرک تھرک کے ناچ رہے ہیں، مولانا نے تیز نگاہ سے ان کی طرف دیکھا۔ دیکھتے ہی وہ بے تاب ہو گئے۔ اسی شورش و مستی میں تمام لباس اور ہتیار وغیرہ سب قوالوں کو دیدیا۔ پھر مولانا کے قدموں پر سر رکھ کر مرید ہونے کی آرزو کی۔ مولانا نے فرمایا کیا کہہ رہے ہو، کیا ایسے کے مرید ہونا چاہتے ہو جس کے مرید تھرک تھرک کر ناچنے والے ہیں۔ پھر ان لوگوں نے رو رو کر معافی چاہی اور سچے دل سے مرید ہو گئے۔ مولانے دس روپے دے کر سب چیزیں ان کو واپس دلوادیں۔

آسمان آفتاب ماہتاب سے بھی آپ کی عزت بڑھی ہوئی ہے آپ کی نظر زمانے کی گردن کشاں اور تسخیر والی ہے	اے برتر از سپہر و مہ و مہر جاہ تو گردن کشانِ دہر مسخر نگاہ تو

نھے میاں افغانی شرارت میں بہت مشہور تھا۔ ایک دن حضرت محبوب الٰہی کے عرس میں قوالوں سے یہ جھگڑ بیٹھا وہاں کے عالی شان خدام میں سے ایک کو کسی نے پتھر مارا ہنگامہ ہو گیا۔ نظامی مسجد میں مولانا موجود تھے کسی نے مولانا کو اس کی اطلاع کر دی، آپ نے فرمایا کہ ہم وہاں جاتے ہیں کوئی ہمیں اتنا بتادے کہ یہ شخص نھے میاں کون ہے۔ یہ کہہ کر باہر آگئے ایک آدمی نے اشارے سے بتلادیا کہ نھے میاں افغانی یہ بیٹھا

ہوا ہے مولانا نے تیز نظر سے اُس کی طرف دیکھا اک دم اس کی حالت بدل گئی اور وجد کرنے لگا اور کہا مجھے معلوم ہوا یہ حضرت مولانا کا تصرف ہے، دوڑ کے قدموں پر گر پڑا توبہ کی۔ اور مرید ہو گیا اور جس خادم کو اُس نے مارا تھا اس کو اُس نے خوشامد کر کے ۲۰ روپے دیئے اور معافی چاہی۔

ایک روز مولانا اپنے مدرسے کی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے تھے ایک پٹھان چھری لے کر مدعیانہ آیا اور سلام کے بعد پوچھا کہ مولوی صاحب! اس فضیلت کے باوجود تم گانا سنتے ہو یہ کیا بات ہے، فرمایا ہم ہم خطاوار ہیں تم ہمارے لئے دعائے خیر کرو۔ اتنے میں اُس نے مولانا کے چھری مارنا چاہی۔ حضرت محبوب الٰہی کے خادموں میں سے ایک نے (جو مولانا کے مریدوں میں سے تھا) اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مولانا نے فرمایا اس کا ہاتھ چھوڑ دو اور اپنا سر اس کے آگے جھکا دیا کہ ہم حاضر ہیں جو تمہارا دل چاہے کرو۔ وہ اُسی وقت شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

حضرت مولانا اپنی حویلی میں تشریف رکھتے تھے اور زنجیر میں لمبی لکڑی لگی ہوئی تھی اتنے میں ایسا معلوم ہوا کہ کوئی دروازے کو نہ ور زور سے دھکے دے رہا ہے۔ مولانا نے فرمایا دروازہ کھول دو۔ دیکھا تو وہی بدبخت اور دو آدمیوں کو لے کر آیا ہے۔ دیکھتے ہی مولانا اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور کہا کیوں؟ خیریت

تو ہے! یہ الفاظ زبان مبارک سے نکلنا ہی تھے کہ ان تینوں کی حالت ہی بدل گئی۔ حویلی کے پتھروں پر اپنے پاؤں پٹکنے لگے اور معافی چاہنے لگے اور بیعت کی خواہش کی۔ مولانا نے قصور تو معاف کر دیا مگر بیعت سے مشرف نہیں فرمایا۔

ایک صاحب جو شہر کے درویشوں میں سے تھے خلوت اور سماع کے حالات کی جستجو میں منافقانہ طور پر مرید ہو گئے تاکہ اس طرح ساتھ رہ کر مولانا کے حالات سے واقفیت حاصل کریں۔ مدتوں اسی طرح اپنے کام میں مشغول رہے جب مریدوں کو حال آتا تو ہنسا کرتے مولانا کے احباب تاڑ گئے اور مولانا کو اس کی اطلاع کی آپ نے ٹال دیا اور کچھ خیال نہ فرمایا۔

اتفاق سے حضرت نظام الملتہ والدین یعنی حضرت مولانا کے والد صاحب قبلہ کا عرس آ گیا۔ سیادت پناہ میر بدیع الدین نے عرض کیا آج کا دن ہم لوگوں کے لئے فیض کا دن ہے مگر اس آدمی کی وجہ سے دلوں کو تکلیف ہوتی ہے اور ذوق مجروح ہو جاتا ہے اس ایک کی خاطر مدارات سے بہت سے لوگوں کا حق ضائع ہو جاتا ہے مولانا نے اس کو قبول فرما لیا مگر پھر مروت کر گئے۔

مولانا وضو کے لئے باہر تشریف لے گئے اور مولانا نور محمد کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ اس کی خبر لیں گے۔ جب قوالی شروع ہوتی تو وہ آدمی وہی حرکتیں کرنے لگا (یعنی اُس نے مذاق اڑانا شروع کر دیا)

تو مولانا نے اس کی طرف تیز نگاہ سے دیکھا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود بھی رقص کرنے لگا۔ اور قوالوں سے کہا ہاں یہ غزل گاؤ۔

اَحِنَّ شوقًا الیٰ دیارٍ لقیت فیہا جمالَ سلمیٰ

کہ می رساند ازاں نواحے نوید وصلش بجانب ما

چونکہ سب کے دل اس سے ناراض تھے کسی نے اس کی حفاظت نہ کی۔ وہ سنگین فرش پر اپنے پاؤں مارتا رہا بالآخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ اس کی نبضیں ساقط ہوگئیں میر حسین حکیم نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تو انھوں نے بھی اس کی تصدیق کی لوگ دوڑے اور مولانا سے حال بیان کیا مولانا آئے اور فرمایا خیریت ہے انتقال نہیں ہوا ہے آپ نے اپنے ہاتھ سے اس کے چہرے پر گلاب چھڑکا اور بید مشک کا عرق حلق میں ٹپکایا تو اس نے ہوش میں آکر عرض کیا کہ حضرت آپ نے میرے ساتھ یہ کیا کیا میں تو شہید محبت ہو رہا تھا۔ میر بدیع الدین متانت وسنجیدگی کے باوجود ظرافت پسند انسان تھے ایسے ہی موقعوں سے فائدہ اٹھایا کرتے تھے انھوں نے مذاق مذاق میں شہید محبت کے الفاظ کو عجیب طریقے سے دہرایا جس سے اس کو اپنی غلطیوں کا احساس ہوگیا آخر کار اس شخص نے "بیعت صداقت" کی پھر اپنے قدیم مرشد کے پاس جاکر یہ حال بیان کیا انھوں نے خوب باتیں سنائیں اور کہا کہ تجھ پر بھی ان کا جادو چل گیا اس پر اس نے بھی چند ناشائستہ الفاظ کہہ ڈالے اس نے ان سے قطع تعلق کر لیا۔

شغل والوں میں سے ایک صاحب کا دعوے تھا کہ مجھ پر حضرت مولانا کا کچھ تصرف نہیں چل سکتا اگرچہ مولانا ایسی باتوں سے بالکل الگ رہا کرتے تھے مگر شاید اللہ کو اسی طرح منظور تھا کہ تصرف کے لئے متوجہ ہو گئے۔ اُس نے استقلال کا مضبوط لنگر ڈال دیا۔ آخر کار ان کی دونوں آنکھوں۔ ناک۔ کانوں۔ ناخونوں اور ہاتھ پاؤں سے خون جاری ہو گیا۔ پھر بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا۔ توبہ کی اور شرمند ہو کر مولانا کے معتقد ہو گئے۔ ؎

ایں نگاہے ست کہ از سطح فلک درگزرد

یہ وہ نظر ہے کہ جب فضا سے گزرتی ہے

پردۂ دل چہ بود۔ پردۂ افلاک درد

تو صرف دل کے نہیں بلکہ افلاک کے پردے بھی چاک ہو جاتے ہیں

پنجاب کے رہنے والوں میں سے ایک صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں شاہ جہاں آباد پہنچا تو مجھ کو مولانا فخرؒ سے ملنے کا شوق ہوا آستانۂ عالی پر پہنچا۔ یہ وہ دن تھا کہ بدعتیوں نے میرزا مظہر جان جاناںؒ کو شہید کر دیا تھا میں برگد کے درخت کے نیچے کھڑا ہوا تھا میں نے ایک ایرانی کو دیکھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ میں نے سنیوں کے ایک پیشوا کو تو قتل کر دیا اور یہ جو سب سے بڑا پیشوا ہے، باقی رہ گیا ہے اس کو میں جلد ختم کر دینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ کیا کروں کہ ان کے بہت سے مرید ان کے چاروں طرف موجود رہتے ہیں یہ اکیلے مجھے ملتے نہیں۔ یہ سب میں نے سُنا تو

مجکو بہت رنج ہوا۔ مولانا کی خدمت میں پہنچا، ان کی خدمت میں حاضر ہونے سے اتنی فرحت ہوئی کہ سب ملال جاتا رہا حیران تھا کہ وہ سب باتیں پہلی ملاقات میں کیسے کہوں اگر نہیں کہتا ہوں تو عام اطلاع کی وجہ سے کہیں کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آجائے۔ اتنے میں مولانا نے خود ہی فرمایا کہ برگد کے درخت کے نیچے تم نے جو کچھ سُنا ہے اس سے تم پریشان نہ ہو اللہ تعالےٰ ہمارا حافظ وناصر ہے تب مجکو پورا اطمینان ہوگیا۔

ایک صاحب محمد فاخر نام۔ عربستان سے یہاں (ہندوستان) شرعی احکام کی اجرائی کے لئے آئے جو مزاروں پر چراغ روشن کرنے کو منع کرتے تھے اور بے وارثوں کی جو قبریں اونچی دیکھتے ان کو کھدوا ڈالتے۔ اور لوگ (وہابی لہابی) بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔

حالانکہ مدینے شریف میں ہمیشہ قندیلیں روشن ہوا کرتی ہیں۔ چراغ جلائے جاتے ہیں اور چراغوں سے مقبرے منور نظر آتے ہیں۔ اور میلاد شریف کے موقع پر اس کے سوا رمضان کی ۲۷ تاریخ ہر گلی کوچے میں روشنی ہوا کرتی ہے۔ وہاں قد آدم سے زیادہ اونچی قبریں پائی جاتی ہیں یہاں ویسی کہاں۔ چنانچہ شیخ سناولیؒ کی قبر اور شیخ جندلؒ کی قبر بمقام عدن عیدروسؒ کی قبر کے سامنے ہے اور ابلغی کا مزار پہاڑ میں ہے اور خواجہ عثمان ہارونیؒ کا مزار مکہ معظمہ میں ہے۔ ان سب کو بندے نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔

القصہ ان مولوی صاحب نے دوبارہ حرمین شریفین جانے کا

ارادہ کیا تو مولانا نے فرمایا۔ اُنھوں نے جب یہ طریقہ اختیار کیا ہے تو نہ معلوم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے روضے تک کیسے پہنچیں گے۔ جب مولوی مذکور۔ بندر سورت (کراچی) پہنچے اور جہاز پر بیٹھے تو طوفان اس جہاز کو بنگالے کی طرف لے گیا۔ وہاں سے مولوی نے دوسری بار۔ مدینے شریف جانے کا ارادہ کیا تو برہان پور پہنچے وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔

حضرت مولانا ابتداء میں جب دہلی تشریف لائے تو اس وقت میاں محمدی جو حضرت شاہ کلیم اللہؒ کے نواسے تھے ان کے مرید ہوگئے مگر عجیب حالت ہوئی کہ پیرزادگی کا غرور ان کے سر میں سمایا اور اُنھوں نے خودنمائی کے کوچے میں قدم رکھ دیا[۱]۔ مولانا نے فرمایا کہ ان بزرگ زادے نے جو طریقہ اختیار کیا ہے ان کا خدا ہی حافظ ہے کچھ دن بعد اُنھوں نے جنت کی راہ لی۔

ایک آزاد منش سید صاحب نے مولانا کی خدمت میں خلوص پیدا کیا مولانا نے احکام خدا کی طرف توجہ دلائی اور کچھ وظیفہ ان کو

---

[۱] حضرت مولانا شاہ حبیب قلندر کاکوروی فرمایا کرتے تھے کہ پیرزادوں کے دو نفس ہوتے ہیں۔ نفس کشی پر ان کی کافی نظر ہونی چاہئے۔ شاہ تقی علی قلندر کاکوروی کہا کرتے تھے کہ اگر خدا نے مجھے ذرا بھی اختیار دیا تو بے علم سجادہ نشینوں سے میں پہلے دوزخ کو بھر دوں گا۔ ددد کاکوروی۔

بتایا کہ ان کا دل جو شرعی احکام کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے، متوجہ ہو جائے۔ جب یہ مولانا کے پاس آتے تو مولانا ان سے پوچھتے کہ وظیفہ پڑھنا شروع کیا یا نہیں یہ کہتے کہ نہ معلوم کیا بات ہے میرا دل اس طرف آتا ہی نہیں اس لئے وظیفہ پڑھنے کا اتفاق ہی نہیں ہوتا۔ مولانا نے ہم لوگوں سے فرمایا مجھے خوف ہے ان پر نہ معلوم کیا واقعہ پیش آجائے کیونکہ بتائی ہوئی دعا کے پڑھنے کی ان کو توفیق ہی نہیں ہو رہی ہے۔ آخر اسی زمانے میں یہ ایک جرم میں گرفتار کر لئے گئے اور ان کو شہادت کا شربت پینا پڑا۔ اِن سید صاحب کے اس واقعے سے مولانا اتنے متاثر ہوئے کہ دو تین روز تک نہ کچھ کھایا نہ پیا۔

ایک روز بوقت صبح حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ میں عرس کی محفل تھی اور زوروں پر قوالی ہو رہی تھی۔ بے داڑھی والے طاقت ور نوجوان صاحب کو حال آگیا۔ قوال گاتے گاتے ذرا خاموش ہوئے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا، نبض دیکھی گئی تو کوئی حرکت نہ تھی ان کے والد زار و قطار رو رہے تھے۔ نوجوان صاحب کو لا کر مولانا کے سامنے لٹا دیا گیا لڑکے کے والد نے مولانا سے عرض کیا۔ میرا یہی ایک لڑکا تھا۔ اس کا یہ کیا حال ہو گیا۔ اب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ میرا لڑکا آپ ہی کے نذر ہے۔ آپ جانیں۔ اور آپ کا کام۔ مولانا نے ان کو تسلی دی اور فرمایا کہ یہ زندہ ہے۔ خاطر جمع رکھو پھر قوالوں سے کہا جس شعر پر اس کو حال آیا تھا وہی گاؤ۔ قوالوں نے حکم کی

تعمیل کی۔ وہ شعر سنتے ہی جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور لوٹنے لگا۔ یہاں تک کہ ہوش آگیا۔ مولانا کبھی کبھی خوش ہو کر اس سے باتیں کیا کرتے تھے۔ پھر غلاموں میں داخل ہو کر اس نے فنا فی الرسول کا رُتبہ حاصل کیا۔

حضرت مولانا نے ارشاد فرمایا۔ حال آنے کے شروع میں جو کوئی آں حضرت سرکار دو عالم حبیب خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مبارک نام زبان پر لاتا ہے تو عشق کی غیرت چاہتی ہے کہ اس کا سر اُڑا دے، لیکن آل اور سادات کی محبت اس کو طرح دے جاتی ہے۔ (ٹال دیتی ہے)۔

مولوی مکرم مرحوم کا احتساب[1] پیشہ تھا یہ حضرات صوفیہ کو اور گانا سننے والوں کو عادتاً ستایا کرتے تھے۔ ایک دن مولانا کی مجلس میں ان کی عادت کا تذکرہ ہوا مولانا نے مسرور ہو کر فرمایا اگر یہ بات ہے تو پھر وہ خوب آدمی ہیں اسی زمانے میں بضمن عرس قوالی کی محفل ہوئی مولانا اپنے مریدوں کے ساتھ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مولوی مذکور نے احتساب کا ارادہ کیا۔ لوگوں نے مولانا سے عرض کیا کہ مولوی

---

[1] قدیم زمانے میں خلاف شرع کاموں سے روکنے کے لئے منجانب حکومت جو لوگ مقرر ہوتے ان کو محتسب کہا جاتا تھا اسی لحاظ سے احتساب ان کا مشہور پیشہ تھا۔ درد کاکوروی۔

مکرم یہی صاحب ہیں۔ جب وہ قریب آئے تو حضرت مولانا کی نظر کے شکار ہو گئے۔ ان کی زبان سے عشق کا نغمہ، باجے کی دل کش تروں میں نکلنے لگا۔ ان کا قد چنگ کی طرح خدا کی بندگی کے لئے خم ہو گیا کہ ایک نعرہ مار کر مولانا کے حلقہ بگوشوں میں شریک ہو کر مرید بھی ہو گئے۔

چونکہ ایسے ہر دل عزیز شخص مولانا کی محبت کے لئے طیار ہو گئے اور احقر کو بھی ان سے خاص محبت تھی اس لئے ان کا تھوڑا سا رندانہ حال لکھا جاتا ہے۔

ترچھی ٹوپی پہنتے تھے۔ عالم ذوق میں اتر اکر مستانہ ادا سے چلتے جب حضرت مولانا کے چہرے پر نظر پڑتی تو بے تاب ہو کر زور سے ایک نعرہ لگاتے اور کبھی کہتے لوگو دیکھو دل کا ڈاکو یہی شخص ہے۔ حضرت مولانا تبسم فرما کر ادھر سے گزر جاتے اور یہ مسکرا کر گزر جانا ان کے قتل کے لئے ایک خنجر کا کام دیتا تھا۔ مولوی مکرم کہتے حضرت مولانا بڑے عقلمند ہیں۔ لیکن مکرم ایک عجیب شہدہ ہے۔

انھیں مولوی صاحب کے لڑکے کا انتقال ہو گیا تو حضرت مولانا تعزیت کے لئے ان کے یہاں گئے تو انھوں نے کہا عجب تماشا ہے خود ہی مارتے ہیں۔ خود ہی تعزیت بھی فرماتے ہیں۔ حضرت مولانا بھی ان سے مذاق کرتے۔ جب ان کی عشقی نسبت مکمل ہو چکی تو ان کو علم سے نفرت ہو گئی (پھر بھی مذاقاً) حضرت مولانا ابتدائی مرید

کو ان کے سپرد کر دیا کرتے تھے کہ میزان سے آخر تک تعلیم دیدیا کریں یہ حیران رہ جاتے کہ میں اس فرمان کو کس طرح تعمیل کروں۔ ذوق کے اوقات کو تعلیم اور درس میں صرف کرنا بہت شاق ہوتا۔ ناچار دو تین روز تک میزان کا سبق دیتے۔ نحوی مدرسے میں طالب علم پڑھتے تھے کہ ضرب زیدٌ عمراً (زید نے عمر کو مارا) شاگرد صاحب نے ان سے پوچھا کہ یہ عمر کون صاحب تھے۔ اور زید نے عمر کو کس گناہ میں مارا۔ مولوی مکرم صاحب تو بیزار بیٹھے ہی ہوئے تھے گالی دے کر کہا میں۔ تم۔ زید اور عمر سب بھاڑ میں جائیں اس کے بعد کتاب کو شاگرد کے منہ پر دے مارا اور اپنی دستار کو زمین پر دے پٹکا اور اپنے ذوق میں نالہ و فریاد شروع کر دی (کیونکہ یہ اپنے رنگ اور بے خودی میں محو تھے)۔

اسی وقت لوگوں نے حضرت مولانا کو اطلاع دی مولانا کو بہت ہنسی آئی اور فرمایا کہ مولوی مکرم کو یہاں لاؤ، حکم کی تعمیل کی گئی۔ یہ آئے تو مولانا نے فرمایا کہ مولوی صاحب کچھ فرمایئے تو کیا ہوا۔ عرض کیا، بس بس دو روز میں نے حکم کی تعمیل کی۔ اور سو ہاں روح (روحانی تکلیف) کو گوارا کیا اب اگر مجھکو آپ مار بھی ڈالیں تو پڑھانا قبول نہ کروں گا۔ حضرت مولانا نے مسکرا کر فرمایا کہ مولوی صاحب معذور ہیں۔ اسی لئے کئی سال تک آپ نے کسی شغل کے لئے مولوی مکرم سے نہیں کہا۔ (ناظرین آپ نے غور

فرمایا؟) مولانا کی قوی روحانیت اور نظر کی تاثیر سے مولوی مکرم کی یہ کیفیت رہی۔

اسی سلسلے میں سید محمد خاں توپ خانے کے داروغہ سے بھی ملاقات ہوگئی، یہ مولوی صاحب کے قدیم دوستوں میں ہیں ان کے یہاں مولوی صاحب مذکور کا جو تصرف ظاہر ہوا تھا وہ یہ ہے کہ کسی لڑائی میں تفنگ کے گولے سے زخم آگیا تھا اور گہرا سوراخ ہوگیا تھا۔ جب زخم دل کے قریب پہنچ گیا تو زخم کے اچھے ہونے کی امید نہ رہی اور جراح لوگ اپنے قاعدے کے موافق زخم کے اچھے ہونے کی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ مولوی مکرم صاحب نے ان سے کہا کہ جان سے مار ڈالوں گا ورنہ میں جیسا کہتا ہوں ویسا کرو اُنھوں نے پوچھا آخر آپ کی کیا رائے ہے۔ کہا عرق بید مشک کے شیشے لاکر دو گھڑے بھردو اور اس میں سے تولہ بھر زخم پر ڈال دیا کرو کہ یہ خلاف قیاس نئی حکمت ہے ہم نے کبھی ایسے علاج نہیں دیکھے انھوں نے کہا نہیں یہ تو قیاس کے مطابق ہے کہ قلب خود گرم ہے اور زخم کی وجہ سے اس کی حرارت اور بڑھ گئی ہے بید مشک معتدل اور مقوی ہے یہی مفید ہوگا کیونکہ گرمی اس کے لئے مضر ہے۔

چونکہ سید محمد خاں مولوی مکرم کے معتقد تھے اُنھوں نے جراحوں سے کہا کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں وہی کرو اس کے سوا اور طریقے سے علاج کرنے کی ضرورت نہیں۔ آخر بید مشک کے شیشے زخم پر

بہائے گئے۔ اور تھوڑے دن میں بحمد اللہ زخم اچھا ہوگیا۔

القصہ وہاں سماع کی محفل گرم ہوئی مولوی مکرم کو ذوق ہوا۔ حال آگیا وہاں کے قاضی صاحب نے کہا یہ آدمی کیسے تھرک تھرک کر رقص کر رہے ہیں یہ کہہ کر قاضی صاحب تھوڑی دیر غافل ہوئے تھے کہ حضرت مولانا نظر آئے اور اُنھوں نے ان کو زمین پر دے مارا اور کہا کہ ہمارے مریدوں کے متعلق اس قسم کی گفتگو نہ کرو قاضی صاحب کے سر میں دنبل تھا جس سے ان کو اگرچہ تکلیف ہوئی مگر مولوی مکرم کی خدمت میں آکر معافی چاہی انھیں کی دعا سے دنبل بھی اچھا ہوگیا اس خوشی میں گانے کی مجلس کے لئے تقریباً دو سو روپے لاکر نذر دئے۔

نصیب اعدا حضرت مولانا کو ایک سخت عارضہ ہوگیا تھا، خانقاہ والوں نے اسہال سمجھ کر قابض دوائیں تجویز کردیں یہاں تک نوبت پہنچی کہ ناخن شریف کا رنگ خضاب کا سا ہوگیا تھا۔ خادموں میں ایک بڑا ہنگامہ اور پریشانی تھی مولوی صاحب اسی وجہ سے دیوانوں کی طرح اِدھر اُدھر پھرنے لگے اس احقر کو بھی یہ حالت ہوئی کہ چھ دن تک نہ کچھ کھایا نہ پیا نہ معلوم اس میں کیا باطنی راز تھا کہ مولوی مکرم جو دیوانوں کی طرح گھوما کرتے تھے گھومتے پھرتے مولانا کے پاس آگئے الحمد للہ کہ مولانا کو آخر شفا ہوگئی۔ تب ہم لوگوں کے ہوش و حواس درست ہوئے۔ بندے نے اُسی روز دل میں عہد کرلیا کہ مولوی مکرم کا طواف کروں گا چنانچہ ان کو مرکز کی طرح درمیان میں رکھ کر پرکار کی طرح

ان کے گرد میں نے خوب چکر لگائے۔

آں حضرت (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی مجلس میں حاجی احمد کو مولانا نظر آئے آں حضرتؐ نے حکم دیا کہ ان کے مرید ہو جاؤ اسی لئے وہ مدینے شریف سے دہلی آئے۔ دہلی میں متقی حاجی خدا بخش جو شیخ وقت اور بے نظیر فقیر تھے انھوں نے مولانا سے میل جول بڑھایا پھر بیعت بھی کر لی اس کے بعد حرمین شریفین چلے گئے۔ اب وہ خرق عادات اور وہ تصرفات جو اس کمترین اور غلامان غلام سے متعلق ہیں لکھے جاتے ہیں۔

جب اس گناہ گار کو حق کی تلاش ہوئی تو دہلی کے مشہور مشائخوں اور درویشوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس کے پاس گیا شغل کے سوا اور کوئی چیز نہ پائی اور دل کے ساغر کو نگاہ کی شراب سے کسی نے نہ بھرا۔ زمین آسمان میں مولانا صاحب کی شہرت تھی ان کے طالبوں کے حالات مشاہدے میں بھی آئے تھے۔ اس لئے مولانا صاحب پر پورا اعتماد جم گیا اور مولانا سے بیعت کا فخر حاصل کرنے ارادہ ہو گیا مگر حالت کی تبدیلی استقلال سے دور تھی کہ وحدت الوجود[1] کا وسیلہ[2] کس طرح اختیار کیا جائے۔ کہاں خالق۔ کہاں مخلوق۔ اس

---

[1] فخر الطالبین کے ترجمے کے حاشیے میں ہم وحدت الوجود کو بتلا چکے ہیں۔ وہاں دیکھئے۔ درد سے کاکوروی۔

[2] قرآن شریف کی آیت ہے وابتغوا الیہ الوسیلہ (سورہ مائدہ) یعنی اللہ کی طرف وسیلہ

امر میں حیران تھا یہ خطرہ آتے ہی مولانا میرے خطرے پر مطلع ہو کر اپنے کرم سے تنہا میرے پاس تشریف لائے۔ بندہ ان کو دیکھ کر تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُنھوں نے میرے دونوں ہاتھ اپنے مبارک ہاتھوں سے

بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۲۶۸ بسلسلہ ۵۲

تلاش کرو اس سے بڑھ کر وسیلے کی اور کیا سند ہو سکتی ہے۔ انجمن خدام الدین لاہور کی طرف سے مولانا احمد علی صاحب نے قرآن مجید کا جو ترجمہ شائع کیا ہے۔ اس میں اسی آیت کے تحت جو حاشیہ ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"شریعت میں اس کے (وسیلہ کے) دو معنی ہیں۔ مرتبہ ۔ طاعات (تفسیر مظہری میں بھی یہی ہے۔) حاکم نے حدیفہ سے روایت کی ہے اور ایسا ہی فاریابی عبد ابن حمید ابن المنذر۔ ابن حاتم بن عباس سب نے کہا ہے کہ یہ بلا کیف ذاتی تقرب کی طرف اشارہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ وسیلے سے بڑھ کر کوئی درجہ نہیں میرا وسیلہ اختیار کرو (احمد نے بسند صحیح ابی سعید خدری سے اس کو روایت کیا ہے) مسلم میں عبد اللہ ابن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہے۔ جب تم موذن سے اذان سنو تو وہ جو کچھ کہے وہی تم کہو۔ پھر جس نے دس بار درود شریف پڑھ کر میرا وسیلہ اختیار کیا میرے ساتھ جنت میں ہو گا اور جب کوئی میرا وسیلہ اختیار نہ کرے اس کو یہ مرتبہ مِل

پکڑے اس طرح کہ مولانا نے اپنی انگلیاں میری انگلیوں میں ڈال لیں ہتھیلیوں سے ہتھیلیاں ملا کر مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ گویا ایک شراب تھی جو میرے دل کے جام میں ڈال رہے تھے یا ایک آگ تھی جو میرے سینے میں بھر کا رہے تھے پنجے کو گویا دل سے گلے تک لائے مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے میری جان نکلی جارہی ہے استقلال کی رسیاں کٹ گئیں۔ میں مست و مدہوش ہو کر گر پڑا اور مولانا واپس چلے گئے۔

بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۲۶۸ و ۲۶۹ بسلسلہ ۲۵

نہیں سکتا مگر جس کو اللہ عطا فرمائے جس نے میرا وسیلہ اختیار کیا میں اس کی شفاعت کروں گا۔"

وسیلے کے متعلق اور تفصیل کی ضرورت ہو تو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکاتیب ملاحظہ فرمائیے۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں انسان اگر ایک دوسرے کی حاجت روائی نہ کرے تو اسلامی بھائی چارے کا مقصد ہی فوت ہو جائے بھائی چارہ۔ مدد ہے۔ یہی بھائی چارہ وسیلہ ہے۔ ہم کانوں کے وسیلے سے سنتے ہیں۔ آنکھوں کے وسیلے سے دیکھتے ہیں۔ ہاتھوں کے وسیلے سے کام کرتے۔ اور پاؤں کے وسیلے سے چلتے پھرتے ہیں۔ پھر اس کا انکار انتہائی نادانی ہے وسیلہ کیا ہے ایک قسم کی مدد ہے اگر یہ مدد۔ ایاک نعبد وایاک نستعین کے خلاف ہوتی تو یہ انصارہ کا لفظ وجود ہی میں نہ آتا کاس کے بغیر انسان کی زندگی ہی ناممکن ہے پھر ایسی تکلیف مالایطاق کو شریعت کی طرف منسوب کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ ذرا دکا کو روی۔

تھوڑی دیر تک میں بے ہوش پڑا رہا۔ جب ہوش آیا اُس وقت کا ذوق و شوق تحریر میں نہیں آ سکتا آنسوؤں کی نہر تھی کہ جاری ہو گئی۔ انسان۔ حیوان۔ نباتات۔ جمادات۔ جزاور کل۔ غرض ہر چیز ایک ہی نظر آ رہی تھی۔ ذکر قلبی جاری ہو گیا کھانا پینا۔ سونا سب جاتا رہا۔ چند روز بعد اپنے لباس اور کھانے پینے غرض ہر کام کے متعلق بھی خیال کرنے لگا کہ میں کیوں اس میں اپنی اوقات ضائع کروں بہت مدت کے بعد افاقہ ہوا۔ کہ مجذوب نہ ہو جاؤں۔ یہ دونوں عقدے مولانا کی عنایت سے حل ہو گئے۔

اسی زمانے میں مجھے خیال ہوا کہ لاؤ فتوح الغیب دیکھوں مگر بغیر حکم کے اس کا دیکھنا مناسب نہ سمجھا مگر مولانا کی عظمت و ہیبت کی وجہ سے۔ ان سے عرض کرنے کی جرأت ہی نہ ہوتی تھی۔ گفتگو کی خود ابتدا کرنا میرے طریقے میں ادب کے خلاف ہے۔ اسی فکر میں تھا۔ دیکھا کہ مولانا خود فرما رہے ہیں کہ فتوح الغیب کا ان دنوں دیکھنا بہتر ہے، یہ کتاب غلام حسین کے پاس ہے لیکر دیکھو میں نے ایسا ہی کیا۔

لشکر کشی کے زمانے میں فرائض[1] کی ادائی مجھ سے بہت کم ہو گئی تھی۔ مولانا نے تحریر فرمایا فرائض کا خیال رکھو۔ آخر کیا بات ہے تم مجھے کم یاد کرتے ہو۔ اس سفر میں مجھے مسلسل تحریر فرماتے رہے

---

[1] یعنی نماز روزے کا۔ درد کاکوروی

کہ اس زمانے میں اپنی حفاظت کا بہت خیال رکھو۔ اسی پر بس نہیں کیا بلکہ مولانا عبداللہ کو متعین فرما دیا کہ احقر کو تاکید کرتے رہیں اور حفاظت بھی کریں۔

ایک دن باغ کی سیر کو گیا ایک شخص کو دیکھا کہ جدھر آدمی کھڑے ہوئے ہیں اس راستے کو طے کر کے دیوار کے اُس جانب جدھر زینہ نہیں ہے چلا آنا چاہتا ہے جب اس کا یہ ارادہ معلوم ہوا تو میں نے خزانے داروں اور رسالے والوں سے کہا کہ دیکھو اس کو اپنے رسالے میں ہرگز نہ آنے دینا۔ اس نے رسالداروں میں سے ایک کی بہت خوشامد کی اور پریشانی ظاہر کی کہ حالات جنگ کی وجہ سے میرے حواس درست نہیں میں راستہ بھول گیا ہوں پھر نہ معلوم اس کے دل میں کیا خیال آیا کہ وہ مجھ پر رحم کھا کر پوشیدہ طرح پر میری حفاظت کرنے لگا۔

میں نے سُنا ہے کہ حضرت مولانا بھی میرے لئے متفکر تھے یہاں تک بے تابانہ ایک دن اُدھر سے گذرے خاموش رہے اور کسی سے کچھ نہ کہا۔ چہرۂ مبارک غمگین تھا۔ ناگاہ زبان مبارک سے نکلا کہ ایک بہت بڑی بلا آئی تھی مگر الحمد للہ کہ میرے دوستوں میں ہر ایک ڈر کے گزر گیا۔ میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ عشاء کی نماز کے بعد دیوان خانے کے خیمے سے باہر کاموں سے فارغ ہونے کے بعد میں اُٹھ بیٹھا۔ میرا یہ معمول تھا کہ ہر رات خلوت خانے جاتا اور وہیں سو رہتا۔

ایک دن صبح کی نماز کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ زور کی نیند آرہی ہے۔ وظیفہ اور مشغولی کا موقع نہ ملے گا۔ جب سو گیا تو دیکھا کہ یہاں خون بہایا جائے گا۔ ایسا کئی دفعہ ہوا پھر آنکھ کھل گئی۔ رات کے وقت جو ہتھیار میرے پاس رہتے تھے وہ تحویل دار لے کر چلے گئے۔ سرائے میں چاروں طرف چوکیدار ہونے کے باوجود نہ معلوم کس طرح وہ آدمی مجھ تک پہنچ گیا اور تلوار میان سے کھینچ لی۔ محمد پناہ خاں میرے استاد زادے جن پر مولانا کی خاص عنایت تھی اور مولانا کے مرید تھے ان کے پکڑنے کو دوڑا تلوار ماردی۔ محمد پناہ خاں کے دونوں ہاتھ زخمی ہو گئے مگر لوگ پہنچ گئے اور انھوں نے اُس کو مار ڈالا۔ معلوم ہوا کہ مولانا پہلے ہی اس کی خبر دے چکے تھے۔ پھر مجھے اپنے ایک دوست سے معلوم ہوا کہ میرے دشمنوں میں سے ایک نے اس آدمی کو روپیہ دے کر اس کام پر مقرر کیا تھا۔ اُس دن سے میں نے پناہ محمد خاں کو اپنے دفتر میں لے لیا اور آج تک خدا کی مدد سے علاقہ دیوانی اور ملکی معاملات میں یہ اعتماد کے لائق ہیں اب جبکہ میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں اس واقعے کو ۱۸ سال ہو چکے ہیں۔

ہیضے کی بیماری کے بعد مولانا بہت ضعیف ہو گئے تھے تو میں نے ایک معجون بنا کر ان کے لئے روانہ کردی تھی اور اس کا نسخہ بھی خدمت عالی میں بھیجدیا تھا تاکہ وہ طبیبوں کو دکھلائیں اور مزاج کے مناسب ہو تو استعمال کریں۔

شرف الدین جو بندے کے اُستاد زادے اور اپنے والد کے

خطاب (رفیع الدین خاں) سے آج تک سرفراز ہیں (مولانا کے خلفاء [illegible]
یہی میر ضیاء الدین کے بڑے بھائی ہیں (انھیں کے ہاتھ میں نے معجون بھیجی تھی۔ جب اُنھوں نے معجون پیش کی تو اس پر مولانا نے فرمایا کہ اس کا نسخہ بھی تو بھیجا ہے وہ کہاں ہے۔ عرض کیا حضور یہ معلوم نہیں لانے میں میرا عریضہ بھی پہنچ گیا جب خط کھولا تو نسخہ نکلا۔

عبداللہ خاں نامی افغان غزل کو اچھی آواز سے پڑھتا تھا اس وجہ سے اس کو مولانا کی نزدیکی حاصل ہوگئی اور اس کے متعلق مولانا کی عنایت اور مہربانی کی شہرت ہوگئی۔ اتفاق سے دوستوں کے ساتھ حضرت خواجہ کے عرس میں دار الخیر اجمیر پہنچے۔ احقر نے بھی عرس میں حاضری دی کچھ دور تک پیدل گیا تھا اور بال بچے سواری پر فوجی شان وشوکت کے ساتھ دور سے آئے۔ مجھے پیدل چلنے کی عادت نہ تھی اس لئے پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔

میں نے عبداللہ خاں سے کہا کہ کچھ دن میرے پاس رہو۔ اُنھوں نے کہا حضرت مولانا کی اجازت کے بغیر نہیں رہ سکتا میں نے حضرت مولانا کے پاس آدمی بھیجا اور عبداللہ خاں کے رہنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت مولانا نے جواباً تحریر فرمایا کہ تمھاری قیافہ شناسی سے تعجب ہے کہ ایسے آدمی کو اپنے پاس رکھنے کو تیار ہو۔ اس کو فوراً رخصت کردو اور خود عبداللہ خاں کو مولانا نے لکھا کہ تم رخصت ہوکر جلد یہاں پہنچو۔ میں حیران رہ گیا کہ اس تحریر سے آخر حضرت مولانا کا

کیا منشا ہے۔ تھوڑے دن بعد معلوم ہوا کہ وہ حضرت کے اور بعض دوسرے لوگوں کے کپڑے لے کر بھاگ گیا، تب میرے دل نے کہا کہ حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا اب مولانا کی تحریر کا مطلب سمجھ میں آیا۔

مولانا روح اللہ جو مولانا کے بڑے خلیفہ تھے۔ وہ بھی اس قافلے میں تھے۔ دینی بھائی ہونے کے لحاظ سے میں نے ان کے سامنے کچھ نذر پیش کی۔ مہربانی سے قبول کر لی مگر یہ سب حضرات تو رات دن میرے پاس آتے رہتے مگر مولوی روح اللہ صاحب میرے یہاں صرف دو ایک بار ہی تشریف لائے۔ عرس کے بعد جب لوگ واپس ہونے لگے تو مولوی روح اللہ صاحب آستانے شریف میں اعتکاف کی وجہ سے ٹھہر گئے۔

واپسی پر جب لوگ حضرت مولانا کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے حسب معمول اپنے احباب سے بندے کی ملاقات کا حال دریافت کیا۔ لوگوں نے حسب حال بیان کیا۔ مولوی روح اللہ صاحب کے طرز عمل (کم آنے جانے سے) مولانا خوش نہیں ہوئے۔ اور فرمایا کہ ان کی یہ حرکت نازیبا ہے۔ کیونکہ غازی الدین کوئی غیر نہیں۔ آخر ہمارے حلقے کے ہیں اور غیرت الٰہی کی کسی کو کیا خبر کہ کسی کو ضرورت مند بنا دے۔ اسی زمانے میں مولوی روح اللہ صاحب کو جاڑا بخار آنے لگا۔ گھبرا کر میرے پاس آ گئے۔ بندہ ان کی خدمت میں حاضر رہتا۔ آخر دو تین مہینے میں شفا پا کر مولانا کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عنایتوں سے

سرفراز ہوئے۔

چونکہ وحدت الوجود میں یہ رنگے ہوئے تھے۔ اس لئے حضرت مولانا ان سے بہت خوش تھے اور اکثر مریدوں سے فرماتے کہ مولوی روح اللہ کے پاس بیٹھا کرو۔ پھر انھوں نے مولانا سے وطن جانے کی اجازت چاہی مولانا نے ہر چند روکا مگر باصرار رخصت ہو کر چلے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد مولانا نے فرمایا کہ فاتحہ[لہ] کے لئے کھانا پکوایا جائے۔ مولوی روح اللہ نے آکر کہا ہے کہ ہم شہید کر دئے گئے۔

لہ فاتحہ کی سند۔ مولانا اسماعیل شہید دہلوی رح اپنے رسالہ زبدۃ النصائح میں لکھتے ہیں۔

اگر شخصے بزے را خانہ پرورکند تا گوشت او خوب شود او را ذبح کردہ فاتحہ حضرت غوث الاعظم خواندہ بخورند خللے نیست (کتاب مسائل عشرین)

اگر کوئی شخص کسی بکری کو گھر میں اس طرح پالے کہ اس کے خوب گوشت ہو جائے پھر ذبح کر کے اس پر حضرت غوث اعظم رح کا فاتحہ پڑھ کر کھالیں تو کوئی خلل نہیں۔

عالم باللہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔

اگر مالیدہ و شیر برنج بنابر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح بپزند و بخورند مضائقہ نیست۔ (کتاب مسائل عشرین صفحہ ۱۲)

اگر ملیدہ۔ شیر برنج (کھیر) کسی بزرگ کے فاتحہ کے لئے ثواب پہنچانے کی نیت سے پکالیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

مولانا حاجی امداد اللہ رح اپنی کتاب فیصلہ ہفت مسئلہ میں فرماتے ہیں۔

"متاخرین میں کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے

مولانا کو ایسے قرآن شریف کی تلاش تھی جو ہمیشہ حضرت شیخ کلیم اللہ کی تلاوت میں رہتا تھا اور اُنھوں نے تفسیر القرآن تصنیف کر کے اپنے ہاتھ سے حاشیئے پر لکھی تھی۔ بازار میں ایک روز دیکھا کہ ایک بڑھیا کلام مجید بغل میں

بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ ۲۷۶ (سلہ)

گرما ہوتا تب دسان کے لئے عوام کو زبان سے بھی کہنا مستحسن ہے اسی طرح اگر یہاں کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے تو بہتر ہے۔ پھر کسی کو خیال ہوا کہ اگر روبرو موجود ہو زیادہ استحضار قلب (حضور قلب) ہو۔ کھانا روبرو لانے لگے کسی کو خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے رفع یدین ہاتھ اُٹھانا سنت ہے۔ ہاتھ بھی اُٹھانے لگے کسی نے خیال کیا کھانا جو مسکین کو دیا جائے گا۔ اس کے ساتھ پانی بھی دینا مستحسن ہے پانی پلانا بڑا ثواب ہے۔ پانی کو بھی کھانے کے ساتھ رکھ لیا تو فاتحہ کی یہ شکل ہو گئی۔ رہا تعین تاریخ یہ بات تجربے سے معلوم ہوتی ہے کہ جو امر وقت پر یاد آجائے تو ہو جاتا ہے ورنہ سالہا سال گزر جاتے ہیں خیال بھی نہیں آتا اس لئے تاریخ کا تعین ضروری ہوا۔

اب فاتحے کی بابت حدیث سنئے :-

الفاتحۃ لما قرئت لہ (بیہقی) تجرید الاحادیث صفحہ ۲۳۲۔	فاتحہ اس کے لئے ہے جس کے لئے وہ پڑھا جائے۔

چونکہ ایصال ثواب میں سورۂ فاتحہ بزرگ لوگ پڑھا کرتے تھے اس لئے

دبائے ہوئے ہے۔ پوچھا بڑھیا یہ کیا ہے اس نے کہا قرآن شریف ہدیئے کے لئے ہے۔ کھول کر دیکھا تو وہی حضرت شیخ کلیم اللہ والا قرآن شریف ہے۔

بقیہ فٹ نوٹ بسلسلہ صفحہ ۲۷۶ (سلہ)
ایصال ثواب کے عمل کا نام فاتحہ پڑ گیا۔ اللہ فرماتا ہے۔ الیہ یصعد الکلم الطیب (پاک کلمے اللہ کی طرف صعود کرتے ہیں)۔ تو قرآن کی آیتوں سے بڑھ کر اور پاک کلمے کیا ہوں گے۔ ایصال ثواب یا فاتحے کی بابت قرآن شریف کی ایک اور آیت ہے۔

وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ھو خیرا واعظم اجرا واستغفروا اللہ ان اللہ غفور الرحیم (سورہ مزمل)

اور جو نیکی تم پہلے سے اپنے لئے (یا اپنوں کے لئے) آگے بھیجو (یعنی ایصال ثواب کرو) اس کو اللہ کے پاس بہتر حالت میں اور زیادہ پاؤ گے (اس لئے) معافی مانگتے رہو، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ہماری فاتحے والی چیز اگرچہ مادی ہوتی ہے لیکن قرآن شریف کی برکت سے وہ لقمۂ نور بن جاتی ہے تبھی تو شہدا والی آیت میں صراحت ہے کہ ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ کافروں سے لڑنے میں جو لوگ شہید ہوئے صرف وہی شہید نہیں۔ بلکہ جہاد نفس والے بھی شہید ہیں۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ اس کی ضرورت ہو تو ہماری کتاب اچھے اعتقاد ملاحظہ فرمائیے اس میں فاتحے پر بھی ہر نوعیت سے بحث کی گئی ہے۔

(درد کاکوروی)

اس کے حسب خواہش ہدیہ دے کر قرآن شریف لے لیا ع

بہ ہر کہ ہر چہ مناسب بود دہد مولا

(جس کے لئے جو چیز مناسب ہوتی ہے خدا اُس کو وہی عطا فرما دیتا ہے۔)

احقر کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اور جتنے لڑکے بھی میرے یہاں پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا ہی نے سب کو بسم اللہ پڑھائی اس تسمیہ خوانی کے لئے بھی کمترین نے عرض کیا مبارک باد لکھ کر بھیجی تسمیہ کے لئے کچھ تحریر نہیں فرمایا اس لئے اس کے نہ رہنے کا یقین ہو گیا آخر وہ ایک دو مہینے کے بعد فوت ہو گیا۔

احمد اللہ نام کا میرا ایک لڑکا تھا، نہایت حسین اور خوش آواز، تین سال کی عمر میں اس کو قوالی سن کر حال آجاتا تھا اتفاقاً بیمار ہوا۔ اس کی شفا کے لئے توجہ کی درخواست کی۔ فرمایا اس مرتبہ اچھا ہو جائے گا۔ مجھے اس کی زندگی سے مایوسی ہو گئی۔ آخر چیچک کی تکلیف سے وہ جنت کا پھول بن گیا۔

تحفے کے گھوڑے جن کی بیس ہزار روپے قیمت بتلائی جاتی ہے۔ غلام شاہ خاں حاکم سندھ نے احقر کے لئے بھیجے اور اس طرف آنے کی درخواست کی اور ساتھ رہ کر ملکوں کی تسخیر کا ارادہ کیا۔ احقر اس زمانے میں جے نگر کی طرف لشکر کشی میں مصروف تھا۔ مولانا کی خدمت میں تمام حال لکھ کر روانہ کیا جواباً ارشاد ہوا ہماری نظر میں صلح ہوتی نظر نہیں آتی، اگر روانگی بہت ضروری ہے تب بھی جانا مناسب نہیں۔ اس لئے میں نے اپنے دماغ سے اس خیال ہی کو نکال دیا۔ ایک دو ہفتے کے بعد خان مذکور کے فوت

ہو جانے کی خبر معلوم ہو گئی۔ یہ شروع میں حضرت مولانا سے کوئی عقیدت نہ رکھتے تھے، مولانا کے یاروں دوستوں کے حالات دیکھتے تو تعجب ہوتا۔ آخر آستان عرش نشان پر سر جھکایا اور بیعت سے مشرف ہو گئے۔ رخصت ہو کر چند قدم ہٹے تھے کہ دل میں خیال آیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ مولانا کے خادموں کی۔ مرید ہوتے ہی حالت بدل جاتی ہے مجکو تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ یہ خیال آنا ہی تھا کہ جیسے کسی نے پیٹھ پر ایک تیر مارا جو سینے پر کارگر ہو گیا۔ مست و بے تاب رقص کرتے ہوئے مولانا کے قدموں پر جا گرے اس وقت مرزا ندکور گویا سر سے پاؤں تک ایک چنگاری بنے ہوئے تھے۔

مولانا کا معمول تھا کہ باطنی امور و اسرار سے اس بندے کو با خبر فرما دیتے تھے، مگر اسرار کو قلم لکھ نہیں سکتا اور زبان ادا نہیں کر سکتی۔ بیعت کے بعد سے یہ حالت ہے کہ مولانا کی عنایت سے چند گھنٹے پہلے دل کو خبر معلوم ہو جاتی ہے۔

حرمین شریفین میں حاجیوں کی زیادتی کی وجہ سے وبا پھیل گئی تھی یہ احقر بھی بیمار ہو گیا تھا بہت تکلیف اٹھائی، خفقانی کیفیت ہو گئی تھی، آدھا رہ گیا تھا، ہندوستان پہنچنے کے بعد حضرت مولانا کی شفقت اور اس عمل سے جو انھوں نے بتایا شفا ہو گئی سب تکلیفیں جاتی رہیں۔

محمد پناہ خاں حضرت مولانا کی خدمت میں گیا ہوا تھا۔ (اور چونکہ میں ایک مدت کے بعد اپنی متعلقہ خدمت پر حاضر ہوا۔ اس لئے اس زمانے

میں میرے متعلق عوام میں کچھ اور خبر مشہور ہو گئی تھی۔) خان مذکور واپس آیا تو میرے متعلق غیر معتبر خبریں سُن کر بیتاب اور روتا ہوا حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا تو ارشاد ہوا کہ سب خیریت ہے اطمینان رکھو۔

صوفی یار محمد سے (جن کا حال پہلے لکھا جا چکا ہے) ارشاد فرمایا کہ ذرا فلاں (غازی الدین) کے لئے مراقبہ تو کرو۔ وہ مراقب ہوئے دیکھا کہ ایک آدمی یہ عبارت پڑھ رہا ہے۔ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ

بندے کی واپسی کے بعد بیکانیر پہنچ جانے پر عنایت نامہ پہنچا۔ اس میں یہ تحریر فرمایا تھا دوست! دیکھنے کو بہت دل چاہتا ہے۔ از دوست یک اشارت از ما بسر دویدن (دوست کی طرف اگر ایک اشارہ بھی ہو تو ہم سر سے دوڑنے کو تیار ہیں) فوراً خدمت عالی میں حاضر ہوا خدا کی عنایت سے قدم بوسی کی سعادت ملی۔ اپنی مہربانی سے دریافت فرمایا کہ اب کیا ارادہ ہے میں نے عرض کیا جو حکم ہو۔ فرمایا دینی کام میں اتنا زمانہ گزرا۔ اب دنیاوی کام بھی دیکھو میں قدموں پر سر جھکا کر خاموش ہو گیا۔

پھر مولانا نے فرمایا، اب دنیا سے میرا دل اُچاٹ ہے میں نے عرض کیا، بجا ہے۔ فرمایا کہ الحمد للہ کہ خدائے تعالےٰ اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ اس کے بعد کلاہ اور دستار جو سرِ مبارک پر تھی اس غلام کو مرحمت فرمائی۔ چاروں سلسلوں اور حدیث شریف کی اجازت بھی عطا ہوئی۔ اور بہت سے اشغال تعلیم فرمائے۔ چنانچہ ایک شغل میں مولانا نے میرے ہاتھ پاؤں درست فرما کر اس کی

نشست بھی بتلائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ اگر کہو تو ہم کر کے بتلادیں۔ بندہ شکریہ ادا کرتے ہوئے آداب بجالایا، پھر بندے کو ہر شغل عملی طور پر بھی بتلادیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

شہنشاہے سریر ترک[۱] و تجرید	ترک و تجرید کے یکتا بادشاہ
بسویش خسرواں را چشم امید	(ایسے شہنشاہ) کہ اور بادشاہ آپ کے کرم کے امیدوار ہیں
فلک بازیچۂ طفلان کویش	آسمان آپ کے کوچے کا بازیچۂ طفلاں ہے
زمین آب یاری ہا بجویش	زمین آپ ہی کی نہروں سے آبیاری کرتی رہتی ہے
قضا باخواہشِ او کردہ پیماں	قضا آپ کی خواہش سے عہد کئے ہوئے ہے
قدر برامر او بربستہ داماں	قدر آپ کے حکم کی منتظر
بہشت از کوچۂ او گل زمینے	بہشت آپ کے کوچہ کی گل زمین
ثریا از در او خوشہ چینے	ثریا آپ کے در کی خوشہ چیں

۱ = ترک حضرت شاہ علی حیدر قلندر کاکوروی نے اپنی کتاب مصباح التصرف میں لکھا ہے کہ سالک کا ہر چیز کو قطع کرنا اور ہمیشہ ترک خلق اور وصول حق کی طرف مشغول رہنا۔ شاہ بو علی قلندر فرماتے ہیں ؎

سر برہنہ نیستم دارم کلاہ چار ترک　　ترک دنیا ترک عقبیٰ ترک مولا ترک ترک

تجرید = اپنی خودی اور ماسوی اللہ سے دور ہونے اور حق کی خودی میں مل جانے کو کہتے ہیں۔ (مصباح التعرف) درد کاکوروی۔

جم از جامِ دل سیرِ جہانش	آپ کا دل سیر کے لئے جام جم ہے
سکندر بندۂ در رو گشایش	سکندر آپکے در کا بندہ اسی کی طرف تاک لگائے ہے
ازو در تن باآب و زیب آئیں	تن کی زیب و زینت آپ ہی سے ہے
تعالے اللہ فخرِ ملت و دیں	اللہ کریم ہے آپ ملت و دین کے لئے باعث فخر ہیں
نظام از بندگانِ خیر خواہش	نظام خیر خواہ غلاموں میں ہے
نظامِ کارش از فیضِ نگاہش	جس کا نظام آپ ہی کی نظر کے فیض سے قائم ہے

چوتھا باب

سماع کے طریقے میں

سماع (قوالی) میں بہت سی شرطیں ہیں۔ اور وہ یہ کہ تمام مجلس والے اور قوال سب باوضو ہوں۔ اور کوئی کسی سے بات نہ کرے نہ اپنا دُکھڑا روئے۔ اور دو زانو ہو کر بیٹھے۔ اگر پیاس معلوم ہو تو مجلس سے باہر جاکر پانی پی سکتا ہے۔ بشری حاجت ہو تو اس سے فراغت کر کے تازہ وضو کرے پھر گانے کی مجلس میں آئے۔ اگر دل نہ لگے تو گانا سُننا حرام ہے۔ؔ[۱]

---

[۱] آستانہ کاظمیہ کاکوروی شریف میں بھی قوالی سُننے کی یہی شرطیں ہیں۔ ن۔ د کاکوروی۔

زمان[1] و مکان و اخوان کا بھی لحاظ رہے۔ اور دل سے گانا سُننے کی طرف متوجہ رہے۔

قوالی کی محفل کو الحمد شریف۔ قل ھو اللہ سے شروع کیا جائے۔ اور ختم والے دن ختم بھی اسی پر ہو۔

زیادہ تر عربی قصیدے۔ فارسی غزلیں گائی جائیں جن میں عشق اور توحید ہو۔ یا ہندی کلام جس میں یہی صفت پائی جائے۔ یا مولانا رومؒ کی مثنوی کے

---

[1] زمان سے یہ مطلب ہے کہ گانا سُننے کا زمانہ ہو۔ یعنی کسی نماز کا وقت نہ ہو۔ مکان سے یہ مطلب ہے کہ ایسی جگہ مخصوص قوالی ہو جہاں اغیار نہ ہوں۔ اخوان سے یہ مطلب ہے کہ ساتھ والے وہی لوگ ہوں جو ہم مشرب ہوں جو قوالی کے حامی ہوں۔ قدیم زمانے میں انھیں شرطوں سے گانا سُنا جاتا تھا۔ اور اب بھی ایسا ہی ہونا ضروری ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ و رسول کی محبت کے لئے جو گانا سُنا جائے وہ حلال ہے۔ حدیثوں وغیرہ کی تفصیل کے لئے ہمارا رسالہ سماع ملاحظہ ہو جس میں صحابہ اور چاروں اماموں کے گانا سُننے کا تذکرہ ہے۔ حضرت شاہ تقی علی قلندرؒ نے لکھا ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت۔ و استفزز من استطعت منھم بصوتک۔ کا سماع (قوالی) سے تعلق ہے۔ تفصیل کے لئے کتاب روض الازہر ملاحظہ ہو۔ حدیث شریف ہے۔ لیس منا من لم یتغن بالقرآن یعنی وہ ہم میں سے نہیں جو قرآن کو لَے سے نہ پڑھے۔ حضرت عائشہؓ نے اپنی ایک رشتہ دار لڑکی کو انصاری خاندان میں بیاہا۔

اشعار ہوں۔ یا شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحؒ کے مکتوبات کے اشعار یا حضرت عبد القدوس گنگوہی رحؒ کا کلام یا پیم کہانی۔ (یہ وہ چیز ہے کہ اس کے مصنف نے وجد میں جب اس نظم پر نعرہ لگایا تو مکان کی چھت پھٹ گئی) غرض اس قسم کی چیزیں گائی جائیں جن سے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۲۸۵ بسلسلہ ۱؎) جب آں حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے تو حضرت عائشہ سے پوچھا کیا کوئی گانے والی دلھن کے ساتھ کر دی ہے؟ انصار کو گانا بہت پسند ہے زینب نامی ایک گانے والی قریب رہتی تھی اس سے فرمایا کہ جلد جا اور دلھن کے ساتھ ہو جا۔ (کتاب جواز السماع والمزامیر) ایسی صورت میں اگر کسی خوشی یا شادی کے موقع پر گانا سنا جائے تو جائز ہے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو عربی اشعار پر جو حال آیا ہے اس کو ہمارے رسالہ سماع میں ملاحظہ فرمائیے اس پر فالان نے جو بیجا اعتراض کئے تھے ان کا بھی مدلل جواب لکھا جا چکا ہے۔ (حاشیہ تعلق صفحہ ۲۸۷ سطر)

عدم واقفیت کی وجہ سے لوگ کہتے ہیں کہ حضرات صوفیہ نے اس کو ہندوؤں سے لیا ہے یہ بالکل غلط ہے حدیث کی کتاب مسلم شریف میں ہے: کان ابن عمر اذا استجمر استجمر بالوۃ غیر مطراۃ وبکافور یطرحہ مع اللوۃ قال ھٰکذا کان یستجمر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم۔ رواہ مسلم (کتاب دافع الاوہام صـ۱۱ـ) (ترجمہ: حضرت عمرؓ کے صاحبزادے جب خوشبو لیتے تو کسی اور چیز کو ملائے بغیر اگر کی خوشبو لیتے اور کبھی خالص اسی کی دھونی (خوشبو) لیتے تھے اور کبھی اگر کے ساتھ کافور بھی ہوتا اور فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح خوشبو لیتے تھے۔

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خوشبو پسند تھی اسی لئے اس کو فاتحہ وغیرہ کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ تفصیل کے لئے ہماری کتاب تصوف ملاحظہ ہو۔ دردکا کوردی۔

اگر بتی - لوبان - عطر - گلاب کے پھول - خوشبو کی چیزیں ہوں - سماع میں بخشش و عطا بھی ہوتا کہ غیبی خزانوں سے بے شمار فیض مل سکے - ہر نگاہ پر بسمل کی طرح دل تڑپتا ہو - پروانے کی طرح ہر تجلی پر روح رقصاں رہے -

ہر نقطۂ نظر سے قبلہ الکاملین حضرت نظام الملت والدین کے عرس کی محفل کا رنگ ہی عجیب ہوتا ہے - وہاں تو گانا سننے وقت اس کا خیال رہے کہ کسی نماز کا وقت نہ ہو - سب سے بڑی چیز یہ کہ حضرت مولانا فخر رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ

"جب تک نماز میں سماع (قوالی) والا لطف حاصل نہ ہو اس وقت تک قوالی میں نماز والی کیفیت حاصل نہیں ہو سکتی۔"

سماع کوئی کھیل نہیں ہے - اسی لئے ایسا گانا جس میں مذاق اور دل لگی ہو اس کی سخت ممانعت ہے[۱] - گانے میں مذاق کو مولانا نے شرک فرمایا ہے کیونکہ عبادت پر اس طرح زمانی تجلی کا اطلاق ہو جائے گا -

ایک دن نماز کے بعد تمام مجلس جس میں امام المسلمین نماز کے لئے تشریف فرما تھے شاہ ظہور اللہ وجد کی حالت میں حضرت مولانا کے پیچھے اپنی مستی میں ٹوپی سے کھیلتے ہوئے چلا کر رو رہے تھے

---

[۱] پھر فلمی گانے ہمارے لئے کسی کام کے نہیں اور دراصل یہ شیطانی اور قوالی رحمانی چیز ہے۔ درد کاکوروی۔

شورش دیکھئے کہ شعلہ ٹھنڈا ہو جانے پر بھی نعرہ لگایا۔ اس وقت کی نگاہ کرامت اثر قابل دید تھی۔ شاہ ظہور اللہؒ مولانا کی طرف پیٹھ کر کے چلا آئے۔ مولانا کی دو تین دن کی توجہ کا یہ اثر تھا مگر جب شاہ ظہور اللہ اسی حالت سے قریب بہ ہلاکت ہو گئے تو حضرت مولانا نے ان کو اپنے پاس بلا کر کہا یہ سب تمھاری تربیت اور تعلیم کے لئے کیا گیا ہے، شاہ ظہور اللہؒ نے معافی چاہی پھر تمام عمر خود۔ اور ان کے مریدوں نے پھر ایسی حرکت نہیں کی (مطلب یہ کہ مذاق اور دلگی نہ ہونا چاہئے بلکہ ہر طرح ادب کا خیال رہے۔)

دوستوں کی خاطر گانا سُننا اور قوالوں کو بہت انعام دینا حضرت مولانا کے فوائد اور قواعد میں تھا۔ لیکن گانا سُننے کی کثرت[۱] سے بھی مولانا نے منع فرمایا ہے کیونکہ سماع کی کثرت نفاق اُگاتی اور دلوں کو مُردہ کر دیتی ہے۔ گانا محبوب کی خوش آوازی کا غلبہ[۲] ہے اُسی حد تک جب تک گراں نہ گزرے اور گراں نہ گزرنا یہ چیز آنحضرتؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے مخصوص تھی۔

---

[۱] حدیث شریف ہے۔ خیر الامور وسطہا (یعنی تمام امور میں درمیانی حالت بہتر ہے۔) درد کاکوروی۔

[۲] اسی کو حضرت مولانا رومؒ نے اس طرح فرمایا ہے ؎

نے ز تار و نے ز چوب و نے ز پوست ✽ از کجا می آید ایں آواز دوست } درد کاکوروی۔

مظہر رب اکرم (یعنی حضرت مولانا فخرؒ) کی نظر با اثر کی گرمی قوالوں کی نگاہ کو اپنی طرف جذب کر لیتی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تال و سُر ہی پر لوگ نعرے لگانے لگے۔ اس طرح بے ہوش بھی ہو جاتے۔ سرہند کے قوال جب محفل سماع میں آئے ان کو ذوق ہوا تو ذوق میں آکر نعرے لگانے لگے۔ پھر اُنھوں نے کیفیت کے بعد عرض کیا ہم ایک عالم کو بیخود بنا دینے والے ہیں اور زمانے کے مرشدوں کو ہمارا نغمہ مستی میں لاتا رہتا تھا۔ لیکن خود ہم کو کوئی متاثر نہیں کر سکتا تھا مگر آج ہم نے یہاں عجیب بات دیکھی کہ ہمیں ساقی تھے اور ہمیں کو عشق کے میکشوں کے سُرور کی شراب مدہوش بنا رہی تھی، اس وقت ہم پر بے انتہا مستی چھائی ہوئی تھی جس نے ہم کو بالکل بے خود بنا دیا۔ شکر ہے کہ اس رنگ کو بھی ہم نے خوب دیکھ لیا یہ کہہ کر بیعت کی خواہش کی اور اس سے سرفراز ہوئے۔

قوالی کی مجلس میں ممانعت ہے کہ آلات حرب میں سے کوئی چیز ہو۔ اس لئے کہ کہیں حال والا بیخودی میں خود اپنے آپ کو نہ مار لے اور اکثر ایسا ہوا ہے۔ کیفیت و حال والے کی حفاظت کرنا ضروری بلکہ واجب ہے، مگر اس طرح کہ اس کو تنگ نہ کیا جائے اور اس کے دل پر ہاتھ نہ رکھا جائے بلکہ اس کو حلقے میں لے لیں اور واجد کو جن کلموں پر وجد آیا ہے اس کو قوال بار بار کہتے رہیں کیونکہ واجد اللہ کا نام ہے۔ اس کے معنی ہیں وجد عطا کرنے والا۔ جیسے شکور۔ جس کے معنی شکر

قبول کرنے والا۔ کیونکہ اللہ شکر کرنے والا نہیں ہے۔ شکر کرنا بندے کا کام اور اس کا قبول کرنا اللہ کا کام ہے۔

فوائد الفواد میں حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز کے حال میں لکھا ہوا ہے اور اس بات کو میں نے حضرت مولانا کی زبان سے بھی سُنا ہے کہ جب ذوق کا غلبہ ہوتا ہے تو پہلے در و دیوار پر ہماری نظر پڑتی ہے اس کے بعد حاضرین پر۔ اس وقت اس کا اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں دل پھٹ نہ جائے۔ اور ایک بار حقیقت میں ایسا ہو بھی چُکا ہے۔

ایک عرس میں رئیس لوگ جمع ہوئے ان میں سے بعض عقیدت کے لئے طیار تھے لیکن ابھی بیعت کی برکتوں سے مشرف نہ ہوئے تھے کہ ایک عام مجلس منعقد کی گئی اور سماع (قوالی) کو موقوف رکھ کر حافظ عبد القادر سے جو مولانا کے خادم اور احقر کے رفیق ہیں مولانا نے قصیدہ بردہ شریف پڑھنے کو فرمایا۔ اُنھوں نے پڑھنا شروع کیا۔ دو ہی ایک شعر پڑھے گئے تھے او شعلے کی طرح عریاں ہو ہو جاتے۔ اس میں بہت لوگ عشقیہ نسبت والے بھی ہوگئے۔ میر وصی (مریض) اس وقت حضرت مولانا کے پاس روتے ہوئے آئے اور نظرِ رحمت کی درخواست کی۔ رحمت کی نظر پڑی اور وہ اچھے ہو گئے۔

اس آیت کے تحت۔ اُبری الاکمہ والابرص واحی الموتیٰ

باذن اللہ (اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے کو، برص والے کو اچھا، اور مُردے کو زندہ کر دیا جاتا ہے) مولوی روشن علی۔ سید محمد میرزا اقربائی۔ روشن الدولہ مغفور اسی دن عالم افروز ہوئے اور عشاق۔ نور سے بھر گئے۔ اسی قسم کے بہت سے واقعات ہیں۔ یہ تھوڑے اور تھوڑے ہیں سے بھی خاص خاص لکھے گئے ہیں ورنہ تفصیل کے لئے تو دفتر چاہئیں۔

ترجمہ	مثنوی
قوالی سن کر نغمے کی مجلسیں گرم کرتے ہوے	کنم گرم از سماعش نغمہ خوانی
موسیقار کا ہم زبان بن جاؤں	بہ موسیقار سازم ہم زبانی
دنیا جس سے استفادہ کر سکتی ہے	بہ عالم آنچہ از وے انتفاع ست
وہ قوالی ہے۔ قوالی ہے۔ قوالی ہے	سماع ست سماع ست وسماع ست
دلوں میں اس سے جوش آتا ہے	فتد جوشے۔ ازو در بحر دلہا
قلب روح اعضا سب میں قوالی کی روح دوڑ جاتی ہے	دہد ہیجان بقلب و روح و اعضا
حسن اور اچھی آواز سے فرحت ہوتی ہے	چو حسن و صوت را فرحت اساسی ست
ہاں ہاں سماع۔ سماعی اور قیاسی بھی ہے	سماع آرے سماعی و قیاسی ست
وحشی نظر ہرن اس سے قبضہ میں آجاتا ہے	کند رام آہوئے وحشی نگہ را
سیاہ سانپ اس سے حرکت میں آجاتا ہے	بجنبش آورد مار سیہ را

به اشتر چوں اثر باشد حدی را
به انساں چوں نه بینی بیخودی را
سماع ایں جا و ذوق از جائے دیگر
مکرم ضیفے از ماوائے دیگر
از و در ہر رگِ تن جوش خونے
به ہر موئے ازاں طرحِ جنونے
شرابِ نغمهٔ از سرخوشی ہاست
بصد جادوشی ہا دل کشی ہاست
اگر دل نرم از و شد کے عجب بود
که آہن موم شد از لحن داؤدؑ
نظام از تست ده یارب متاعش
بخیر خاتمه اندر سماعش

جب اونٹ والے کے گانے سے اونٹ متاثر ہو سکتا ہے
تو پھر انسان ہم کو بے خود کیوں نہ نظر آئے
قوالی یہاں۔ اور اس کا ذوق غیب سے آ رہا ہے
یہ عزت والی روحانی دعوت ہے
جسم کی ہر ہر رگ میں اس کا اثر جوش زن ہو جاتا ہے
ہر ہر بال مجنوں بن جاتا ہے
نغمے کی شراب سرخوشیاں رکھتی ہے
رات جادو جگاتی اور سو طرح کی دلکشی لاتی ہے
اگر انسان کا دل اس سے متاثر ہو تو تعجب نہیں
داؤدؑ کے گانے سے لوہا نرم ہو جاتا تھا
یارب نظام پر ایسا کرم فرما
کہ قوالی سنتے سنتے خاتمہ بخیر ہو جائے

قطب الاقطاب بختیار کاکی اوشی رح کو اس شعر پر وجد ہوا تھا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را — ہر زماں از غیب جانے دیگر ست
جو رضا و تسلیم کے خنجر کے کشتہ ہیں — ان کو غیب سے ہر دم نئی روح ملتی رہتی ہے

یہاں تک نوبت پہنچی کہ اعضا تک جدا جدا ہو گئے اور خنجر تسلیم نے آپ کو شہید کر ڈالا۔ آپ کو ازلی ابدی زندگی مل گئی۔
سلطان المشائخ (اللہ ان کو علیین میں جگہ دے) اکثر فرمایا کرتے

تھے کہ شیخ نے مجھ سے ایک دن فرمایا جو تمہارا دل چاہے مجھ سے مانگ لو۔ دل نے جو چاہا میں نے مانگا اور پایا۔ کاش یہ مانگتا کہ سماع پر خاتمہ ہو۔ یہ حال سیر الاولیا۔ فوائد الفواد۔ اور سیر العارفین میں لکھا ہوا ہے اور چونکہ یہ قصہ ذوقی ہے اس لئے قلم بھی اس کے لئے بے اختیار چل پڑا۔ اور وہ یہ ہے کہ شیخ الاسلام فریدالدین گنج شکرؒ اجودھنی حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مولانا بدرالدین والحق کو دروازے پر بٹھایا تھا۔ ان کو۔ کوئی ضرورت پیش آگئی۔ اتنے میں وہاں حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی پہنچ گئے تو انھوں نے ان کو اپنی جگہ بٹھا دیا ؎

درمقامِ قربِ اہلِ قدر را ماوا دہند	بر سریرِ صولت و عزت شہاں را جا دہند
نزدیکی کا مقام انھیں کو ملتا ہے جو خوش عقیدہ ہوں	صولت و عزت کے تخت پر بادشاہوں ہی کو جگہ ملتی ہے

پہلو بدل کر سلطان المشائخ نے کواڑوں کے دروازوں سے حجرے کے اندر کا سماں دیکھا کہ حضرت فرید گنج شکرؒ ہر طرف یہ رباعی پڑھتے ہوئے سجدے کر رہے ہیں اور اپنی پیشانی کو روشن کر رہے ہیں۔

رباعی

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم	خاکے شوم و بزیرِ پائے تو زیم
چاہتا ہوں کہ تیری یاد ہی میں زندگی گزرے	خاک ہو کر بھی تیرے پاؤں کے نیچے زندگی گزرے
مقصودِ من خستہ ز کونین توئی	از بہر تو میرم از برائے تو زیم
دونوں جہان میں میرا مقصود تو ہی ہے	مروں تو تیرے لئے جیوں تو تیرے واسطے

سلطان المشائخ کا بیان ہے کہ یہ حالت دیکھ کر مجھکو تاب نہ رہی اور

ادب کی باگ ہاتھوں سے جاتی رہی - بسم اللہ الرحمٰن الرحیم توکلت علی اللہ العظیم کہہ کر میں ایسے خاص وقت میں اندر پہنچ گیا - شیخ الاسلام نے مہربانی اور شفقت کی نگاہوں سے دیکھ کر فرمایا جو کچھ مانگنا ہے مانگ لو، میں نے طلب کیا اس پر فرمایا تم جو کچھ چاہتے ہو میں نے دیا -

قطعہ

ایں طائفہ را طور وطرازے دگر است	ہر نغمہ ذوقِ شاں زسازے دگر است
اس گروہ کے طور طریقے ہی الگ ہیں	ان کے نغمے کے ذوق کا ساز ہی اور ہے
ایں قصہ چہ دم زدن توانیم نظام	محبوباں را۔ رازو نیازے دگر است
نظام اس قصے کے پیش نظر دم مارنے کی جگہ نہیں	محبوبوں کا راز و نیاز چیز ہی اور ہے

اللہ تعالےٰ نے شوق کے پردوں میں ذوق والے دلوں کو عشق سے بھر دیا ہے اللہ کی عادت اسی طرح جاری ہے کہ جب صحیح اعتقاد انسان قوالی سنتا ہے تو مرشد کی عنایت سے رفتہ رفتہ سارے حجاب اٹھ جاتے ہیں اس طرح مقدس روحوں سے فیض حاصل کرنے کے راستے مل جاتے ہیں اسی لحاظ سے ذوق وشوق مشکل منزلیں آسانی سے طے کرا دیتا ہے -

گانا سننے کی حالتیں

گانا سننے میں تین حالتیں ہوتی ہیں ۱؎ انوار ۲؎ احوال ۳؎ آثار -

ان میں سے ہر ایک حالت ملکوت سے جبروت۔ جبروت سے ناسوت پر نازل ہو کر روحوں، دلوں، اور اعضا پر اثر ڈالتی رہتی ہے۔

الف۔ انوار کا ملکوت سے تعلق ہے۔

ب:۔ احوال واردواح کا جبروت سے تعلق ہے۔

ج:۔ ملکوتیت کے آثار کا ناسوت (دلوں اور اعضا) سے تعلق ہے۔

۱۔ خوش آوازی کا دل پر اتنا چھا جانا کہ اس کے بیان سے دل قاصر ہو اس کو ھاجم کہتے ہیں۔

۲۔ ایسی خوش آواز جس کو محبوب (رسول یا مرشد) برداشت کر سکتا ہے اس کو متکلف کہتے ہیں۔

۳۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سماع کشف کا سبب بن جاتا ہے۔ سماع میں فراست اور درمیانی حالت کا شعور بہترین کیفیت ہے۔

۴۔ جس میں شعور سلب کرنے کا احساس باقی ہو قابل ارشاد (قابل ہدایت مخلوق) نہیں۔

۵۔ شرابیوں میں وہ شخص قابل تعریف ہوتا ہے کہ مدہوشی کے باوجود اس کو ہوش باقی رہے۔

سماع (قوالی) والی شراب کی یہی مثال سمجھ لو۔ بنظر محبت۔ عطا، جود و بخشش اور سخاوتوں کی مثالوں کی ضرورت باقی نہیں۔ سمجھنے والے اتنا خود سمجھ سکتے ہیں۔

اس احقر العباد کو پہلے حال آیا دل کی حرکت۔ اور سکون بے اختیار ہوگیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اگر حرکت نہ کروں تو اس کا امکان ہے لیکن اعضاشکنی اور بے مزگی طبیعت پر غالب آجائے گی۔ اس لئے جو حرکتیں مستانہ وار اور شائقانہ صادر ہوئیں ہیں نے ان کو حضرت مولانا سے عرض کیا **ارشاد ہوا**۔ اس معزز مہمان کی تعظیم ضروری بلکہ لازمی ہے اور شعور موجود رہنے پر مولانا نے بہت سی خوش خبریاں دیں۔ اور ایک بار پھر حضرت مولانا نے اپنی عنایت سے اس عقیدت مند کے حالات کی تحسین فرمائی۔

قدیم کتابوں کے مضامین کا خلاصہ

الف:۔ اگر گانا سننا خالق کے عشق کے لئے ہے جو واجب الوجود ہے تو پھر اُس کا سننا بھی واجب ہے۔

ب:۔ اگر گانا سننا رسولؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبّت میں ہے تو فنا فی الرسول کے درجے کے لئے صرف واجب ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔

د:۔ اگر گانا سننا ایسے محبوب کے لئے ہے جس کی محبّت حرام و ناجائز ہے جیسے غیر منکوحہ یا غیر مملوکہ عورت یا کسی امرد کے لئے تو قطعی حرام ہے ہاں اگر کسی قسم کے فساد کا اندیشہ نہ ہو اور شہوت کا قدم بھی درمیان میں نہ ہو

تو ہرج نہیں۔

۵:۔ اگر گانا سننا صرف طبیعت خوش کرنے کے لئے ہے تو حلال ہے لیکن اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ اللہ کی محبت کے بھید سے خالی ہے تو حلال کے قریب کہا جا سکتا ہے ورنہ اہل کے لئے تو اللہ کی محبت کے بغیر حلال سمجھنا سراسر حقیقت کے خلاف ہے۔

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نے غنا اور سماع میں فرق بتایا ہے اور سماع (قوالی سننے) کے آداب تحریر فرمائے ہیں۔ غنیۃ الطالبین میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ خاص چیز یہ ہے کہ ہمارے مرشدین ہمیشہ اس بات کے پابند رہے کہ سننے والا شرع شریف کا پابند ہو اور مرشدین کی طرف سے خوش اعتقاد ہو اس کے بعد یہ ہونا چاہیئے کہ گانے والی زبان سے جو کچھ نکلے اس کو جناب باری کی طرف سے تصور کرے۔

شاہ ابو المعالی لاہوری کی تصنیف تحفۃ القادریہ جس کو امام عبداللہ یافعی کی تصانیف کا خلاصہ سمجھنا چاہیئے۔ اس میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت غوث الثقلین نے قوالوں کو اشعار گانے اور بجانے کا حکم دیا اور آپ کو وجد آیا۔ چند چکر لگا کر آپ آپ فضا میں اڑ گئے اور آدمیوں کی نظروں سے غائب ہو گئے لوگوں نے آپ کے لئے مدرسہ تعمیر کیا تھا وہاں آپ کو پایا گیا۔

بعض لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ اشعار کے گانے سے ذوق پیدا ہوتا ہے قرآن شریف کی تلاوت سے کیوں پیدا نہیں ہوتا اس کا جواب یہ لکھا ہوا ہے کہ دل کا جوش حال کا سبب ہوتا ہے یہ دو چیزوں پر موقوف ہے اچھی آواز اور عشق۔ جس کے دل میں ایمانی جوش اور اللہ کی محبت ہے وہ ضرور وجد میں آئے گا۔

حدیث شریف ہے۔ لیس منا من لم یتغن بالقران (جو قرآن شریف کو غنا سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں) اس لئے اگر کوئی خوش الحان قاری ہو تو اس کے پڑھنے سے برابر ذوق پیدا ہوگا اور جو کوئی سورۂ یوسف کے معنی سمجھتا ہوگا اس کو ضرور لطف آئے گا اور راحت ملے گی۔

کلام اللہ کی تمام عبارتیں اگرچہ نصیحت والے قصے ہیں مگر غور اور تفکر سے محبت کے نکات لئے ہوئے اور وجد لانے والے ہیں مگر جس کو اللہ عطا فرمائے۔

حضرت مولانا حجرے میں تنہا ہوتے تھے۔ قرآن کی آیتوں پر تھوڑی ہوئیں یا بہت ان کو حال آجایا کرتا تھا اور کبھی کبھی یہ چیز وظیفے میں لازمی تھی۔

شروع میں احقر کی بھی یہی حالت تھی کہ قرآن شریف کی آیتوں کے پڑھنے اور سننے سے شورش ہوتی تھی اور بہت دیر کے بعد سکون ہوتا تھا۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ کو سماع سے انکار نہ تھا۔ خواجہ احمد جو مخدوم اعظم کے نام سے مشہور ہیں اور مولانا جامی نقشبندی ان کو بھی سماع سے ذوق تھا۔ حضرت شہاب الدین سہروردی نے اپنے یہاں لوگوں کو کھانے کی دعوت دی تو اپنے چھوٹے ہی سے گھر میں احباب کے لئے سماع (روحانی غذا) کی مجلس بھی منعقد کی۔ لیکن استغراق اس پائے کا تھا کہ سماع شروع ہونے کا احساس بھی نہ ہوا۔ جب خادم قوالوں کا انعام مانگنے گیا تب پوچھا کہ کیا سماع ختم ہوگیا۔ شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ (نقشبندی) نے عبداللہ نامی قوال کا گانا سنا ہے۔

سماع والے اشعار مع ترجمہ

شدم بہ پردۂ تحریر نغمہ خوان سماع	میں تحریر کے پردے میں سماع کا نغمہ خواں ہوں
کہ خوش صداست پئے خامہ در بیان سماع	کہ قلم کے لئے قوالی کے بیان کی آواز خوب ہے
بصورتِ نفسِ مطربانِ خوش الحاں	خوش الحان قوالوں کی سانس کی صورت میں
نسیم باغِ بہشت ست گلستانِ سماع	باغِ بہشت کی نسیم سماع کا گلشن ہے۔
ہزار میکدۂ عشق در بغل دارد	عشق کے ہزار میکدے بغل میں رکھتا ہے
ہجوم نشۂ سرشار سرگرانِ سماع	سرگراں اور سرشار نشے کا ہجوم سماع میں
زبان ز لذت او تابہ شرح پردازد	قوالی کی لذت کی۔ زبان کیا شرح کرسکتی ہے
زبان لختِ جگر نیست ترجمانِ سماع	جب جگر کے ٹکڑے کی زبان سے پوری ترجمانی ممکن نہیں

سماعِ خوش نفساں زہرہ رابرقص آرد
زہیم انس و پری برترست شان سماع
بیار نقد دل و جاں - اگر خریداری
کہ ہست جنس محبت بکاردان سماع
کجاست نسبت پروانہ وش بپائے لگن
بہ سطحِ عرش بود رقص ازل بیان سماع
بہ ہر ترانۂ عشقے نزول رحمت ہاست
شود زمین و زماں مست در زمان سماع
شویم چوں نہ بہ میدان وجد جولاں گمہ
کہ ہست عشق جِلوریز ہم عنان سماع
کسے کہ نعمت او یافتہ ست - می داند
کہ نیست ہیچ نصیبے بہ منکرانِ سماع
سماع اگر شنوی - دل بادہ بند نظام
سماع جان و دل ست و دل ست جانِ سماع

اللہ والوں کا پتہ قوالی سے رقص میں آجاتا ہے
اس کی شان اور پری کی سمجھ سے بالا تر ہے
اگر سماع کا خریدار ہے تو دل اور جان نذرانے میں لا
کاردان سماع ہی کے لئے محبت کی جنس ہے
زمین کی لگن میں پروانے والی نسبت کہاں
جبکہ سماع کا ازلی بیان عرش پر ابتک رقص میں ہے
عشق کا ہر ترانہ رحمتوں کے نزول کا سبب ہوتا ہے
قوالی کی دھن سے زمین اور زماں سب مست ہیں
وجد کے میدان میں ہم کیوں نہ کود دیں
کہ جلوہ ریزی سے عشق بھی قوالی کا ہم عنان ہوچکا ہے
قوالی کی اللہ کی محبت کی نعمت ملتی ہی جاننے والے جانتے ہیں
اس کا انکار کرنے والا اس سے محروم ہے
نظام اگر قوالی سننے کو ملے تو دل لگا کر سنو
کیونکہ سماع جان ہے دل ہے- اور دل سماع کی جان

ہمارے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کے شاگرد حکیم فیثا غورث نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ کوئی پکار کر یہ کہہ رہا ہے "کل دریا کے کنارے جاؤ تم پر ایک علم کا انکشاف ہوگا" دوسرے دن بتائے ہوئے پتے پر وہ دریا کے کنارے گئے تو لہار لوہے کو پہاڑ سے

نکال کر ہتھوڑے سے کوٹ رہے ہیں۔ لوہے پر ہتھوڑا مارنے سے ایک قسم کی موسیقی ایک قسم کا راگ پیدا ہوا تو انھوں نے دنیا کی برائی میں نصیحتوں سے بھرا ہوا ایک قصیدہ اور ایک ساز (باجا) تیار کیا۔ اس راگ کے سُننے سے بنی اسرائیل کی حالت بدل گئی۔ یہ بیخود ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہوئے اور خدا کے طالب بن گئے۔

سماع (گانا) روح کا کوڑا ہے حقائق اور معارف کے حاصل کرنے اور اس کے تصرف اور تسلط کا ذریعہ ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ السماع معراج الاولیاء مخصوصٌ علیٰ نفسہٖ (قوالی اولیاءٔ کی معراج ہے خاص کر اپنے نفس کے لئے۔)

دل وقت سماع بوئے دلدار برد ✤ جاں را بہ سراپردۂ اسرار برد

سماع کے وقت دل کو محبوب کی خوشبو ملتی ہے ✤ اسرار کے پردوں کی طرف روح کو لے جاتی ہے

سریانی زبان میں "مو" ہوا کو۔ اور "سیقی" گرہ کو کہتے ہیں۔ یعنی اہلِ فن ہوا میں گرہ لگا دیا کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ حکیم مذکور نے تصفیہ باطن کی قوت سے جوان کو ریاضت سے حاصل ہوئی تھی اس چیز کو حاصل کیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ آسمان کی حرکت اور برجوں کے مختلف دور کے نغموں کو مختلف وقتوں میں سُن کر اس فن کے لوگوں نے اس علم کی بنیاد ڈالی ہے۔ کچھ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ "موسیقار" نام ایک پرند ہے جس کی چونچ میں بہت

سے سوراخ ہیں جب بولتا ہے تو ان سوراخوں سے طرح طرح
کے راگ نکلتے ہیں۔ جب اُڑتا ہے تو ہوا میں نعرہ لگا کر پروں کو
پھڑپھڑاتا ہے۔ اس کے نغموں سے جو آگ نکلتی ہے اسی میں
وہ اپنے آپ کو پھونک کر خاک کر دیتا ہے ہر برسات کے بعد
خاک سے خود بخود ہزاروں اس کے انڈے بچے پیدا ہو جاتے ہیں
اور یہ بچے پھر جوان ہو کر ایسا ہی کرتے رہتے ہیں۔

چونکہ ہندوستان کی زمین عشق خیز ہے۔ اسی لئے بزمانہ
قدیم درویشوں نے اس میں صحرا نشینی اختیار کی ہمیشہ روزے
رکھے رات رات بھر کھڑے ہو کر خدا کی عبادت کرتے۔ اس علم کی
محض خدا کی طلب کے لئے مشق کرتے رہتے۔ لِلّٰہیت کی وجہ سے
اس وقت اثر بھی ویسا ہی تھا۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ
ایک عبادت گزار نے پہاڑ کے سامنے راگ گایا۔ پہاڑ پگھل گیا۔
ہاتھ میں جو گھونگھرو تھے وہ اُس نے پہاڑ پر ڈال دیئے وہ خاموش
رہ کر اپنی اصلی حالت پر آگیا۔

گھونگھرو اُسی پہاڑ میں جم گئے دیکھنے والے حیران رہ
گئے۔ جب دوسرے نغمے کی آواز آئی تو ایک ہرن آیا اور
اُس نے اس کے سامنے اپنی گردن رکھ دی اور تسبیح جو
عابد کے ہاتھ میں تھی اُس کو اس نے ہرن کی گردن میں ڈال دیا
سکون ہو جانے کے بعد ہرن چلا گیا اور تسبیح گردن میں پھرتی

رہی، دیکھنے والوں کو تعجب ہوا۔ اس علم کو کسی نے کمینوں کو بتا دیا ہے، اُنھوں نے اس کو کمانے کا ذریعہ بنا لیا۔ تبھی اصل اثر باقی نہ رہا۔

اس فن کا جو اصلی اثر ہے اسے معلوم کرنے کے بعد احقر نے اس فن میں بہت دخل اور مہارت حاصل کر لی ہے۔

قوالی کا اُتار چڑھاؤ دل کی حرکتوں کے موافق ہے۔ اس لئے اب یہی چیز دل کو ایسی بھا گئی ہے کہ اس فن کی دوسری چیزیں کانوں کو اچھی ہی نہیں معلوم ہوتیں۔ سلف کی کتابوں کے لحاظ سے نصیحتوں کے نقطۂ نظر سے جو بات معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ پہلے عربی شعر کا نمبر ہے کہ وہ حضرت سید العرب کی زبان ہے اس کے بعد فارسی کہ یہ بھی اولیا اللہ کی زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔

اصل یہ ہے کہ جو چیز روح کے ذوق کو اُبھارے اس کو اللہ کی طرف سے سمجھنا چاہئے ؎

عشق را خود صد زبان دیگر ست

بیان کیا جاتا ہے کہ کسی ملک میں دستور تھا کہ جب وہاں کا بادشاہ مرجاتا اور اپنا لڑکا چھوڑتا تو گانے کی مجلس اس کے جھولے کے قریب کرتے اگر اس کی رغبت اس میں پائی جاتی تو اس کے سر پر سلطنت کا تاج رکھتے ورنہ اس کے رشتہ داروں میں

جو اس طرف راغب ہوتا ریاست اس کے سپرد کر دیا کرتے۔

رُباعی

اوصاف سماع را حدے پیدا نیست
سماع کی تعریف کی کوئی حد نہیں

ایں بادۂ تند در خور مینا نیست
یہ شراب اتنی تیز ہے کہ شراب کے شیشے میں بھی نہیں آ سکتی

بس کُن بس کُن نظامؔ ایں نغمۂ مست
بس بس نظامؔ یہ مست نغمہ

ہر چند جز ایں کار دل شیدا نیست
شیدائی دل کا اس کے سوا اور کوئی کام نہیں

السماع شئ عظیم واللہ سمیع العلیم
سماع بڑی چیز ہے اور اللہ سننے جاننے والا ہے

پانچواں باب

تربیت کے بیان میں

جو عقیدت مند قابل توجہ ہوں پہلے ان کو اپنا مشتاق بنانا۔ پھر فقر و فاقے کا امتحان لینا چاہیئے۔ پھر ایک زمانے کے بعد عادتوں کو جانچنا چاہیئے۔ جب معلوم ہو جائے کہ استقامت پیدا ہو گئی اخلاق مہذب ہو گئے تب مرید کرنا چاہیئے۔

اگر کوئی بے علم ہے تو علم حاصل کرنے کی قید لگا دینا چاہیئے۔ امتحان کے طریقے بہت ہیں اگر لکھوں تو بات کہاں سے کہاں پہنچ جائے لہذا اتنا ہی لکھ دینا کافی ہے۔

مولانا عبداللہ (جو حضرت مولانا کے خاص خلفا میں ہیں وہ اس حقیر پر بہت عنایت فرماتے ہیں) یہ صاحب اور ان کے علاوہ چند

دوسرے لوگ مولانا کی خدمت میں آئے اور مرید ہونے کی خواہش کی حکم ہوا کہ کچھ روز یہاں رہو۔ اور کھانا پکانے والے کو حکم دیدیا کہ انھیں کھانے کو کچھ نہ دیا جائے۔ اس طرح دو تین دن کے بعد فاقہ کشی کی وجہ سے انھوں نے اپنا رستہ لیا۔

لیکن صرف مولانا عبداللہ موجود رہے۔ جب پانچویں دن ان کو فاقہ ہوا اور بہت بھوک لگی تو بے چین تھے۔ اس دن کہیں سے مولانا کے لئے کھانا آیا تھا فرمایا کہ عبداللہ کو بلاؤ۔ مولانا عبداللہ خوش ہوئے کہ اب فاقہ کشی ٹوٹنے والی ہے۔ مولانا نے ارشاد فرمایا کہ یہ کھانا سب لوگوں کو تقسیم کردو۔ مگر مولانا عبداللہؒ کو کچھ نہیں دیا۔ مولانا عبداللہ کھانا تقسیم کرکے اپنی جگہ آکر بیٹھ گئے۔

چھٹے روز حضرت مولانا فخرؒ نے خربوزے منگائے تھے، اس کے چھلکے صحن میں پڑے ہوئے تھے۔ مولانا عبداللہؒ کے نفس نے کہا کہ جب رات ہوگی لوگ سوتے ہوں گے تب یہ چھلکے کھاکر بھوک دفع کرلوں گا یہ خیال آتے ہی مولانا فخرؒ نے خادم کو حکم دیا کہ فرش زمین سے یہ چھلکے ہٹادئے جائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کا پاؤں پھسل جائے۔ مولانا عبداللہؒ کا جسم مردوں کی طرح ہوچکا تھا دل میں کہا کہ اگر موت آجائے تو قبول ہے مگر یہاں سے نہ جاؤں گا۔ اب کی حالت ہلاکت کے قریب پہنچ گئی۔

ساتواں دن گزرنے کے بعد جب رات آئی تو حضرت

مولانا فخرؒ نے مولانا عبداللہ کو بلایا اور اپنے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانا کھلایا اور مرید کر لیا۔

مولانا بہت توجہ سے طالبوں کی تربیت فرماتے تھے حلقے اور مراقبے کے مشیخت میں جو اصول ہیں ان سب میں کچھ نہ کچھ خود نمائی ہے اس لئے مولانا کا طریقہ مولانا کا اصول ان تمام باتوں سے الگ تھا۔ مجلس میں یا درس میں لوگوں سے جو گفتگو فرماتے تو بہت نرمی سے بات کرتے۔ اہلِ دل سے آپ دل کی زبان سے گفتگو فرماتے رہتے خاص کر اس وقت جب اہل محفل سے بات چیت ہو رہی ہو۔ مریدوں کی طرف دل سے متوجہ رہتے نگاہوں کا گوشہ صاحبِ معاملہ کی جانب رہتا۔ جو دل پر لگتا یا ایک شراب ہوتی جو دل اور سینے

لہ مولانا نے جو مولانا عبداللہ کو بھوکا رکھا یا لوگوں کا اس طرح امتحان لیا تو یہ کوئی بے معنی یا بے سند بات نہیں ہے۔ کتاب اسرار روحانی مؤلفہ سید یٰسین علی صاحب (خواہر زادہ حضرت محبوب الٰہی) کے صفحہ ۹۹ میں ہے۔ اجیعوا بطونکم و اظمأ و اکبادکم (یعنی اپنے شکموں کو بھوکا رکھو اور اپنے جگر کو پیاسا رکھو۔ آگے چل کر اسی صفحے میں ہے۔ ان اشد البلاء علی الانبیاء ثم علی الاولیاء ثم الامثل فالامثل (یعنی سخت ترین بلا انبیاء پر آتی ہے پھر اولیاء پر پھر جو ان کے قریب ہیں پھر جو ان سے قریب ہیں یہ اس لئے ہے تاکہ ہم اللہ کو نہ بھول جائیں۔ درد کا کو دی۔

کے جام میں ٹپکائی جاتی تبسم جس کو اس کا خدنگ کہہ سکتے ہیں اس کو شراب کی موج کہا جا سکتا ہے۔ جب مزاج مبارک خوش ہوتا چاہے سماع میں ہو یا ویسے اس وقت کا اثر اور فیض قابل دید ہوتا۔

بعض وہ لوگ جن کے شامل حال آپ کی عنایت ہوتی ان کو خلوت اور بے خلوت جیسا موقع ہوتا شغلوں [لہ] کو تعلیم دیتے تھے۔ اور بعضوں کو اس کی تاکید ہوتی کہ حجرے سے باہر نہ نکلیں اگر کسی

[لہ] حضرات صوفیہ نے عرس۔ ذکر و شغل یا درود شریف وغیرہ کے طریقے ایجاد کئے ہیں ناواقف لوگ اپنی تحریر و تقریر میں ان کو بدعت بتاتے ہیں ان کے متعلق یہ حدیثیں ملاحظہ ہوں:-

ما راٰہ المومنون حسناً فھو عند اللہ حسناً (موطا امام مالک و ترجمہ ہمعات صفحہ ۷۲) جس چیز کو مومنوں نے اچھا سمجھا وہ چیز اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا و اجر من عمل بھا (صحیح مسلم) جو اسلام میں اچھی راہ نکالے اس کا ثواب ہے اور جو اس پر عمل کرے اُس کو بھی ان سب کا ثواب ہے۔

اورنگ آباد میں جناب مولانا محمد صابر صاحب نے یہ حدیث مجھکو لکھدی تھی۔ میں نے ان سے حدیث شریف کا درس لیا ہے۔

درد کاکوروی۔

ضرورت سے باہر آنا پڑے اور دوسروں کی طرف ذرا بھی دل کو متوجہ دیکھیں تو جلدی سے حجرے کے اندر چلے جائیں اور مرشد کی حضوری میں بھی کم حاضر ہوں اور کم بیٹھیں۔ جن کے دماغ میں خشکی ہوتی ان کو روغن دیا جاتا کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو دماغ جنون کی طرف متوجہ ہو جاتا رات دن کے حالات کا حساب بھی لیا جاتا اس کی بھی تاکید کی جاتی کہ فضول وقت ضائع نہ ہو۔

اگر کسی نے مشغولی میں سستی کی دو ایک مرتبہ اس کو نصیحت کرتے اگر اس نے کہا نہ مانا تو پھر اس کی امید منقطع ہو جاتی۔ خسر الدنیا والاخرۃ نعوذ باللہ منہا (دین بھی خراب دنیا بھی خراب اللہ اس سے بچائے)۔ تجرید اس طریقے کے لئے لازمی ہے۔ مولانا نے خود بھی تجرید میں اپنی عمر گزار دی ہے۔ عین جوانی میں ایک مرض ہو گیا تھا، حکیموں نے یہ علاج تجویز کیا کہ شادی کر لینا نہایت ضروری ہے ناچار شریف گھرانے میں شادی کر لی تو صاحبزادے عالی قدر مولوی قطب الدین سلمہ اللہ تعالے پیدا ہوئے۔ یہ اس وقت پچاس سال کے ہیں۔

میرزا حسین باوجود اس کے کہ اہل وعیال والے تھے ان کا قاعدہ تھا کہ عزت کے خیال سے پہلے اپنے کو سلام سے مستفید کر لیا کرتے ایک مرتبہ ان پر مولانا کی نظر پڑی عجیب حالت ہو گئی۔ فرماتے تھے کیسا غرور کدھر آئے کدھر چلے، مرزا مذکور سرمایہ دار

انسان تھے۔ اکبر آباد کی حفاظت کی خدمت کا ان کو ایک مقررہ وظیفہ ملتا تھا۔ ان کے نفس امارہ نے ان کو دوسری شادی کی ترغیب دی تو اُنھوں نے مولانا سے رائے لی، مولانا نے فرمایا شغل کرنے والے کو ایسا نہیں چاہیے۔

اُنھوں نے اس چیز کو جائز سمجھ کر دوسری بلا کو مول لینے کا ارادہ کر لیا نفس کی شامت نے مرزا کو نہ چھوڑا۔ دوسری مرتبہ عرض کرنے پر مولانا نے فرمایا کہ جو میری رائے تھی وہ ظاہر کر چکا اب تم کو اختیار ہے۔ غرض مرزا نے دوسری شادی کر لی۔ اس پر مولانا نے بعض خلوت نشینوں سے فرمایا کہ دیکھو رزق کی زیادتی اور شہوت کے غلبے نے مرزا کو اس وادی میں ڈال دیا ہے، عورت کے پاس جائیں گے جسمانی لطف اُٹھائیں گے خدا کی شان جس رات مرزا کی شادی ہوئی اُس رات نامرد ہو گئے اور وظیفہ بھی بند ہو گیا۔ نوکری جاتی رہی، نسبت باطنی اپنی اصلی حالت پر نہ رہی۔ مرزا اکبر آباد چلے گئے اور مُدّت تک تنگدستی میں بسر کرتے رہے۔ آخر مولانا نور محمد کی سفارش پر قصور معاف ہوا۔ کچھ روز بعد انتقال کر گئے۔ انتقال کے وقت ہنس رہے تھے۔

اسی طرح میر عظیم جو اوتاد کے مرتبے کو پہنچے ہوئے تھے کہ لوگ ایک ہی وقت میں ان کو کئی جگہ موجود پاتے تھے۔ حضرت مولانا۔ ان کا بہت خیال کرتے تھے یہاں تک کہ اگر کسی کی بات قابل قبول نہ ہوتی تو مولانا اس کی سفارش سے قبول فرما لیتے۔ یہ ایک مرتبہ اپنے بہت سے مریدوں کو لے کر آئے تو مدرسے میں ان کے

سوا اور کوئی ذکر ہی نہ تھا۔ لوگ کہہ رہے تھے کہ مولانا کے بعد اگر کوئی ہے تو یہ میر عظیم ہیں یا نور محمد۔ مگر ان کو بھی شادی کی فکر دامن گیر ہوگئی۔ ممانعت کی گئی مگر نفس کی برائی نے ان کو اس سے بچنے کا موقع نہیں دیا اور ان کا حال سلب ہوگیا مریدوں نے چھوڑ دیا آخر وقت میں مزاروں پر گئے اور شرمندگیاں اٹھائیں مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔

مشغولی کی سستی مشغولی میں دل کا حجاب ہوجاتی ہے۔ اگر توبہ کرنے سے سنبھل گیا۔ استغفار پڑھا تو پھر اللہ اللہ کی عنایت شامل حال ہوجاتی ہے اور حجاب رفع ہوجاتا ہے ورنہ یہی چیز عداوت کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔

حضرت مولانا ابتدائے بیعت میں نفلیں اشراق یعنی نماز شکر۔ استغفار۔ استخارہ۔ مغرب کے بعد کی نفلیں، جیسے اوابین اور حفظ الایمان اور صبح کی نماز کے بعد مسبعات عشر۔ تسبیح تحمید اور تحلیل ان سب امور کی ہدایت اور تاکید فرماتے بعض لوگوں کو پانچ وقت کی نماز کے بعد بصیر حقیقی کا تصور بتلاتے۔ اس حدیث کے تحت کہ۔ الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فانہ، یراک (ترجمہ۔ احسان یہ ہے کہ اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ ورنہ یہ سمجھو کہ (یعنی خدا) تم کو دیکھ رہا ہے۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قوت حاضر غائب یکساں

تھی۔ مولانا فخرؒ اس چیز سے خاص طور پر فیض یاب تھے۔ چاہے موجود ہوں یا نہ ہوں مولانا کے لئے مشرق و مغرب کا فاصلہ برابر تھا۔ چنانچہ احقر کو اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ دینی بھائیوں کے حالات کے سلسلے میں بھی اسی طرح معلوم ہوا ہے اور بارہا زبان مبارک سے یہ الفاظ سُنے ہیں وہ شیخ (مرشد) ہی کیا کہ مشرق میں ہو اور اس کا مرید مغرب میں۔ اور پھر اس کے حال سے باخبر نہ ہو۔

کسی نے اورنگ آباد میں حضرت مولانا کے بھائیوں کو رنج پہنچایا اُنھوں نے حضرتِ مولانا کو خط بھیجا۔ اس پر فرمایا کہ فلاں شخص نے مجکو دور سمجھ لیا ہے۔ ایک صاحب کو ہم سے نسبت اخوت ہے۔ دوسرے صاحب ہمارے شیخ کے فرزند ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ ہم کو بزرگوں سے لیاقت کے بعد اجازت ملی ہے۔ قاعدہ جاننے والا ہی اس اصول کو جان سکتا ہے۔

ایک صاحب نے مولانا کی خدمت میں محبت اور ذوق سے ایک مدت گزاردی۔ عنایت کا دامن ان کے ہاتھ آگیا۔ مہربانیوں سے سرفراز ہوگئے مگر اس کے بعد عجیب حال ہوا۔ نفس نے چلے سے اجازت و خلافت کی درخواست کی آپ نے مجبوراً اجازت دے دی مگر حال سلب کرلیا۔ جب جڑ نکل گئی تو شاخ کس کام کی۔ کیونکہ ایسی شاخ پھول پھل لا نہیں سکتی۔ اس کے بعد اُنھوں

نے لاکھ سر ٹپکا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔

اس غلام سے مولانا نے فرمایا اجازت خلافت اُس وقت لینا چاہیئے کہ قدرت یافتہ شخص متوجہ ہو۔ اور توجہ والی وہی نگاہ ہوتی ہے کہ وحدت وجود جس کا حقیقی حال ہو۔

اور اپنا مبارک حال بیان فرمایا کہ اب دید باقی رہ گئی ہے آپ کے مزاج میں استعداد والے کی تواضع بہت تھی وجد والے کی تعظیم کے لئے سرو قد کھڑے ہو جاتے اور ان کے عاشقانہ حرکات لپٹنے چپٹنے ان سب باتوں کو برداشت کرتے اور نیک بختی کا سرمایہ سمجھتے۔

حافظ محمد۔ خلوت میں حقائق کا سبق پڑھا کرتے ان کو وجد آگیا۔ پہلوئے مبارک پر ان کی لات پڑگئی مدتوں اس کی وجہ سے درد رہا اس موقع پر حضرت مولانا نے حضرت مجید الدین رح کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ میرے مریدین میں سے کسی نے مجھے کاٹ کھایا تھا، بارگاہ سبحانی میں میری جانب سے یہی تحفہ قبول ہو گیا۔

حضرت شیخ کلیم اللہ رح کی کتابوں۔ کشکول۔ مرقع سواء السبیل۔ ان کے پوشیدہ رکھنے کے لئے حضرت مولانا نے۔ نور محمد صاحب اور عبد اللہ صاحب کو اجازت دیتے وقت بہت تاکید فرمائی تھی اور یہ فرمایا کہ دوسرے کو بھی اسی طرح اجازت دیسکتے ہو۔

حضرت مولانا کو عمل پڑھنے سے بہت نفرت ہے۔ آپ کے خلفا میں ایک صاحب جنھوں نے بلند مرتبہ حاصل ہو جانے کے بعد خود پسندی اور خود رائی کو اپنا وسیلہ بنا لیا تھا یہ اعلیٰ علیین (جنت[1]) اعلیٰ مقام سے

---

[1] جنت کی صراحت:۔ حدیث قدسی اس کا نام ہے کہ ارشاد اللہ کا ہو اور الفاظ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے۔ جنّت کے متعلق حدیث قدسی ہے کہ۔ قال اللہ تعالیٰ اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب البشر۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیز تیار کی ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہے اور نہ کسی کان نے سُنی اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خطرہ گزرا ہے۔ (کتاب مذاہب الاسلام مولفہ مولانا نجم الغنی رام پوری صفحہ (۱۰۷) بروایت ابوہریرہ۔ حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ صحابہ ایک جنازے کے پاس سے گزرے تو اس کی بھلائی کی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا واجب ہوئی۔ ایک اور جنازے کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوا تو برائی کا تذکرہ ہوا حضور نے فرمایا واجب ہوئی حضرت عمر رضؓ نے عرض کیا۔ کیا واجب ہوئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے جس کی بھلائی کی اس پر جنّت واجب ہوئی اور جس کی بُرائی میں اس پر دوزخ واجب ہوئی اس لئے کہ زمین۔ میں تم خدا کے گواہ ہو عربی عبارت یہ ہے:۔ انتم شہداء اللہ فی الارض (مظاہرہ حق جلد دوم صفحہ ۵۳)۔ یعنی اللہ کو ہم دیکھ رہے ہیں، اور اللہ

اسفل السافلین (دوزخ) کے نیچے طبقے میں پہنچ گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۳۱۴ بسلسلہ)

ہم کو دیکھ رہا ہے اس لئے ہر معاملہ میں شرع سے ہماری گواہی ہے اگر اس کی حقیقت نہ ہوتی تو اللہ ہم کو گواہ کیوں بناتا اور جب اپنے کام کا گواہ بنایا ہے تو ہم اس کو دیکھ رہے۔ دیکھنے ہی کی گواہی ہے۔ اس سے توحید وجودی کا پتہ چل رہا ہے۔ اسی کتاب مظاہر حق جلد دوم کے صفحہ ۴۵ میں ہے۔ السنۃ الخلق اقلام الحق (یعنی خلق کی زبانیں حق کے قلم ہیں) شرح نصوص الحکم مؤلفہ شاہ مبارک علی کے صفحہ ۲۷ میں جو عبارت ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ذات اور حقیقت کے اعتبار سے عالم عین حق ہے اور تعین اسماء صفات و افعال کے لحاظ سے غیر حق۔ اسی کتاب کے صفحہ (۱۷۸) فص ہودیہ کا ماحصل یہ ہے کہ ذات احدیت میں کثرت کی گنجائش نہیں۔ اس کے بعد وحدت کا مرتبہ ہے جس میں کثرت بالقوہ ہے۔ اس میں تفصیل کی قابلیت ہے ان قابلیات کو شیون الٰہیہ کہتے ہیں اس کے بعد اسماء صفات کی تفصیل کا مرتبہ ہے اس کو واحدیت کہتے ہیں۔ بسیط اور اولی صفات (۳) ہیں جن کو امہات الصفات کہتے ہیں۔ ۱؎ حیات ۲؎ علم ۳؎ قدرت۔ علم کے دو مددگار ہیں سمع و بصر۔ قدرت کے بھی دو مددگار ہیں ۱؎ ارادہ ۲؎ کلام یا اس طرح سمجھئے کہ امہات الصفات (۷) ہیں ۱؎ حیات ۲؎ علم ۳؎ سمع ۴؎ بصر ۵؎ قدرت ۶؎ ارادہ ۷؎ کلام۔ چونکہ حضرت مولانا مخریح کے ارشادات میں اکثر جگہ اشارتاً اس قسم کے الفاظ آتے ہیں اس لئے ان کی صراحت ضروری سمجھی گئی اور حضرات صوفیہ کے اقوال بیان کر دئے گئے۔ صوفیہ سے اصلی صوفی مراد ہیں۔ متصوفین (بنے ہوئے) صوفی نہیں۔ (زردکا کوڑی)۔

کشکول اور مرقع بلا اجازت طلب کیا تھا ان کی یہ درخواست قبول نہیں کی گئی اس پر انھوں نے کہا کہ بازار میں یہ کتابیں سستے داموں مل جاتی ہیں اور حضرت مجھ قدیم خادم سے دریغ فرما رہے ہیں مولانا نے ان سے فرمایا کہ جب سستے داموں یہ کتابیں مل جاتی ہیں تو کیوں نہیں لے لیتے۔

حضرت مولانا کا یہ مطلب تھا کہ

اجازت کے بغیر کوئی کتاب کیا فائدہ دے سکتی ہے ؟

یہی حال احمد کا ہوا۔ جن کا اوپر تذکرہ ہو چکا ہے کہ عمل کی وجہ سے مولانا کا دل ان سے متنفر ہو گیا۔ فرمایا یہ اپنی اچھائیوں پر بھروسہ رکھتے ہیں اور خواب کا ذکر پہلے ہی آچکا ہے۔ سبحان اللہ کس شاہنشاہ لاابالی کی بارگاہ ہے۔ اللہ ایسے غرور والوں سے بچائے ۔)

مریدوں کے بھیدوں کو پوشیدہ رکھنے کی تاکید تھی ان کے ظاہر کرنے کو مجرب کام سمجھ لیا گیا ہے، اگر ایسے واقعات (جن کا پوشیدہ رکھنا غیرت الٰہی کے لئے ضروری ہے) بیان کر دئے جائیں تو طنابیں کھنچ جائیں (زمین تنگ ہو جائے۔

ایک تازہ واقعہ لکھا جاتا ہے۔ شیخ الہ یار۔ تنگدستی کی وجہ سے گھر سے باہر چلا گیا اور حضرت سلطان المشائخ رح کی درگاہ میں پہنچا اور اور اپنا حال عرض کیا ایک روپیہ سامنے آکر گرا۔ سمجھا کہ یہ سلطان المشائخ کی عنایت ہے اس کو جیب میں رکھ کر گھر پہنچا ہر روز اس میں سے خرچ کرتا اور ہر صبح جیب میں دوسرا روپیہ مل جاتا۔ پڑوسیوں نے آپس میں

کہا یہ تو پریشان روزگار تھا۔ فاقوں میں گزرتی تھی اب کیا بات ہے کہ روزانہ ایک روپیہ خرچ کرتا ہے۔ غالباً اس نے کیمیا بنانا سیکھ لی ہے اس خیال سے اس کو شہر کے کوتوال کے پاس پکڑ کر لے گئے۔ جب اس پر سختی کی گئی تو اُس نے راز افشا کر دیا (سارا حال کہہ دیا) اُسی روز سے روپیہ ملنا بند ہوگیا۔ چونکہ دینی بھائی تھا۔ بندے کے گھر آیا اور ہمارے رزق میں شریک ہوگیا اسی پر دوسرے واقعات کو سمجھ لیجئے۔

ایک اور دلچسپ واقعہ سنئے۔ سائیں اللہ یار نے ایک عمل کیا جس سے رزق بڑھتا تھا ایک دن کوئی فقیر صاحب مولانا کے یہاں مہمان ہوئے۔ مدرسے والوں کو فاقہ تھا۔ اللہ یار ان کو علیحدہ لے کر گئے اور کھانا کھلا دیا۔ کسی نے آکر حضرت مولانا سے عرض کیا کہ فلاں جگہ سے آپ کے مہمانوں اور آپ کے لئے کھانا آیا ہے آپ نے خادموں کو دستر خوان بچھانے کا حکم دیا اور مہمانوں سے فرمایا، آئیے کھانا کھا لیجئے۔ اُن فقیر صاحب نے کہا کہ میں نے ابھی ایک چیز کھائی ہے۔ مولانا نے پوچھا کہاں، عرض کیا سائیں اللہ یار نے کھلائی تھی، مولانا نے سائیں اللہ یار کو بلایا اور دریافت کیا اُنھوں نے اقرار کیا ارشاد فرمایا تم کون ہو۔ تم نے ہمارے کاموں میں کیوں دخل دیا۔ اس وقت سے ان کی وسعت جاتی رہی اور ان پر تنگ دستی غالب آگئی۔

حافظ قاسم کو توسیع رزق کے لئے مولانا نے بسم اللہ کا عمل

بتلایا ان کو اطمینان حاصل ہوگیا۔ بادشاہ کے یہاں امام ہوگئے۔ اُنھوں نے حضرت مولانا کے باکمال حالات بیان کئے، بادشاہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا خادموں کو یہ بات پسند نہ آئی فرمایا کہ حافظ قاسم نے غریبوں کے حال پر مہربانی کی کہ بادشاہ کو یہاں لائے۔ حافظ قاسم مذکور سے ایک دن دریافت فرمایا کہ اب بھی وہ عمل پڑھتے ہو یا نہیں۔ اُنھوں نے عرض کیا جی ہاں، ارشاد فرمایا کہ اب پہلے سے زیادہ پڑھو۔ مگر غالباً اُنھوں نے یہ راز کسی سے کہہ دیا یا اور کوئی بے احتیاطی ہوگئی (جس سے مولانا باخبر تھے) ہرچند اُنھوں نے یہی عمل زیادہ سے زیادہ پڑھا مگر پہلا اثر بھی جاتا رہا اور آخر تنگ دست ہوگئے مدتوں کی تباہی کے بعد اخوان الدین کی سفارش پر قصور معاف ہوا اور کسی قدر اطمینان سے گزر کرنے لگے۔

سید خیر الدین کو جاڑا بخار آنے لگا، روغنی پلاؤ موجود تھا فرمایا کھاؤ۔ کھاتا تھا کہ شفا پائی اُس وقت ارشاد ہوا کہ اس کے بعد ایسا نہ ہوگا اور اُس کو کسی سے نہ کہنا۔

حافظ اسعد سے چند اعمال حضرت مولانا کو پہنچے تھے وہ آپ نے کسی کو نہیں بتائے مگر مولانا نور محمد کو۔ اور اس احقر کو اعمال اشغال جو کچھ بتلائے بغیر درخواست حضرت مولانا نے اپنی خوشی سے عنایت فرمائے۔ مگر ایک شغل جس کو احقر نے پوچھا مولانا نے خلوت میں انتہائی خوشی سے مرحمت فرمایا اور احقر کے اعضا کو اپنے ہاتھوں سے

پکڑ کر درست کر دیا۔ کیونکہ یہ حضور کو معلوم تھا کہ مجھ کو دوکان داری کرنا نہیں ہے صرف شوق، وجد اور شغل کی حیثیت سے فی سبیل اللہ پوچھا ہے اور شاید یہ وقتی طور پر بھی موافق ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا کی عنایت کے شکریے سے زبان قاصر ہے کہ مجھ گرفتار دنیا کو نظر عنایت سے پرورش فرمایا۔

اس کمترین کے حق میں عنایت کا سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا، جب حضرت مولانا نے حضرت حسن بصریؒ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ملاقات ثابت کرنے کے لئے ایک کتاب تصنیف فرمائی کہ سلسلۂ چشت اس طور پر حضرت علیؓ تک پہنچتا ہے، اور یہ کتاب اپنے زمانے کے نقشبندی مشائخوں کے جواب میں تحریر فرمائی تھی۔ مولانا نے لکھا ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملاقات ثابت نہ ہونا یہ ارباب قال کا آپس کا جھگڑا ہے۔ ورنہ ارباب حال کے سب سلسلوں کی اصل اسی سے ہے اور ارباب حال کے نزدیک یہ برحق ہے۔[۱]

---

[۱] حضرت حسن بصریؒ کی حضرت علیؓ سے ملاقات ثابت ہونے کے لئے دیکھئے۔ کتاب تابعین صفحہ ۸۳ (مرتبہ دار المصنفین اعظم گڈھ) اس میں حضرت شاہ ولی اللہ (محدث دہلوی) کی تائید کا بھی تذکرہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے آخر میں اپنا خیال بدل دیا تھا۔ بظاہر حضرت

ایک دفعہ بندہ حاضر خدمت تھا۔ اس کتاب کے اجزا آپ کے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۳۱۹ بسلسلہ ۵)
امام حسن علیہ السلام تک خلافت کا سلسلہ چلا۔ لیکن خدا کو یہ منظور تھا کہ ظاہری خلافت کے بعد باطنی خلافت کا سلسلہ چلے (تمام حضرات صوفیہ اسی کے حامل ہیں) اس لئے اس کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سلسلہ چلا۔ یوں تو تمام صحابہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلیفہ تھے۔ چونکہ حضرت علیؑ سے باطنی خلافت چلنے والی تھی اس لئے خم غدیر والے موقع پر حضورؐ نے حضرت علیؑ کی خلافت کی طرف اشارہ فرمایا۔ کیونکہ اللہ کی ثمر آب سے لوگوں کو مست بناتا ہے۔ یا علی انت مومن مستخلف وانکؑ مقتول اے علی تو مومن ہے خلیفہ کیا گیا ہے اور تو مقتول ہے۔ (تجرید الاحادیث صفحہ ۴۴)۔
اب حضرت علیؑ کی خصوصیت اور فضیلت کی بابت یہ حدیث ملاحظہ ہو: کنت و انا بعی ابی طالب نورًا بین یدی اللہ تعالےٰ قبل ان یخلق آدم باربعۃ آلاف عام فلما خلق آدم باربعۃ آلاف عام فلما خلق آدم قسم ذالک النور جزئین فجزء أنا وجزء علی وفی روایتہ انا وعلی من نورٍ واحدٍ۔ میںؐ اور علیؑ خدا کے سامنے ایک نور تھے۔ حضرت آدمؑ کے پیدا ہونے سے چار ہزار سال قبل۔ پس جب آدمؑ پیدا ہوئے تو اس نور کی دو جزوں پر تقسیم ہوئی ایک جز میں ہوں اور دوسرے میں علی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ میں اور علی ایک ہی نور سے ہیں۔ (دیکھئے مسند امام احمد حنبل (تذکرہ خواص الامہ صفحہ ۲۸)۔ غرض حضرت علیؑ نے حضرت حسن بصری کو خلافت عطا فرمائی تھی۔ (درد کاکوروی)۔

سامنے رکھے ہوئے تھے۔ احقر نے ان کو اٹھا کر کچھ دیکھا۔ دریافت فرمایا کیسی کتاب ہے، میں نے مدلل مضامین کی تائید کی فرمایا اسی لئے تو ہم نے اس کو لکھا ہے میں نے عرض کیا کہ اس کا کوئی نام بھی تجویز فرمایا؟ ارشاد ہوا تمھارا کیا خیال ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر فخر الحسن اس کا نام ہو تو مناسب ہے۔ یہ سنتے ہی چہرۂ مبارک بشاش ہوگیا۔ ہنس کے بندے کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ ہم کو بھی یہی نام پسند آیا ہے۔ میں نے اپنے حق میں انتہائی رضامندی اور عنایت کے آثار پائے، اسی دن سے اس بندے کے قول فعل کو مولانے قبولیت کا شرف بخشا۔

بعض وقت مزاج گرامی پر استغراق کا اس قدر غلبہ ہوتا کہ اگر کوئی آکر بیٹھتا تو پوچھتے کہ آپ کون ہیں۔ جو لوگ اپنے کام میں مشغول ہوتے اور زیادہ تکلف سے پیش آتے اور حضرت مولانا کو دیکھ کر تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تو ان سے ناخوش ہوتے۔

نیک نیت غلام اسی خیال میں رہتے کہ مرضی مبارک کے خلاف کوئی بات نہ ہو بلکہ اسی چیز کو عین ادب جانتے تھے۔ حق بات فرمانے کا اس قدر اہتمام تھا کہ غیر حق کے سوا اور کوئی بات ہی زبان پر نہ آتی۔ ایک بار اس احقر نے ایک عریضہ ارسال خدمت کیا کہ یہ امر خلاف قیاس معلوم ہوتا ہے جواب میں حضرت مولانا نے تحریر فرمایا کہ شریک باری تعالےٰ کے سوا اور کوئی بات غیر ممکن ہی نہیں۔ ممکن کو غیر ممکن لکھنا سچائی سے دور ہے۔ یہ غلام کو ایک ہدایت فرمائی گئی۔

مثنوی	ترجمہ
زہے مسلوک عرفانِ الٰہی	اللہ کے عرفان کے بہترین سالک
کمالش را ز اطوارش گواہی	آپ کے طور طریقے اس کمال کے گواہ ہیں
ہدایت بخش عالم مرشدِ دیں	دین کے مرشد۔ عالم کو ہدایت دینے والے
سراپا بحر علم و کوہ تمکیں	علم کے سمندر، تمکین کے پہاڑ
دلش آوازہ با دلہا نہانی	پوشیدہ طور پر دل مسخر کرنے میں آپ کی شہرت ہے
نگاہش را تعرف ہا نہانی	آپ کی نگاہ در پردہ سب سے تعرف رکھتی ہے
عجائب طبع محمودش بارشاد	آپ کی طبیعت اللہ کی عجیب حمد کرتی رہتی ہے
ز ارشادش صفائے ملک ایجاد	آپ کا ارشاد ملک ایجاد کی صفائی میں مصروف
دلِ او صیقلِ مرأت دل ہا	دلوں کی صیقل میں آپ کا دل مشغول رہتا ہے
بہ قصر احمدی او یافت ہر جا	تاکہ ہر مرید کو اسلامی قصر مل جائے
بکار تربیت از ربّ ارباب	رب ارباب (اللہ) کی طرف سے تربیت کا کام آپ کے سپرد ہے
بدہر از حضرت حق قطب الاقطاب	حق کی طرف سے آپ زمانے میں قطب الاقطاب ہیں
بہارِ گلشنِ دیں تازہ کردہ	دین کے گلشن کی بہار کو آپ نے تازہ کر دیا ہے
بنائے شرع بر اندازہ کردہ	بنائے شرع شریف کا اندازہ کرتے ہوئے
باوجِ بے نیازی سرفرازے	بے نیازی کی بلندی پر سرفراز
بجائے بندگی بر ما نیازے	ہمارے لئے بندگی والی نیاز

عجائب مالک مملوک صورت	مملوک صورت کے عجیب مالک
بہ عبدیت شدہ دور از کدورت	بشریت کے باوجود کدورت سے دور
رواجِ عشق در آفاق دادہ	عالم میں عشق (الٰہی) کو رواج دینے والے
در دل بر رخِ عالم کشادہ	عالم کے رخ پر دل کا دروازہ کھولنے والے
برآوردہ ز محبوبیت از کام	محبوبیت کی صفت نے آپ کو کامیاب بنا دیا
بمرضیات حق بگرفتہ آرام	حق کی مرضیوں ہی سے آپ آرام میں ہیں
قدم بر آسمانِ عزّ و قدرش	عزت اور قدر کے آسمان پر آپ کا قدم ہے
نثار از قرص ہائے مہر و بدرش	جہاں چاند سورج آپ پر نثار ہو رہے ہیں
بہ ہفت اقلیم شد صیتِ کمالش	آپ کے کمال کی شہرت ہفت اقلیم والی ہے
بہ ہفتم آسماں صدرِ جلالش	آپ کا جلال ساتویں آسمان پر جلوہ گر ہے
معطر حسنش از عطرِ ولایت	آپ کا حسن ولایت کے عطر سے معطر ہے
کہ بخشد خلق را بوئے ہدایت	خدا کی مخلوق اسی سے ہدایت کی خوشبو لیتی ہے
شد از در دے کہ عطرِ او مقطر	چونکہ آپ کا درد عطر کا مقطر ہے
جہاں را نکہتش دارد معطر	اسی کی خوشبو سے عالم معطر ہے
بدہلی مظہرِ ماہِ حجازی	آپ یوں دہلی کے حجازی چاند ہیں
تو گوئی نائب شاہِ حجازی	کہ آپ شاہِ حجاز کے نائب ہیں
بمیدانِ تجرد شہ سوارے	تجرد کے میدان کے آپ شہسوار ہیں
باقلیمِ تفرد شہر یارے	تفرد کی اقلیم کے آپ شہریار ہیں

زمیں از مقدم او ناز کردہ	آپ کے خیر مقدم پر زمین کو ایسا ناز ہے
فلک را فرش پا انداز کردہ	کہ فلک فرش پا انداز ہو گیا
تعالیٰ اللہ محبوبِ الٰہی	تعالیٰ اللہ آپ اللہ کے محبوب ہیں
بعینِ فضل مرغوبِ الٰہی	فضل کی آنکھ سے اللہ کو مرغوب ہیں

رُباعی

اے فخرِ جہاں تا کہ ترا یافتہ ام	اے فخر جہاں جب سے آپ مجھے مل گئے ہیں
داند دلِ شادم کہ چہا یافتہ ام	میرا مسرور دل ہی جانتا ہے کہ میں نے کیا پایا
مردم ہمہ دانند خدا را از تو	لوگوں نے آپ کے ذریعے خدا کو پایا
باللہ کہ ترا من ز خدا یافتہ ام	مگر خدا کی قسم میں نے خدا سے آپکو پایا

منقبت

سرم مدہوشِ جامِ فخرِ دین ست	میرا سر فخر دین کے جام سے مدہوش ہے
دلم قربانِ نامِ فخرِ دین ست	میرا دل فخر دین کے نام پر قربان ہے
سرِ گلشن ندارد بلبلِ من	میری بلبل باغ میں سر مارتی نہیں پھرتی
کہ آرامش بدامِ فخرِ دین ست	فخر دین کے دام ہی میں اسے آرام ہے

مراد دہ کہ دل کردست تعلیم
دعائے صبح و شام فخر دیں ست

دل نے جس درد کی مجھے تعلیم دی ہے
یہ فخر دین کے صبح و شام والی دعا کا اثر ہے

تو ہم اے دل بیا۔ دامن بہ پیش آرا
بہ عالم فیض عام فخر دیں ست

اے دل دامن پھیلائے ہوئے آجا
عالم میں فخر دین کا فیض عام ہے

رودم من ہم بملکِ دل کنم جائے
کہ ملکِ دل بکامِ فخر دیں ست

چلو دل کے ملک میں قیام کریں
کہ دل کا ملک فخر دین کے کام میں مصروف ہے

بجولاں گاہ خوبی فیض قدسی
سراسر ہم زنامِ فخر دین ست

اللہ والا فیض خوبی کے میدان میں
سراسر فخر دین ہی کے نام سے جاری ہے

ز مہر و مہ فلک کم گو کہ ہر دم
تجلیہا پیامِ فخر دین ست

آسمانی چاند سورج وغیرہ کی
ساری تجلیاں فخر دین کا پیام ہیں

چہ بال افشاند بایں جا طائرِ عقل
کہ آگہ از مقامِ فخر دیں ست

عقل کا پرند یہاں کیا اُڑے
فخر دین کے مقام سے آگاہ ہے

نظامِ ملک عشق از وے مناسب
نظام آخر غلامِ فخر دین ست

یہی سبب ہے کہ ملکِ عشق کا نظام درست ہے
آخر نظام فخر دین کا غلام ہے

حضرت مولانا کے گرامی اوصاف اور حالات کو تحریر میں لانا گویا دریا کو کوزے میں بند کرنا ہے راقم الحروف کو جو کچھ یاد تھے لکھ دے۔ امید ہے کہ دیکھنے والے اس کو ذوق شوق سے پڑھ کر خوش ہوں گے اور اس احقر اضعف العباد کو دعائے خیر سے یاد.

فرمائیں گے اور حضرت مولانا کے ارشادات کو پیش نظر رکھیں گے تو جزائے خیر کے مستحق ہوں گے۔ ۱۱۹۹ھ ہجری میں آپ کی عمر ۲۷ سال کی تھی اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہجری سنہ کے لحاظ سے آپ جناب باری کے (۹۹) نام کے مظہر تھے اور (۲۷) سال کی عمر کے لحاظ سے (۲۷) مسلکوں کے ہادی تھے۔ اسی لئے آپ نے اس زمانے میں فرما دیا تھا کہ عام اجازت لیکن سنت نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خیال رہے۔ مقرب خادموں کے التماس پر بھی مدرسے کی جانشینی کے متعلق آپ نے کچھ ارشاد نہیں فرمایا۔ حضرت خواجہ قطب العالم بختیار کاکی اوشی کی درگاہ میں خود تشریف لے گئے۔ اور وہیں تھے کہ بوقت شب ۲۷ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ میں وصال فرمایا۔

تاریخ

دمیکہ قبلۂ جاں فخر دیں محب نبی	جب قبلۂ جاں فخر دیں محب نبی
رواں بہ باغِ جناں شد زجلوہ گاہ جہاں	اس دنیا سے جنت کو سدھارے
بروئے خلق جہاں حشر تازہ برپا شد	دنیا میں تازہ حشر برپا ہو گیا
زدیدہ اشک۔ زدل سرکشیدہ آہ و فغاں	آنکھوں سے آنسو دل سے آہ و فغاں نکل گئی

نظام بندۂ آں سر فرازِ عالم قدس	سر بلند عالم قدس کا بندہ
بجیب سینہ نبرد چاک کرد۔ دل بریاں	سینہ چاک ہو گیا۔ دل بھن کر رہ گیا
ز دل چو سال وصالش طلب نمودم و گفت	دل سے وصال کا سال پوچھا تو کہا
بود محب نبی زیب فخر دیں بہ جناں	محب نبی۔ فخر دین جنت ہیں ہیں
۱۱۹۹ھ ادام اللہ تعالےٰ ظلال فیوضہ علی العالمین	بوسیلہ ن و ص قیامت تک حضرت مولانا کے
الایوم التناد بالنون و الصاد	سلسلئے سے نہ صرف ہم کو بلکہ تمام عالم کو فیضیاب رکھے۔

رباعی

تا ہر دو جہاں نام و نشاں خواہد بود	جب تک دونوں جہان کا نام و نشان رہے گا
حقا کہ ہماں ست و ہماں خواہد بود	حق بات یہ ہے کہ وہی (اللہ) ہے اور وہی رہے گا
در چشم نظام رونق ملک جہاں	نظام کی آنکھ میں دنیا کی رونق کے لئے
تا ہست جہاں۔ فخر جہاں خواہد بود	جب تک جہاں ہے فخر جہاں، فخر جہاں رہیں گے

رباعی

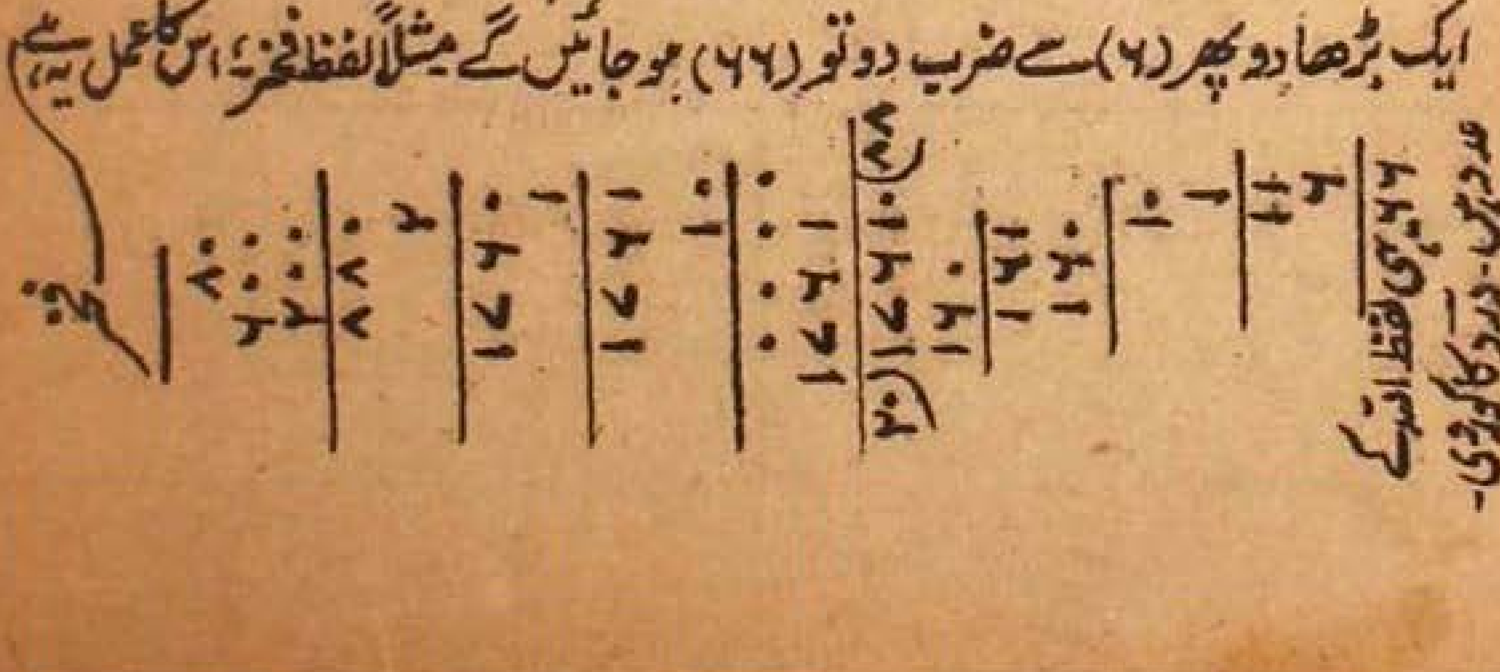
بیا بی فخر۔ از ہر لفظ عالم	دنیا کے ہر لفظ سے فخر کے عدد نکال کر دیکھو
دو چندش سازہ و افزوں کن یکے ہم	دوگنا کر کے اس پر ایک اور اضافہ کردو

بدہ ضربش تمامی بست کن طرح	پھر ضرب دیکے ۲۰ پر طرح دو
بزن در ہشت و ہشتادش مسلم	تو آٹھ سو اسی (۸۸۰) ہو جائیں گے[1]

قطعۂ تاریخ کتاب

در جمع مناقب بصفائے بنیہ	میں نے صاف طور پر مناقب جمع کئے ہیں
حق داد مرا سنجیہ و مرضیہ	اللہ نے پسند ہونے والی عبارت لکھوائی
جستم چو نظام سال جمعش از دل	قلبی اطمینان سے جب میں نے سال تاریخ کی جستجو کی
گفتا۔ جمعِ مناقبِ فخریہ	(غیبی فرشتے نے) کہا۔ مناقب فخریہ
۱۲۰۱ھ	

[1] اس سے توحید وجودی کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح ہر نام سے اللہ کے نام کے عدد نکلنے کا قاعدہ یہ ہے۔ اللہ۔ لفظ کے (۶۶) عدد ہیں جس نام کو چاہیں اُس کے عدد بھی اللہ کے نام کے عدد ہو جائیں گے۔ ابجد کے قاعدے سے کسی نام کے عدد نکالو پھر دگنے کر دو اور دگنے کرنے سے جو کچھ آئے اس میں (۱) عدد ملا دو۔ ملانے سے جو کچھ عدد آئے اس کو دس سے ضرب دو اور حاصل ضرب کو (۲۰) سے تقسیم کر دو۔ جو کچھ باقی بچے اس میں پھر ایک بڑھا دو پھر (۶) سے ضرب دو تو (۶۶) ہو جائیں گے مثلاً لفظ فخر، اس کا عمل یہ ہے



قطعۂ تاریخ

ترجمہ

از مترجم

جناب حضرتِ قیصر میاں کا
ہوا ارشاد پورا بہرِ طالب
مناقب فخریہ کا ترجمہ ہے
بحمد اللہ مکمل اور جاذب
لکھوائے دردِ ہجری سالِ تاریخ
کہ - نورِ پاک فخریہ مناقب

۱۳۶۷ھ

قطعہ تاریخ طباعت

از

(مترجم)

ہمارے مرشدوں کی ہے عنایت ۔۔۔ کہ ہیں مندوب فخریہ مناقب
معین الحق والدین کے کرم سے ۔۔۔ چھپے مرغوب فخریہ مناقب
طلب حق کی نہیں بے کار یارو ۔۔۔ کہ ہیں مطلوب فخریہ مناقب
نظام اشعار سے دوچند ہے حسن ۔۔۔ یہ ہیں کیا خوب فخریہ مناقب
نبی کے ہیں محب کے یہ جو ملفوظ ۔۔۔ تو ہیں محبوب فخریہ مناقب
نمایاں اس سے توحید وجودی ۔۔۔ کہ ہیں مغلوب فخریہ مناقب

ہیں منکر لوگ - خارج درد اس سے
٣٦٦
چھپے کیا خوب فخریہ مناقب

١٧٤٧ — ٣٦٦ = ١٣٨١ھ

نذرِ عقیدت

از نتیجۂ فکر جناب میر نذر علی دردؔ کاکوروی

رنگ

ہاں نظام الدین خواجا رنگ دے — آج جامِ عشق رنگا رنگ دے
مست کر۔ اپنا پیالہ۔ دے پلا — تیرے قرباں ہاں پیا، لا رنگ دے
ہاں رنگیلے قطب الدین کا واسطہ — واسطہ گنج شکر کا، رنگ دے
رعنئی نیرنگیِ کونین سے — آج کچھ ایسا انوکھا، رنگ دے
خواجۂ عثمان معین الدین چشت — معرفت کے لعل بہا رنگ دے
رُت بسنتی اور چشتی میکدہ — چشتیوں والا نرالا رنگ دے
دل کے ویرانے کا۔ روشن ہو چراغ — ہاں نصیر الدین کا صدقا رنگ دے
اب نہ چھوٹے رنگ چُنری کا کبھی — صدقے جاؤں ایسا پکا رنگ دے
کچھ نہ ہو اپنی خبر مجکو نظام — رنگ خسرو میں سراپا رنگ دے
سہروردی اور کلیمی رنگ میں — آج یہ جُبہ عماما رنگ دے
بہر شاہ اصلح الدین آج تو — فخر دہلی فخر دین کا رنگ دے
حضرتِ قیصی میاں کا واسطہ — فقر فخری میں خدارا رنگ دے
توبہ رنگیں۔ جام رنگیں ساقیا — ساغرِ عرفان رنگا رنگ دے

قلب اپنا دردؔ خسرو کیوں نہ ہو
جب نظام الدین رنگیلا رنگ دے

حضرت چشتی نظام الدین رح کے عرس میں صندل مالی کا وقت عجب نورانی اور پر کیف ہوتا ہے۔ سنہ ١٣٦١ھ میں بمقام اورنگ آباد علی بخش قوال مرحوم نے یہ صندل گایا تھا۔ اب شیخ ہدایت قوال گاتا ہے۔

صندل

یہ نظامِ پیا کا صندل ہے — نورِ رب العلا کا صندل ہے
سرورِ اتقیا نظام الدین — سید الاصفیا کا صندل ہے
پنج تن پاک کی ہے جلوہ گری — نائبِ مصطفا کا صندل ہے
کھوئی جاتی ہے روح خوشبو میں — عارفِ کبریا کا صندل ہے
مہک اُٹھی متاعِ علم و حیات — نورِ نورِ خدا کا صندل ہے
دیکھو چھایا ہوا ہے نور ہی نور — تاجدارِ بقا کا صندل ہے
جس میں ہے جلوۂ کلیم اللہ — یہ اُسی حق نما کا صندل ہے
فخرِ دیں۔ فخرِ اولیا ہیں ساتھ — مرشدِ باصفا کا صندل ہے
جانشیں جن کے ہیں میاں قیصر — یہ اُنھیں باخدا کا صندل ہے

رنگ ہے دُرِّ چشتیہ جن کا
یہ اُنھیں رہنما کا صندل ہے

دیگر

مجھے کہتے ہیں پروانہ نظام الدین چشتی کا
میں دیوانہ ہوں مستانہ نظام الدین چشتی کا

اسی کو سیر ہوگی عالم عرفاں کی دنیا میں
جو پی لے ایک پیمانہ نظام الدین چشتی کا

عطا کی ہے مجھے شاہی اسی در کی گدائی نے
مجھے کہتے ہیں دیوانہ نظام الدین چشتی کا

جسے پینا ہو پی لے بادۂ توحید کا ساغر
کھلا ہے آج میخانہ نظام الدین چشتی کا

شہنشہ بن گئے دنیا میں خادم آستانے کے
وہ ہے فیضِ فقیرانہ نظام الدین چشتی کا

نہ پھر کیسے ہو فخر الدین چشتی کی نظر اس پر
رہے جو دل سے دیوانہ نظام الدین چشتی کا

بھلا اے دردؔ اس کی مستیوں کا پوچھنا کیا ہے
پیا ہو جس نے پیمانہ نظام الدین چشتی کا

ٹھمری

جب سے نیناں لگے توسے مورے نجام[1]
میکا[2] مدھوا بھری توری انکھین سے کام
جب سے نیناں لگے
میں تو داسی تمھاری ہوں اے فخر دیں
اپنے ہی رنگ ما، میکا[2] رنگ لیو تمام
جب سے نیناں لگے
آہ تڑپت ہوں۔ دن رین میں درد سے
مورے سیّاں رٹت ہو بھکت[3] تورا نام
جب سے نیناں لگے

دیگر

نجام[4] پیا آج واری میں جاؤں
سنگ تمہارے پھاگ رچاؤں
بھر پچکاری حضرت فخر کی
اپنی چُنریا توسے رنگاؤں

---

[1] و [4] نظام [2] میکا بمعنی مجھے [3] فقط۔

درد سے بے کل۔ پھرہوں کلھے
جب میں سہیلی توری کہاؤں

حضرتِ خواجہ پیر فخر الدین
ابنِ ابنِ امیر فخر الدین

مئے۔ الفقر۔ پی کے لاؤں رنگ
تم بنا دو فقیر فخر الدین

چشتیہ خاندان میں واللہ
آپ ہیں بے نظیر فخر الدین

واسطہ ہے چراغ دہلی کا
ناصرِ دیں۔ نصیر فخر الدین

ہاں بصارت عطا ہو عرفاں کی
آپ کر دیں۔ بصیر فخر الدین

رنج و غم کی۔ مجھے نہیں پروا
ہیں مرے دستگیر فخر الدین

درد کا کوروی کی عرض یہ ہے
دل ہو روشن ضمیر۔ فخر الدین

یہ دل مدہوشِ جامِ فخر دیں ہے
یہ سر قربانِ نامِ فخر دیں ہے

بحمد اللہ نظامی میکدے کا
ہر اک ساغر پیامِ فخر دیں ہے

ازل کی مستیوں کی سن کے دعوت
جسے دیکھو بکامِ فخر دیں ہے

چلا آ سامنے پھیلائے دامن
کہ جاری فیض عامِ فخر دیں ہے

ہماری زندگی کی ساری تنظیم
بحمد اللہ نظامِ فخر دیں ہے

بہ ہر صورت ہے توحیدِ وجودی
یہی شرحِ کلامِ فخر دیں ہے

نہیں معلوم کیا مستوں نے دیکھا
ہر اک شیدا بجامِ فخر دیں ہے

سمجھ سکتے نہیں ہم پستی والے
بہت اعلیٰ مقامِ فخر دیں ہے

ہے پائی درد کی نعمت جو دل نے
دعائے صبح و شامِ فخر دیں ہے

ہم پر بھی کرم داتا مولانا نظام الدین

ہے آپ کا وہ رتبہ ۔ سرکار نظام الدین
واللہ ولی لاکھوں ہیں آپ کے خوشہ چیں
آئے ہیں یہاں سُنکر نام آپ کا با تمکیں
تقدیر کے کھوٹے ہیں ۔ نادار ہیں اور مسکیں
ہم پر بھی کرم داتا مولانا نظام الدین
جب آپ سا ولیوں میں سرکار نہیں کوئی
ہم سا بھی زمانے میں نادار نہیں کوئی
جب یار نہیں کوئی ۔ غمخوار نہیں کوئی
ہم جیسے غریبوں کا ۔ اخیار نہیں کوئی
ہم پر بھی کرم داتا مولانا نظام الدین
ہے جس کی ضرورت وہ توقیر نہیں کوئی
تقدیر بنے کُندن اکسیر نہیں کوئی
مقصود کے ملنے کی ۔ تدبیر نہیں کوئی
افسوس کہ آہوں میں تاثیر نہیں کوئی
ہم پر بھی کرم داتا مولانا نظام الدین
جب درگہِ والا پر ۔ قسمت ہمیں لائی ہے
پھر تو یہ سمجھتے ہیں تقدیر ۔ بن آئی ہے

اللہ و محمد تک حضرت کی رسائی ہے
سرکار کلیمی کی سرکار دہائی ہے
ہم پر بھی کرم داتا مولانا نظام الدین
اس در کے بھکاری کی۔ یہ عرض ہے اے مرشد
ہو نخلِ عقیدت کا۔ مولانا کبھی بار آور
اس دل کی تمنائیں، رخشانی میں ہوں خاور
اور آپ دیے جائیں، عرفاں کے ہمیں ساغر
ہم پر بھی کرم داتا مولانا نظام الدین

فخر الدین مولانا

مری قسمت کی یہ روداد فخر الدین مولانا
کہ میرا گھر نہیں آباد فخر الدین مولانا
کرو ناشاد کو بھی شاد فخر الدین مولانا
حبیبِ قطب و غوث و اوتاد فخر الدین مولانا
پریشانی کی۔ اور افتاد کی۔ حد ہی نہیں کوئی
مصیبت بھی اٹھاتا ہے، مفید ہی نہیں کوئی
کہ جیسے زندگی کا اور مقصد ہی نہیں کوئی
یہ ہیں کب تک سہوں بیداد۔ فخر الدین مولانا

مری قسمت کی تاریکی ضیا ہو مہر انور کی
کہ مدت سے تمنا ہے نگاہِ بندہ پرور کی
قسم ہے آپ کو سرکار اس روئے منور کی
کرو دردِ جگر کو شاد۔ فخر الدین مولانا

کہاں تک آپ کو اپنے جگر کے داغ دکھلائیں
رہیں ناکام اور پھر آپ کے خدام کہلائیں
درِ والا کو آخر چھوڑ کر کہیے کہاں جائیں
خدارا کیجئے ارشاد۔ فخر الدین مولانا

خدارا اپنے ہم عصروں میں ہو۔ بندہ نہ شرمندہ
ملیں پُر نور ساغر۔ اخترِ قسمت ہو تابندہ
جبینِ شوق پر گویا۔ انا المطلوب ہو کندہ
عطا ہو ایسی استعداد۔ فخر الدین مولانا

یہ حالت اور پھر آقا تمہارے جاں نثاروں کی
تمنائیں ہوئیں پامال تابندہ بہاروں کی
کرم ہم پر بھی۔ مولائے جہاں جیسے ہزاروں کی
کیا کرتے ہیں آپ امداد۔ فخر الدین مولانا

اِدھر ہے موجِ بے تابی تو اُس جانب ہے سیلِ غم
لکھی ہیں کیا مری تقدیر میں۔ ناکامیاں ہر دم
یہ منظر یاس و حسرت کے۔ یہ مسکیں درد کا عالم
ہے میری آپ سے فریاد۔ فخر الدین مولانا

مزار پھولوں میں

(بزمانۂ عُرس)

ضیا بدوش ہے کیسا مزار پھولوں میں
بسی ہوئی ہے نسیم بہار پھولوں میں
شریک ہیں جو عقیدت کے ہار پھولوں میں
گلِ مراد ہیں لاکھوں ہزار پھولوں میں
یہ نکہت اور یہ مستی۔ یہ کیف ۔ یہ جلوے
یہ رنگ نور۔ یہ تصویر یار پھولوں میں
ہیں خود بھی بن کے وہ خوشبو شریک محفل میں
بسا ہوا ہے یہ جن کا مزار پھولوں میں
لہک مہک ہے کچھ ایسی کہ بس گئی محفل
نشاط۔ روح کو ہے بار بار پھولوں میں
چڑھائے ہیں جو عقیدت کے پھول میں نے آج
شریک ہیں وہ۔ انھیں بے شمار پھولوں میں
بنا ہوا ہے جو سارا مزار بُقعۂ نور
ہر ایک گل ہے۔ گلِ شاہکار پھولوں میں

ہے روزِ عرس کا۔ دولھا بنا ہوا ہے کوئی
چھپی ہوئی ہے عروسِ بہار پھولوں میں
خدا کے فضل سے لے در دآ رہی ہے نظر
تجلیِ نگہِ کیف بار پھولوں میں

میں گناہ گار اس پر یہ لباسِ پارسائی
مرا علم ہے وہ ناقص۔ کہ عمل بنا ریائی
نہ مرے وجود سے ہو کہیں اور جگ ہنسائی
ضمارہِ قلندر سزد ار بمن نمائی

کہ دراز و دور دیدم رہ رسم پارسائی

ہے فروغِ آمریت مری زندگی کا مقصد
نہ خودی انتہا ہے۔ نہ فریب کی کوئی حد
وہ گناہ گار ہوں میں کہ ریا میں ہوں مقید
بہ زمیں چو سجدہ کردم ۔ ز زمیں ندا بر آمد

کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

کبھی زہد و پارسائی میں تھیں نیکیاں مجسّم
مگر آج ہے یہ حالت ہے برائیوں کا پرچم

ہے نظامِ پارسائی - ہوا ایک لخت برہم
بشرابِ خانہ رفتم - ہمہ پاک باز دیدم

چہ بصومعہ رسیدم ہمہ یافتم دغائی

مجھے اپنی علمیت پر - ہے غرور چند در چند
نہ خودی کی ہے ندامت نہ خدا کا آرزومند
مرے نفس نے کچھ ایسا - مجھے کر لیا نظر بند
بطوافِ کعبہ رفتم - بحرم رہم نہ دادند

تو برونِ در - چہ کردی - کہ درونِ خانہ آئی

جو خدا کو اپنے بندوں، کی پسند ہے خوشامد
تو ندامتوں سے یہ دل ہوا درد - ایک مشہد
یہ کرم خدا کا دیکھو کہ باایں قصور بے حد
درِ دیر چوں زدم من - ز درون ندا برآمد

کہ بیا، بیا عراقی تو زخاصگانِ مائی

دلہا ربودہ - گیسو کمندے | آہو نگاہے جادو فگندے
بسیار تلخ و نازک مزاجے | از تندخوئی نخوت پسندے

مخمورِ چشمے غارت گرِ دیں ۔ نا ترس کافر زنار بندے
درد و دل ستانی جادو نگاہے ۔ آہو فریبے ناوک فگندے
در خاکساری ۔ عاجز نوازے ۔ از حسن دلکش مضطر پسندے
از تابش رخ رخشندہ مہرے ۔ دلہا گدازے آتش فگندے
خوش جامہ زیبے خوش دلفریبے ۔ بستاں سرائے سرو بلندے
ہر بند زلفش ۔ صد حلقہ دارے ۔ آویخت جاں ہا بندے بہ بندے
از شکوۂ غم ۔ چیں بر جبینے ۔ در دلنوازی درماں پسندے
از روئے انور روشن جہانے ۔ وز عکس کاکل سایہ فگندے
صد ہا چو مجنوں ۔ پابند دامے ۔ صد ہا چو لیلا گیسو کمندے

ہم سینہ بریاں ۔ ہم دیدہ گریاں
ہے ہے چہ پرسی از دردمندے

دیدۂ و دل تو اُویسِ قرنی کا دیکھو
جب ہوا ۔ احمد مرسل کا تصور ان کو
بے خودی میں یہ اویس قرنی کہتے ہیں ۔ سُنو

دل کند سجدہ بہ ایں طرز خرامیدن تو
دیدہ صد شکر بجا آرد ازیں دیدن تو

جلوۂ حسنِ ازل تیری قسم ہے تجھ کو
دیکھے عشاق کی آنکھوں سے تو روپوش نہ ہو
اُف یہ رفتار یہ جلوے ترے، اے حسن نکو

دِل کند سجدہ باِیں طرز خرامیدن تو
دید صد شکر بجا آرد ازیں دیدن تو

پھر ذرا جان جہاں۔ پردہ بر انداز تو ہو
ایک عالم ترا مشتاق ہے اے نور نکو
کس طرح یار۔ معتقد نہ ترا کوئی ہو
نور مطلق متجلّی۔ بجمالِ رُخِ تو
کافرست آنکہ کند منع پرستیدن تو

روح تقدیر سے جب تیری گرفتار آئی
عقل روتی ہوئی رسوا سر بازار آئی
کس کے حصّے میں تری دولتِ دیدار آئی
تا شنیدم کہ بہ پرسیدن بیمار آئی
کرد بیمار مرا حسرتِ پرسیدن تو

تیری آغوشِ نظر ہے وہ محبت کا جہاں
ایک اشارے پہ ترے نظمِ جہاں ہے رقصاں
پھر کچھ ایسا نگہ و دل میں تو کر دے ساماں

ہر زماں میرم و - ہر لحظہ شوم زندہ بجاں
گہ ز رنجیدنِ تو - گاہ ز خندیدنِ تو

بے کلی حد سے نہ بڑھ جائے کسی دن تیری
دیکھ پژمردہ نہ ہو جائے کہیں دل کی کلی
دردؔ ہر حال میں رکھ پیشِ نظر اس کی خوشی

اے حسنؔ بوسہ بہ پایش زدن از بے ادبی
پائے نازک نشود رنجہ ز بوسیدنِ تو

(یہ وہ چیزیں ہیں جو عرس میں برابر گائی جاتی تھیں۔)

تمت بالخیر